سرگودھا کا دبستانِ شاعری

(جلد اول)

شاکر کنڈان

سرگودھا کا دبستانِ شاعری

(جلد اول)

رفتگاں

شاکر کنڈان

اکادمیات

لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق بنام عبداللہ فہیم شاکر محفوظ ہیں

طلوعِ اول: ۲۰۱۲ء

کتاب: سرگودھا کا دبستانِ شاعری

جلد اول (رفتگان)

مؤلف: شاکر کنڈان

اہتمام: اکادمیات (رجسٹرڈ) لاہور

سرورق: حذیفہ خاں

صفحات: ۴۳۲

مطبع: حاجی حنیف پرنٹرز، لاہور

قیمت: ۶۰۰ روپے

ناشر: اکادمیات

۳۹۱۔این سمن آباد، لاہور

ملنے کے پتے: عقیدت، ۱۳۲۔پی استقلال آباد سرگودھا

ظفر بک ڈپو، اردو بازار، سرگودھا

سٹینڈرڈ نیوز ایجنسی، گول چوک سرگودھا

مدینہ بک ڈپو مین بازار خوشاب

Marfat.com

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری

کے نام

جن کی حب الوطنی، انسان دوستی، شریف النفسی، غریب پروری، اردو زبان سے محبت اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں انہماک نے نجانے کیوں مجھے اُن کے سامنے آنے سے روکے رکھا جب کہ اُن کی خاموش عنایات نے ہمیشہ مجھے اپنے حصار میں رکھا۔

شاگرد کنڈان

Marfat.com

تار و پود

	صفحہ
۱۔ مولانا غلام قادر چشتی بھیروی	۲۱
۲۔ پیر حیدر علی شاہ	۲۲
۳۔ ایم بی خلیق	۲۵
۴۔ حکیم عبدالرسول بکھروی	۲۶
۵۔ مولوی دلپذیر	۲۸
۶۔ مولوی محمد امین	۳۲
۷۔ مولانا محمد سعید زین پوری	۳۵
۸۔ مولوی عبدالمجید	۳۸
۹۔ مولوی نورالدین	۴۰
۱۰۔ دل خوشابی	۴۴
۱۱۔ شید اانبالوی	۴۶
۱۲۔ باوا محمد عمر رند خوشابی	۴۹
۱۳۔ مولانا مفتی محمد شفیع	۵۱
۱۴۔ حافظ فضل کریم گوندل	۵۳
۱۵۔ مقصود وارثی	۵۵
۱۶۔ اختر واصفی	۵۶
۱۷۔ مولانا ظہور احمد بگوی	۵۹
۱۸۔ ریاض جالندھری	۶۱
۱۹۔ چودھری بشیر احمد تارڑ	۶۴
۲۰۔ اعجاز کرنالوی	۶۵
۲۱۔ محمد حسین شوق	۶۷
۲۲۔ عبدالغنی ناز	۶۹
۲۳۔ عطا بلوچ	۷۲
۲۴۔ فراق کنگروی	۷۳
۲۵۔ سید صوفی نقوی	۷۶
۲۶۔ حقیر آستانی	۷۹
۲۷۔ راجا علی گوہر	۸۱
۲۸۔ سید وزیر شیرازی	۸۳
۲۹۔ یونس حسین جھجروی	۸۵
۳۰۔ حاجی سلطان احمد سالک	۸۷
۳۱۔ سردار بشن سنگھ بیکل	۸۹
۳۲۔ ملک حبیب اللہ خان ٹوانہ	۹۱
۳۳۔ حافظ یوسف آزاد	۹۴
۳۴۔ میاں فضل الرحمان بسمل	۹۷

Marfat.com

۳۵۔ جوہر نظامی	۹۹	۵۶۔ مضطر دھریوی	۱۵۵
۳۶۔ غلام جیلانی باصر	۱۰۲	۵۷۔ شاکر حسین شاکر	۱۵۷
۳۷۔ ناسک امرتسری	۱۰۴	۵۸۔ علامہ یوسف جبریل	۱۵۹
۳۸۔ بدرالدین بدر	۱۰۵	۵۹۔ صادق سانی	۱۶۷
۳۹۔ قاضی عزیز احمد	۱۰۸	۶۰۔ پروفیسر غلام جیلانی اصغر	۱۶۹
۴۰۔ ملک خادم حسین	۱۰۹	۶۱۔ صوفی فقیر محمد	۱۷۳
۴۱۔ ڈاکٹر محمد شریف قیصر	۱۱۱	۶۲۔ عبدالغنی جوہر	۱۷۸
۴۲۔ مرزا امول انور	۱۱۳	۶۳۔ شبلی پانی پتی	۱۷۹
۴۳۔ خواجہ فخرالدین سیالوی	۱۱۶	۶۴۔ خلیل بدایونی	۱۸۱
۴۴۔ حکیم حاجی نور محمد	۱۱۹	۶۵۔ افضال ناز گنگوہی	۱۸۴
۴۵۔ حاتم علی حاتم	۱۲۱	۶۶۔ دوست محمد محب	۱۸۶
۴۶۔ میر عبدالرشید اشک	۱۲۴	۶۷۔ سیف زبیری	۱۸۸
۴۷۔ حکیم غلام سرور نعیمی	۱۲۶	۶۸۔ نذیر چودھری	۱۹۰
۴۸۔ اختر حسین رنگین	۱۳۰	۶۹۔ اقبال منظر	۱۹۳
۴۹۔ سلیم بھٹی	۱۳۱	۷۰۔ سید واحد حسین نشاں	۱۹۴
۵۰۔ الطاف مشہدی	۱۳۳	۷۱۔ بشیر احمد بشیر	۱۹۶
۵۱۔ شمیم بھیروی	۱۳۸	۷۲۔ ڈاکٹر وزیر آغا	۱۹۹
۵۲۔ اخگر سرحدی	۱۴۱	۷۳۔ محمد انور گوندی	۲۰۹
۵۳۔ شیر محمد اسیر	۱۴۵	۷۴۔ عزیز انبالوی	۲۱۲
۵۴۔ عیش بخاری	۱۴۸	۷۵۔ مرزا محمد منور	۲۱۴
۵۵۔ احمد ندیم قاسمی	۱۴۹	۷۶۔ سید محمد حسین نیلوی	۲۱۹

Marfat.com

۷۷۔ صاحبزادہ رفعت سلطان ۲۲۳
۷۸۔ سید مہدی مدنی ۲۲۶
۷۹۔ انور حیدری ۲۲۹
۸۰۔ راجن ادیب ۲۳۰
۸۱۔ میاں محمد اکرم بھٹی ۲۳۳
۸۲۔ عزیز علوی ۲۳۵
۸۳۔ صابر ملک ۲۳۷
۸۴۔ عصمت علیگ ۲۴۰
۸۵۔ علی حسنین شیفتہ ۲۴۲
۸۶۔ مجید افضل پراچہ ۲۴۴
۸۷۔ نذیر شیر زادہ ۲۴۶
۸۸۔ صفدر بخاری ۲۴۹
۸۹۔ واصف علی واصف ۲۵۰
۹۰۔ نصرت چوہدری ۲۵۶
۹۱۔ نواب مخمور ۲۵۹
۹۲۔ پروفیسر ساقی الحسینی ۲۶۱
۹۳۔ ڈاکٹر جی ایم اکمل ۲۶۳
۹۴۔ ظہیر الدین ظہیر ۲۶۶
۹۵۔ ضامن علی حیدری ۲۶۸
۹۶۔ سید تاجدار دہلوی ۲۷۱
۹۷۔ ارشاد عظمت ۲۷۳
۹۸۔ رشک ترابی ۲۷۵
۹۹۔ صاحبزادہ گلزار حسین شاہ صابر ۲۸۰
۱۰۰۔ شکیب جلالی ۲۸۲
۱۰۱۔ مفتی بشارت احمد نیر ۲۸۷
۱۰۲۔ حسن اختر خلیل ۲۸۹
۱۰۳۔ سعید مرزا ۲۹۱
۱۰۴۔ قاضی خضر جمال ۲۹۳
۱۰۵۔ اظہر جاوید ۲۹۵
۱۰۶۔ سلیم حسن مرزا ۲۹۸
۱۰۷۔ شفیع ضامن ۳۰۰
۱۰۸۔ ثاقب ملک ۳۰۳
۱۰۹۔ محمد صفدر خان ۳۰۵
۱۱۰۔ آفتاب مفتی ۳۰۷
۱۱۱۔ شوکت راز ۳۰۹
۱۱۲۔ حضرت غلام نظام الدین ۳۱۱
۱۱۳۔ مظہر جعفری ۳۱۵
۱۱۴۔ لیفٹیننٹ کرنل محمد افضل ملک ۳۱۷
۱۱۵۔ پروانہ شاہ پوری ۳۱۹
۱۱۶۔ جاوید اختر سید ۳۲۱
۱۱۷۔ محمد نواز نسیم ۳۲۲
۱۱۸۔ اختر امان ۳۲۵

Marfat.com

۱۱۹۔ عاشق حسین عاشق ۳۲۸
۱۲۰۔ ندیم حیدر بلوچ ۳۳۱
۱۲۱۔ حسرت جعفری ۳۳۴
۱۲۲۔ تنویر ہاشمی ۳۳۵
۱۲۳۔ طفیل ثاقب ۳۳۷
۱۲۴۔ حنیف ساجد ۳۴۰
۱۲۵۔ غلام شبیر شاہد ۳۴۲
۱۲۶۔ محمد حسین جامی ۳۴۴
۱۲۷۔ سید ذکی الحسنین ۳۴۶
۱۲۸۔ جمال احسانی ۳۴۸
۱۲۹۔ بلال اُمّی ۳۵۱
۱۳۰۔ اے ایچ انیس ۳۵۲
۱۳۱۔ عبدالستار آثم ۳۵۳
۱۳۲۔ مقصود احمد راہی ۳۵۵
۱۳۳۔ صلاح الدین ساجد ۳۸۷
۱۳۴۔ منیر ایاز ۳۵۸
۱۳۵۔ عمر دراز ساجد ۳۶۱
۱۳۶۔ یوسف خورشید ۳۶۳
۱۳۷۔ سید معرفت ہمدانی ۳۶۶
۱۳۸۔ عامر انصاری ۳۷۰
۱۳۹۔ شاہد راہی ۳۷۱
۱۴۰۔ ساغر چشتی ۳۷۳
ماخذات ۳۷۷
کتابیات ۴۰۶
اشاریہ (شخصیات) ۴۲۱

Marfat.com

بسم اللہ

سرگودھا ایک خاص مقام کا نام تو ہے ہی لیکن سرگودھا ایک ایسے خطے کا احاطہ کیے ہے جو اس سے پہلے ضلع شاہ پور کی حدود میں واقع تھا اور اب سمت کر شاہ پور کی جگہ لینے والے اس شہر کی ضلعی حدود میں واقع ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ اس خطے کو چج دوآب کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور یہ دریائے جہلم اور دریائے چناب کے درمیان کا علاقہ تھا۔ پھر چج دوآب کو گجرات، سرگودھا اور جھنگ میں تقسیم کر دیا گیا تو ان اضلاع میں دوسرے پڑوسی ضلعوں کے کچھ شہر بھی شامل ہوئے۔ یوں ۱۹۴۹ء میں جب شاہ پور کو ضلع کی حیثیت دی گئی تو دریائے جہلم کے مغربی کنارے پر آباد کچھ علاقے اس میں شامل کر دیے گئے جس میں خوشاب، نور پور تھل اور کوہستان نمک کا کچھ علاقہ اس کا حصہ بنا۔

اردو زبان سے پہلے یہاں دو زبانیں خاص طور پر بولی، پڑھی، لکھی اور سمجھی جاتی تھیں۔ ایک فارسی اور دوسری پنجابی۔ لیکن ان کے ساتھ ہی بہت سے لوگ عربی زبان سے بھی واقف تھے۔ عربی زبان کا پڑھنا اور سیکھنا عبادت سمجھا جاتا تھا لیکن اس کی حد بزرگانِ دین سے باہر بہت کم تھی۔ لہٰذا جہاں تک شاعری کا تعلق ہے تو وہ بھی ان تینوں زبانوں میں کی جاتی تھی۔

اردو ادب کی تاریخ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ اردو زبان میں سب سے پہلے اشعار جو کہے گئے وہ حضرت بابا فرید گنج شکر (۱۱۷۳ء-۱۲۶۵ء) کے تھے ؎

وقتِ سحر وقتِ مناجات ہے — خیز دراں وقت کہ برکات ہے
نفس مبادا کہ بگوید ترا — خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے

اس مناجات کے پانچ اشعار اردو زبان و ادب کے مؤرخین نے نقل کئے ہیں۔

Marfat.com

حضرت بابا فرید گنج شکر کا ذکر یہاں اس نسبت سے بھی آ گیا ہے کہ آپ نے زندگی کے تقریباً ۳۶ سال دشت نوردی میں گزارے۔ اسی دوران آپ کا گزر سرگودھا کے علاقے سے بھی ہوا۔ سکیسر سے پچھلی جانب پہاڑی میں ایک جگہ ''بابادی کھوہ'' ہے۔ جس کے بارے یہ مشہور ہے کہ بابا فرید نے اس غار میں چلہ کاٹا تھا اور اسی نسبت سے اس کا نام ''بابادی کھوہ'' پڑ گیا۔

خطہ سرگودھا کی قدیم تاریخ اس کے ادبی حوالے سے ہمارے پاس محفوظ نہیں ہے۔ جس طرح حضرت بابا فریدؒ کی آمد کا ذکر ملتا ہے اسی طرح حاجی محمد نوشہ گنج جو حضرت سخی سلیمان نوریؒ کے مرید تھے اُن کے بھلوال میں قیام کا حوالہ بھی ملتا ہے۔ آپ ۲۱ اگست ۱۵۵۲ء کو موضع گھوگا نوالی ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ ۲۹ سال کی عمر میں حضرت سخی سلیمان نوریؒ (۷ جولائی ۱۵۰۸ء۔ ۲۸ فروری ۱۶۰۴ء) کے مرید ہوئے۔ حضرت سخی سلیمان نوریؒ فارسی کے شاعر تھے جبکہ آپ کے مرشد حضرت مخدوم شاہ معروف چشتی قادریؒ (م: ۱۵۷۹ء، خوشاب) بھی عربی اور فارسی کے شاعر تھے۔ حضرت نوشہ گنج بیعت کے بعد بھلوال میں اپنے مرشد کے پاس کچھ عرصہ قیام پذیر رہے اور جب خرقۂ خلافت سے نوازے گئے تو ضلع گجرات میں اپنے علاقے میں تشریف لے گئے۔ آپ اگرچہ اردو کے شاعر تھے لیکن آپ کا تعلق نہ تو جنم کے حوالے سے اور نہ ہی وفات کے حوالے سے سرگودھا کے خطے سے ہے۔ لیکن آپ چونکہ اُن شخصیات میں سے ہیں جنہوں نے اردو زبان کو ابتداء میں اپنایا۔

فارسی کے تذکروں میں ایک نام رضا لاہوری کا آتا ہے۔ بھیرہ، خوشاب، شاہ پور وغیرہ کو ایک زمانے میں ' یکے از مضافات لاہور' کے نام سے لکھا جاتا تھا۔ اور رضا لاہوری کے بارے میں خورشید احمد خان یوسفی، لچھمی نرائن شفیق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ''آج کل راجہ شاہ پوری کے ساتھ بسر کرتے ہیں۔' راجہ شاہ پور سے اُن کی کیا مراد ہے کیونکہ رانی ابھرت کے سلسلے میں بھی راجہ شاہ پور کا ذکر آیا ہے۔ جبکہ رانی ابھرت کا تعلق کھوکھرانہ کے حکمران راجپوتوں سے تھا۔ کھوکھرانہ سرگودھا میں واقع کڑانہ بار کے نزدیک ایک آباد گاؤں تھا۔ یہ سب قیاسی باتیں ہیں۔ اور عجیب بھی ہیں۔ عجیب اس لیے کہ رضا لاہوری کا عہد سلطان محمود غزنوی کی آمد کے بعد کا ہے۔ سلطان محمود کے زمانے میں

Marfat.com

کھوکھرانہ کے راجہ کا راجہ شاہ پوری کہلانا درست نہیں ۔ کیونکہ شاہ پور کے بارے میں روایت ہے کہ اکبراعظم کے دور میں حضرت شاہ شمس شیرازی کی یہاں آمد پر اس شہر کا نام شاہ پور رکھا گیا۔ سلطان محمود غزنوی اور شاہ شمس شیرازی کے درمیان پانچ سو سال سے زائد کا عصری بُعد ہے۔ ممکن ہے مغلیہ دور میں انہیں راجہ شاہ پوری کہا جاتا ہو اور اگر اس مفروضے کو سچ مان لیا جائے تو خورشید احمد خان نے جو اشعار نقل کیے ہیں یہ اُس عہد کے نہیں۔ کیونکہ تب اردو زبان ابھی اس اسلوب اور سلاست میں سامنے نہیں آئی تھی۔ خورشید احمد خان نے یہ دونوں اشعار حاجی علی اکبر رمال کی بیاض سے لیے ہیں ۔

بازارِ محبت میں اے سیم تنو! تم سے　　　زردار کا سودا ہے بے زر کا خدا حافظ

دیکھا جو جہاں فانی بولا یہ رضا مصرع　　　دنیا تو گزرتی ہے محشر کا خدا حافظ

اس کے بعد انیسویں صدی عیسوی میں مولانا سلطان محمود نامی کا نام ملتا ہے، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اردو، فارسی، عربی اور پنجابی کے شاعر تھے۔ آپ غالب کے ہم عصر تھے۔ موضع بندیال تحصیل خوشاب سے تعلق تھا۔ انہوں نے اپنے چہار زبان شاعر ہونے کا ثبوت اپنے ایک شعر سے یوں دیا ہے ۔

کان رجل، بود مردی، ایک جنڑاں، اک مردتھا　　　قال لی، گفتا مرا، آکھیوس مینوں، مجھ کو کہا

"سرگودھا کا دبستانِ شاعری" میں اس عہد کے چند ایک شعراء کا ذکر موجود ہے۔ جس میں مولانا غلام قادر چشتی بھیروی، پیر حیدر علی شاہ گیلانیؒ، مولوی دلپذیر، ایم بی خلیق، مولانا محمد سعید زین پوری، حکیم عبدالرسول بھروی، مولوی محمد امین، مولوی عبدالمجید، مولوی نورالدین، دل خوشابی، رند خوشابی، مولانا مفتی محمد شفیع، حافظ فضل کریم گوندل، مقصود وارثی اور اختر واصفی کے بارے میں نامکمل تعارف یا نامکمل کلام پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ بہت سے نام ایسے بھی میرے ذہن میں موجود ہیں جن کے بارے میں اگر چہ مجھے علم ہے کہ انہوں نے اردو زبان میں شعر کہے تھے لیکن میری کوتاہی علم اور فقدانِ تحقیق کہ اُن کے کلام یا تعارف تک رسائی میں ناکام رہا۔ مثلاً تذکرہ نوشاہیہ میں سید شریف احمد شرافت نے سلطان بچہ کے وہ شعر نقل کیے ہیں جو انہوں نے ۱۹۳۱ء میں حضرت شاہ

Marfat.com

سلیمان بھلوالی کے روضہ کے اندر دیوار پر کندہ دیکھے تھے۔ شرافت نوشاہی نے پندرہ اشعار جو تحریر کیے ہیں یہ کسی منجھے ہوئے شاعر کے محسوس ہوتے ہیں۔ تین شعر ملاحظہ ہوں۔

سلاطینِ زماں ہیں سر جھکاتے آپ کے در پر مرادیں مانگتے ہیں آپ سے سب اصغر و اکبر
گداگر آپ کے در کا ہے رکھتا فخر شاہانہ حقیقی شان میں ہیں اس سے کم اسکندر و قیصر
تجس ان کو ہے کیسا بھلا گلزارِ جنت کا کہ اُن کے پیر کا روضہ بھی جنت سے نہیں کم تر

اسی طرح سخن آثار میں نعیم ساگر نے ظہور عالم ظہور کا تعارف تو دے دیا کہ ۱۸۹۰ء میں رہتک میں پیدا ہوئے اور ۱۹۹۰ء میں پھلروان میں وفات پائی لیکن کلام کے ضائع ہو جانے کے دکھ کے اظہار کے ساتھ صرف ایک شعر نقل کیا ہے۔

بجھ گیا کوئلہ دل کو جو سلگتا تھا مدام اب نہ آثارِ حرارت نہ دھواں باقی ہے

محسن عباس نے اپنے مقالے ''اردو ادب کے فروغ میں خوشاب کا حصہ'' میں ماہنامہ ''صوفی'' پنڈی بہاؤالدین (موجودہ منڈی بہاؤالدین) کے شمارے اپریل 1915ء سے ابوالوقار نامی نظامی شاہپوری کے اکبر کی مدح میں کہے گئے دو اشعار نقل کیے ہیں۔

لسان العصر ہیں وجدانِ ملت ہیں اکبر آجکل صورِ ہدایت
یہی خضرِ طریق و خضرِ ظلمت یہی آبِ بقا ہے ترش شربت

صاحبزادہ حافظ محمد عبداللہ ولد خواجہ محمد دین سیالوی عربی، فارسی، اردو اور پنجابی زبانوں کے شاعر تھے۔ اُن کا پنجابی کلام تو کسی حد تک محفوظ ہے لیکن اردو کلام کی تلاش میں کا نامی رہی۔ آپ ۱۸۸۸ء میں سیال شریف میں پیدا ہوئے تھے اور ۲۱ فروری ۱۹۶۴ کو وہیں وفات پائی تھی۔

ڈاکٹر منظور احمد منظور ۱۸۹۴ء میں بھیرہ میں مولوی دلپذیر کے ہاں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۴ء میں بھیرہ میں ہی فوت ہوئے۔ اُن کا اردو کلام بھی میری پہنچ سے باہر رہا۔

مولانا محمد زبیر نسیم (۱۸۹۸ء۔ ۱۹۷۲ء) کا فارسی کلام تو رسائل اور کتب میں بکھرا ہوا ملا لیکن اردو کلام کے حصول میں ناکامی رہی۔

Marfat.com

حکیم سردن ناتھ آفتاب کے بارے راجا رشید محمود نے غیر مسلموں کی نعت گوئی میں اُن کی نعت نگاری کے حوالے سے جانکاری تو دی ہے جو انہیں محمد الدین فوق کی ''تاریخ اقوام پونچھ'' سے ملی لیکن مختصر تعارف پر اکتفا کیا۔ نمونہ کلام وہ بھی حاصل نہ کر سکے۔

مختلف قبرستانوں میں جب کتبے دیکھے تو کچھ کندہ نام ایسے بھی ملے جن کے اسماء سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شاعر تو تھے لیکن اُن کا کلام دستبردِ زمانہ کی نذر ہو گیا۔ جس کے ساتھ ہی وہ اپنا تعارف بھی گنوا بیٹھے۔ جیسے ملازم حسین اصغر، سید آلِ احمد مانی علیگ، سعید صابری، محمد الدین سفر، نبی احمد ضیا، عبدالغفور حاتم وغیرہ۔

ایک قبر پر جو کتبہ دیکھا وہ کسی خلیق نامی شاعر کا لکھا ہوا ہے۔ یہ قبر چودھری دین محمد خان کی ہے جو داروغہ کمیٹی تھے۔ ان کی وفات ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۸ فروری ۱۹۳۱ء کو ہوئی۔ اسی دور میں سرگودھا کے تین شاعر ایسے ملتے ہیں جن کے تخلص خلیق تھے۔

ایک مولانا محمد یار خلیق تھے جو لاہور میں مقیم تھے اور وہیں ۱۹۳۷ء میں وفات پائی۔ آپ کا تعلق ضلع سرگودھا کے گاؤں جوڑا کلاں سے تھا۔ آپ کے کلام تک بھی میری رسائی نہیں ہو پائی۔ دوسرے ایم بی خلیق تھے جن کا مختصر سا نمونہ کلام آئندہ کے صفحات میں شامل ہے۔ یہ اشعار ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئے تھے۔ آیا آپ ۱۹۳۱ء میں زندہ تھے یا نہیں۔ اور تیسرے خلیق لاابالی جن کا صرف نام کی حد تک بشن سنگھ بیکل کے تعارف میں ذکر آیا ہے۔ انہیں استاد شاعر کہا گیا ہے لیکن اللہ بہتر جانتا ہے۔ وہ ۱۹۳۱ء میں حیات تھے یا نہیں۔ لہٰذا چودھری دین محمد خان کی قبر کے کتبے پر کندہ شعر کس خلیق کے ہیں اس کے بارے بھی میں مکمل طور پر لاعلم ہوں۔ البتہ شعر پختہ دکھائی دیتے ہیں اور کسی کہنہ مشق شاعر کے معلوم ہوتے ہیں۔

آہ یہ بے تاب دل میرا بہت رنجور ہے — کیا بتاؤں قلب کے اندر کوئی ناسور ہے
چین پہلو میں نہیں دل کو نہ کچھ حاصل سکوں — فوجِ غم نے اس کو گویا کر لیا محصور ہے
غم کی وہ چھائی گھٹا تاریک دنیا ہو گئی — روزِ روشن میری آنکھوں سے شب دیجور ہے

Marfat.com

چودھری دین محمد خان خاں یادش بخیر — اس کی الفت حلقۂ احباب میں مشہور ہے
اس کے اوصاف حمیدہ کا بیاں ممکن نہیں — کیا لکھے تعریف خامہ، اس سے یہ معذور ہے
تھا شریف الطبع وہ جس کی نہیں ملتی نظیر — اس کے اخلاقِ حمیدہ کا ہر اک مشکور ہے
اٹھ گیا وہ نیک خو جو انتخاب دہر تھا — جس کے۔۔۔وخلق کی ہر لب پہ اب مذکور ہے

اے خلیقؔ زار تو بھی صبر سے اب کام لے
کر خدا کا شکر اس کا نام صبح وشام لے

کتبہ چونکہ بہت پرانا ہے۔اس لیے کچھ الفاظ کے پڑھنے میں دقت محسوس ہوئی۔

اُسی زمانے کے کئی اور شعراء کے نام اور کام میرے علم میں نہ آسکے۔اگر مطالعہ میں آئے بھی تو فارسی یا پنجابی شاعر کی حیثیت سے آئے۔اس تسلسل میں بیسویں صدی میں داخل ہوئے تو ذہن پر اترنے والے نام کچھ یہ بھی تھے۔ہولا را سنگھ، اشیر داس بسمل، ڈاکٹر محمد صادق، رب بخش کلیار، اصغر جالندھری، محمد افضل بکھروی، اصغر مشہدی، محمد افضل شاہ بخاری، رفیق بھیروی، خنجر بریلوی، مراد علی جوش، ممتاز بیگم، جانی پیا او۔ بہت سے نام جو اگر تحریر کیے جائیں تو طوالت کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا۔ایک نام فاضل شاہ پوری بھی سامنے آرہا ہے جس کے دو قطعے اکبر الٰہ آبادی کے حضور خراج عقیدت کے طور پر اختر انصاری کی کتاب ''لسان العرب'' میں موجود ہیں۔ایک قطعہ دیکھیے ۔

حقیقت میں لسان العصر اکبر — تھے فاضل شاعری میں کامل وفرد
تم اس کے شعر چشمِ دل سے دیکھو — ظرافت میں نہاں ہے قوم کا درد

اختر شاہ پوری (مرحوم) کی ۱۸ اشعار کی ایک نظم جو سہ ماہی دستک بھابڑا میں شائع ہوئی اس وقت میرے سامنے ہے۔اس نظم کا عنوان ''مسلمان سے دو دو باتیں'' ہے۔دو بند یعنی پہلا اور آخری حاضر ہے ۔

گلشنِ اسلام پر چھائی سمومِ تندخو — اڑ گیا اے وائے گلہائے چمن کا رنگ وبو
بھر گئے ہیں اس سے بزمِ ہند میں جام وسبو — کس قدر ارزاں ہوا اے مسلماں تیرا لہو

Marfat.com

اب بھی تو سرشار لیکن بادۂ احمر میں ہے
کیا بُرا جکڑا ہوا تقدیر کے چکر میں ہے

اہلِ حق کی آبرو قائم ترے ہی دم سے ہے — یہ وجودِ غنچہ وگل گریہ شبنم سے ہے
رونقِ دشتِ زماں تجھ ایسے ہی ضیغم سے ہے — بزمِ ہستی کا تسلسل اب ترے دم خم سے ہے

توڑ زنجیر تغافل خونِ دل گرمائے جا
گردوں رفعت کوہساروں کے جگر برمائے جا

شاہ پور نام کے برصغیر میں اگرچہ کئی شہر ہیں لیکن ضلعی صدر مقام ہونے کے باعث موجودہ ضلع سرگودھا کے شہر شاہ پور کو خاص اہمیت رہی ہے۔ اور شعراء جو اسے نام کے ساتھ بطور لاحقہ استعمال کرتے ہیں وہ عام طور پر اسی شاہ پور کے حوالے سے ہوتا ہے۔ راز زیدی شاہ پوری کی ایک غزل جامِ نو کراچی کے جون ۱۹۶۲ کے شمارے میں شائع ہوئی تھی۔ راز زیدی کا تعلق ممکن ہے مذکورہ شاہ پور سے ہو۔ غزل کے اشعار ہیں ۔

کوئی بھی منظرِ ہستی ہو بدل جاتا ہے — بے وفا وقت دبے پاؤں نکل جاتا ہے
شب ہے تاریک تو کیا خوف کہ شہرِ دل میں — آرزوؤں کا دیا شام سے جل جاتا ہے
دل کی بے چینیاں کہتی ہیں ضرور آئے گا — وہ اجالا جو اندھیرے کو نگل جاتا ہے
دل کے خوں ہونے سے تم اتنا تعجب نہ کرو — آنچ دینے سے تو لوہا بھی پگھل جاتا ہے

نذر کر دیتے ہیں اربابِ وفا کو ہم راز
جذبۂ دل اگر الفاظ میں ڈھل جاتا ہے

ماہنامہ ''ماہِ طیبہ'' کوٹلی لوہاراں کے ستمبر ۱۹۶۴ء کے شمارے میں سرگودھا کے ایک شاعر معراج الدین خان معراج کی نعت شائع ہوئی تھی۔ معراج صاحب کا ذکر کسی اور رسالے میں پڑھنے میں نہیں آیا۔ میری کوتاہی علم یا اُن کا خود چھپے رہنا شاید اس کی وجہ ہو۔ اُن کا ذکر اربابِ ادب سے بھی سننے میں نہیں آیا۔ کچھ پرانے لوگوں سے استفسار پر بھی لاعلمی آڑے آئی۔ نعت کے اشعار مطالعہ فرمایئے ۔

Marfat.com

ہے دھوم عرش تک ترے جاہ وجلال کی
ہے ہر جگہ ثنا ترے حسن وجمال کی

مل جائے تیرے در کی گدائی زہے نصیب
اور آرزو نہ ہو مجھے دنیا کے مال کی

جاں دے دی حق پہ، نام ہے زندہ حسین کا
کیا شان ہے جہان میں حضرت کی آل کی

پانی تُو خاک ہو، نہ رہی آبرو تری
کربل میں خاک قدر کی زہراؓ کے لال کی

ملت ملی رسولؐ کی، جنت میں گھر ملا
تقدیر کیس اچھی ہے حضرت بلالؓ کی

''سرگودھا کا دبستانِ شاعری'' جلد اول میں صرف مرحوم شعراء کا ذکر ہے۔ ایسے شعراء جو سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ سرگودھا میں وفات پائی یا پھر اُن کی تدفین سرگودھا میں ہوئی۔ یہ وضاحت اس لیے ضروری تھی کہ بہت سے ایسے شعراء جن کا تعلق اِن تینوں میں سے کسی حوالے سے بھی سرگودھا سے نہیں لیکن انہوں نے زندگی کا طویل عرصہ یہاں گزارا اور سرگودھا کو Own بھی کیا۔ وہ اس تذکرے میں شامل نہیں کیے گئے۔ انشاء اللہ ان شخصیات کا ذکر تیسری جلد میں آئے گا۔ دوسری جلد میں وہ شعراء ہوں گے جو حیات ہیں اور ان کی جنم بھومی سرگودھا ہے۔ خواہ وہ کہیں بھی مقیم ہیں۔

موجودہ تذکرے میں مندرجہ بالا پالیسی کے برعکس شاید کچھ نام آپ کو ایسے بھی ملیں جو نہ تو سرگودھا میں پیدا ہوئے، نہ اِس مٹی کا حصہ بنے اور نہ ہی یہاں وفات پائی۔ ایسی شخصیات میں اظہر جاوید کا نام آتا ہے۔ اُن کا آبائی تعلق سرگودھا سے تھا۔ لیکن جنم بھومی سرگودھا نہیں تھی۔ اس خطے کو Own کرتے ہوئے انہوں نے اپنے پاسپورٹ پر مقامِ پیدائش کے خانہ میں سرگودھا کا نام درج کروایا تھا۔ اسی باعث ان کا تذکرہ شامل کتاب کیا گیا۔

محمد حسین نیلوی کی وفات راولپنڈی میں ہوئی، پیدائش بھی سرگودھا کی نہیں۔ دفن بھی سرگودھا کی دھرتی میں نہیں ہوئے۔ لیکن انہیں کتاب میں اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ مستقل طور پر سرگودھا میں رہائش پذیر تھے۔ ایک کیس کے سلسلے میں انہیں سزا ہوئی اور راولپنڈی جیل میں منتقل ہوئے۔ جہاں وفات پائی اور سنت کے مطابق کہ مسلمان جہاں وفات

Marfat.com

پائے اُسے وہیں دفن کیا جائے، انہیں راولپنڈی میں ہی دفن کیا گیا۔

''سرگودھا کا دبستانِ شاعری'' اصل میں میرا ایم اے کا مقالہ ہے جو ۲۰۰۸ء میں جمع کروایا گیا اور ڈگری کا حق دار ٹھہرا۔ تعلیم کے اس مرحلے پر مجھے لوگوں کو بڑے قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ کئی قانونی بیچیں سامنے لانے کی کوشش ہوئی۔ جس بنا پر یہ مقالہ میں نے چیلنج سمجھ کر قبول کیا اور مقررہ وقت میں جمع کروایا۔

مجھے ذاتی طور پر علم کی اہمیت کا احساس ہے اور میں اسے تعلیم سمجھ کر نہیں، علم جان کر حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں یہی وجہ ہے کہ تعلیم میں مجھے کئی بار ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء ہی پڑھنے کے لفظ سے کی جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضورؐ نے بھی مہد سے لحد تک علم حاصل کرنے کے بارے مین ارشاد فرمایا۔ سو! میں نے جب ریٹائرمنٹ کے بعد اس سلسلے کو پھر سے جاری کرنے کا سوچا تو مجھے عجیب قسم کی باتیں سُنی پڑیں۔ مقالہ لکھنے کا فیصلہ کیا تو رکاوٹیں سامنے رکھی گئیں۔ بھلا ہو پروفیسر کشیر ساجد کا کہ انہوں نے ذمہ داری قبول کی۔ اور نہایت ممنون ہوں ڈپٹی کنٹرولر یونیورسٹی آف سرگودھا محمد اقبال قریشی صاحب کا جو مجھے قیمتی مشوروں سے بھی نوازتے رہے اور حوصلہ بھی دیتے رہے۔

بورڈ آف سٹڈیز کی میٹنگ کے دوران مقالے کا جب عنوان تجویز ہوا تو مجھے ایک مہربان ممبر نے اُسی وقت فون پر اطلاع دی کہ مقالہ ''دبستانِ سرگودھا'' منظور ہوا ہے۔ میں نے انہیں بتایا کہ سرگودھا کو اگرچہ ڈاکٹر سلیم اختر، محمد شفیع صابر اور معین الدین عقیل جیسی کئی ادبی شخصیات نے دبستان تسلیم کیا ہے لیکن شاعروں میں اسے اگر دبستان کے حوالے سے لوں گا تو یہ محدود ہو جائے گا اور اس پر اعتراض بھی ہوں گے۔ پھر دبستان میں مرکز کسے بناؤں جس کے گرد اُس کے فکر و خیال کی وسعت کا اندازہ لگا کر اس کی پیروی کرنے والوں کو تلاش کروں۔ بہر حال میرے کہنے پر مقالے کا نام تھوڑی سی رد و بدل کے بعد ''سرگودھا کا دبستانِ شاعری'' تجویز ہوا۔

وقت کی کمی کے باعث یہ مقالہ تقریباً سات سو صفحات تک محدود رہا۔ اس سیشن میں چونکہ

Marfat.com

تھیسز لکھنے والا میں واحد طالب علم تھا اور وہ بھی نجی حوالے سے۔ میرے خارجی ممتحن پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی تھے۔ جب مقالہ جمع ہو گیا تو پتا چلا وہ ملک سے باہر ہیں۔ لہٰذا میں نے ان کی عدم موجودگی کو غنیمت سمجھا اور ضمیمہ لکھنا شروع کر دیا۔ یوں اس دوران تین سو کے لگ بھگ مزید صفحات تحریر کر لیے۔ ابتدا میں شعراء کی تعداد ۳۲۹ تھی جو ۹۸ شعراء کے اضافے سے ۴۶۷ ہو گئی۔ لیکن اس کام کے لیے ابھی وقت کی ضرورت تھی جو میرے پاس نہیں تھا۔ لہٰذا جو شعراء مقالہ کا حصہ نہ بن سکے۔ اُن کے ناموں کی آخر میں ایک فہرست شامل کر دی۔ اس فہرست میں ۲۵۲ شعراء کے نام درج تھے۔ یہ نام اُن ۹ شعراء سے الگ ہیں جن کی شعری تصانیف تو شائع ہو چکی ہیں لیکن فنی حوالے نے انہیں انتخاب کا حصہ نہیں بنایا جا سکتا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس کام کو آگے بڑھانے کی ابھی بہت گنجائش ہے۔ کیونکہ تحقیق رک نہیں سکتی اس میں کمی بیشی کا امکان ہر لحظہ موجود رہتا ہے۔ یہ مقالہ تین ابواب پر مشتمل تھا۔

باب اول: سرگودھا کی وجہ تسمیہ اور جغرافیائی تبدیلیاں

باب دوم: سرگودھا میں اردو زبان کی ابتداء، دبستان اور دبستانِ شاعری، سرگودھا میں اردو شاعری کا پس منظر۔

باب سوم: ۱۹۰۳ء سے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء، ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے یکم جولائی ۱۹۸۲ء، ۲ جولائی ۱۹۸۲ء سے تا حال (۲۰۰۷ء تک)

سرگودھا کا دبستانِ شاعری، موجودہ جلدوں کی ترتیب میں پہلے دونوں ابواب شامل نہیں البتہ ’’سرگودھا میں اردو شاعری کا پس منظر‘‘ نہایت مختصر کر کے بسم اللہ میں شامل کر دیا گیا ہے۔ ’’دبستان اور دبستانِ شاعری‘‘ اُس وقت کی تعلیم ضرورت تھی جسے فضول بحث سمجھتے ہوئے میں نے بالکل خارج کر دیا ہے۔ بقیہ عنوانات ایک الگ کتابی صورت میں انشاءاللہ جلد ہی منظر عام پر آئیں گے۔

ایک اور وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ آخر میں ماخذات کو میں نے تعلیمی انداز سے

Marfat.com

نہیں ،فطری انداز سے تحریر کیا ہے۔کیوں کہ جو طریقہ رائج ہے وہ انگریزی زبان کا تو ہو سکتا ہے اردو زبان کا نہیں اور شاید اسی باعث میرا ذہن اس کو تسلیم نہیں کرتا۔ یہ الگ بات کہ مقالہ جو جمع کروایا گیا تھا اس میں وہی کتابی ترتیب ملحوظ رکھی گئی تھی۔ سو اب میں نے اُس جھنجھٹ میں پڑنے کی بجائے سیدھے سبھاؤ ماخذات دے دیے ہیں۔ ماخذات میں حوالہ دیتے ہوئے کئی مقامات پر صفحہ نمبر غائب ہیں۔اس کی دو وجوہات ہیں۔

ا۔اس مقالے کو تحریر کرنے سے پہلے بہت سی کتب اور رسائل میرے مطالعے میں رہے جن میں سے اپنی پسند کے تحت اقتباسات میں نے اپنے پاس تحریر کیے ہوئے تھے لیکن کم علمی کے باعث پورے حوالے نقل نہیں کیے تھے۔یوں اب مقالے میں جب ضرورت محسوس ہوئی تو خود کو عاجز پایا۔

۲۔مقالہ جمع کرانے کی جلدی میں کمپوزر نے خاص طور پر ماخذات میں بہت غلطیاں کیں۔صاف ظاہر ہے میں اس کے سر پر سوار تھا۔جلدی میں ہندسے اور سطریں ادھر اُدھر ہو جانا کوئی بعید نہیں۔ایسے ہی یہاں بھی کسی کی پگڑی کسی کے سر والا معاملہ ہوا۔

آخر میں یہ تسلیم کرنے میں مجھے کوئی عار نہیں کہ اس مقالے کی تیاری میں محمود اسیر کی کتاب ''سخنورانِ سرگودھا'' اخلاق عاطف کا نعتیہ انتخاب ''جانِ رحمت'' مزید اُس کے پاس موجود شعراء کے مختصر تعارف، پروفیسر ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم کی کتب ''اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر''، ''گلِ دیدہ ور''، ''جنھیں ہم بھول بیٹھے ہیں''۔ پہلے سے موجود نہ ہوتیں اور ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ کی دو ضخیم کتابیں ''وفیاتِ ناموران پاکستان'' اور ''وفیاتِ اہل قلم پاکستان'' میرے پاس نہ ہوتیں تو شاید یہ مقالہ اتنا جلدی اور اس طریقے سے تیار نہ ہو پاتا۔لہٰذا ان احباب کا شکریہ مجھ پر واجب ہے۔

پروفیسر کثیر ساجد کی عنایت کو میں کسی صورت نہیں بھول سکتا۔محمد اقبال قریشی صاحب کا بار دگر ذکر مجھ پر لازم آتا ہے۔محمد نعیم اختر اور محمد بلال جنہوں نے میری جلدی کو اپنی جلدی اور میرے کام کو اپنا کام سمجھ کر کمپوزنگ میں ایک بہت بڑی سر دردی اپنے سر لی۔اتنے ضخیم کام کی کمپوزنگ میں چند ایک غلطیوں کا ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔وہ دونوں میرے شکریہ کے مستحق ہیں۔پروفیسر ڈاکٹر

Marfat.com

رفیع الدین ہاشمی میرے لیے قابلِ احترام ہستی ہیں۔ انہوں نے زبانی امتحان کے دوران جس انداز سے مجھے آئندہ کے لیے مشورے دیے اس کے لیے میرے پاس شکریہ کے وہی روایتی الفاظ ہی ہیں۔ مجھے آج اپنی تہی دامنی کا شدید احساس ہو رہا ہے۔ اُس موقعہ پر میرے لیے اُن کا صرف یہ کہہ دینا کہ ''میں تو اس طالب علم سے ملاقات کے لیے آیا ہوں۔'' بہت بڑا اعزاز ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین

کتاب کی اشاعت کے بارے میں اس لیے کچھ نہیں کہوں گا اور ڈاکٹر ناصر رانا کا شکریہ ادا نہیں کروں گا کہ وہ میرے دوست بھی ہیں اور مہربان بھی۔ ہمارے درمیان دعاؤں کے تبادلے تقریباً گذشتہ تیس سال سے ہو رہے ہیں۔ نیز اتنی قربت میں شکریہ ادا نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ اُن کی محبتیں ہمیشہ میرے ساتھ رہی ہیں اور وہ ہمیشہ میری مدد کھلے دل سے کرتے رہے ہیں۔ آج بھی اتنے ضخیم مقالے کی اشاعت کے لیے میں سہما ہوا تھا تو انہوں نے بڑی خوش اسلوبی سے اسے آسان بنا دیا۔ اور یوں ایک بار پھر میری بہت سی دعاؤں کے حق دار ٹھہرے۔

بہت سی دعاؤں کا طالب

شاکر کنڈان

(سرگودھا)

Marfat.com

مولانا غلام قادر چشتی بھیروی

مولانا غلام قادر چشتی بھیروی کا اصل نام عبدالقادر ہے۔ آپ ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۵ء میں بھیرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد غلام حیدر ایک دیندار اور صاحب علم شخصیت تھے۔ مولانا غلام قادر نے علامہ غلام محی الدین، حافظ احمد الدین بگوی اور مفتی صدر الدین آزردہ سے کسب فیض کیا۔ آپ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد لاہور چلے آئے اور اونچی مسجد اندرون بھاٹی گیٹ میں فرائض خطابت و وعظ انجام دینے لگے۔ بعد میں بیگم شاہی مسجد کی تولیت ان کے سپرد ہوئی۔ ۱۸۷۹ء میں اوری اینٹل کالج لاہور میں عربی کے استاد مقرر ہوئے۔ لیکن دو سال بعد اس سے علیحدہ ہو گئے اور مدرسہ نعمانیہ لاہور میں درس دینے لگے۔ پروفیسر محمد اسلم کہتے ہیں کہ مزار کے دروازے پر جو کتبہ آویزاں ہے اس پر یہ عبارت مرقوم ہے:

"افتخار العلماء، شمس الفضلاء، عمدۃ المحققین، زبدۃ العارفین،
سراج السالکین، سید الراسخین، حامی سنن ماہی البدعۃ والفتن حضرت مولانا
مولوی عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ المعروف بہ مولینا غلام قادر قریشی ہاشمی
قادری، نظامی، سیالوی، بھیروی ثم لاہوری قدس سرہ العزیز وصال مبارک
۱۹ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۸ء" ہے

اس میں دو مقام پر مجھے خامی دکھائی دے رہی ہے۔ پہلی تو یہ کہ "ماہی البدعۃ" نہیں "ماحی البدعۃ" لفظ ہوگا اور دوسرا یہ کہ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ ۱۹۰۹ء میں آتا ہے اور ۱۰ اپریل اس دن تاریخ بنتی ہے۔ آپ کو بیگم شاہی مسجد کے جوار میں دفنایا گیا۔ آپ کی تصانیف جناب اختر راہی نے جو شمار کی ہیں درج ذیل ہیں:

Marfat.com

''(۱) اسلام کی گیارہ کتابیں (۲) نماز حضوری (۳) نماز ضروری (۴) ختمات خواجگان (۵) حقیقت انوارِ محمدیہ (۶) شمس الحنفیہ بجواب نور الحنفیہ (۷) جوہر ایمانی (۸) نور ربانی فی مدح محبوب سبحانی (۹) عکازہ در صلوٰۃ الجنازہ (۱۰) فاتحہ خوانی (۱۱) شوارقِ صمدیہ ترجمہ بوارقِ محمدیہ فی رجم الشیاطین النجدیہ (۱۲) شمس الضحیٰ فی مدح خیر الوریٰ'' ۳

ان کے علاوہ راقم کے پاس آپ کی ایک کتاب ''عقد الفرائد در بیان احسن القوائد'' ہے جو اس فہرست میں شامل نہیں۔ مولانا کا زیادہ تر کام نثر میں ہے۔ جس میں عربی، فارسی اور اردو زبان کو ذریعہ بنایا گیا ہے۔ لیکن آپ شعر بھی کہا کرتے تھے۔ افسوس کہ اشعار ڈھونڈنے میں مجھے ناکامی ہوئی۔ بہر حال دو شعر بطور نمونہ شامل کیے جاتے ہیں۔

سب آل پاک اُن کی ہے محبوبِ کبریا — ہر اک غلام آپؐ کا شاہِ جہاں ہوا
مقبول بارگاہِ خداوند ہو گیا — جب بندہ مدحِ پاک سے شیریں زباں ہوا ۴

پیر حیدر علی شاہؒ

حضرت سید حافظ پیر حیدر علی شاہ صاحب گیلانی چشتی قادری سلیمانی (رحمتہ اللہ علیہ) ابن سید امام علی شاہؒ ۱۲۷۶ھ ۵ مطابق ۱۸۵۹ء ۶ محلہ گجیال جی شریف ضلع شاہ پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے جدِ مبارک کا اسم گرامی سید احمد علی شاہ تھا اور نسب شریف سید حسنی گیلانی۔ آپ کا سلسلہء نسب تیئس واسطوں سے حضرت پیرانِ پیر غوثِ اعظم سید عبدالقادر جیلانی بغدادی رحمتہ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔

سید حیدر علی شاہؒ نے ابتداءً قرآن پاک حفظ کرنا شروع کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں قرآن پاک حفظ کر کے دینی تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہوئے کچھ عرصہ جی میں تعلیم حاصل کی بعدہٗ مدرسہ سلیمانیہ تونسہ شریف میں تعلیم کی تکمیل فرمائی۔ آپ وہیں خواجہ شاہ اللہ بخش تونسویؒ سے شرف بیعت ہوئے۔ اور مزید علمِ دین حاصل کرنے کی تلقین پر رخصت ہوئے۔ اور پھر حصولِ علم

Marfat.com

ظاہری کے دوران ہی مرشد کا اشارہ پا کر شہر جی کی استکانت ترک کر کے باہر جنگل میں رہنے کا ارادہ مصمم کر لیا۔ اور شہر کو چھوڑ کر مغربی جانب جنگل میں پہاڑی ندی کے کنارے قیام فرمایا۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد آپ کے والد ماجد سید پیر امام علی شاہ اپنے نورِ چشم کی جدائی برداشت نہ کرتے ہوئے اپنا مکان چھوڑ کر فرزندِ ارجمند کے پاس آ کر رہنے لگے۔ وہیں آپ نے مکان وغیرہ تعمیر کروائے اور مسجد کی تعمیر کروائی جس کا قطعہ تاریخ ہے ؎

مسجدِ بے مثال درجی | کرد تعمیر پیر حیدر شاہ
بہرِ تاریخِ ایں بنائے خلیل | شد ندا ''خانہء جلالِ خدا'' ؎

-۱۳۲۵ھ-

حضرت پیر حیدر علی شاہؒ عباداتِ الٰہی میں بے مثل تھے اور اس میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ آپ اپنے مرشدِ برحق کی دعا سے اپنے مجاہداتِ شاقہ کے طفیل فکر و سلوک میں مقاماتِ علیا کے مالک تھے اور طہارت و پاکیزگی میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ آپ کی زندگی مبارک سرچشمہء اسلام و ایمان تھی جو بھی عقیدت مند آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس کو محبتِ الٰہی میں رنگ دیا۔ آپ ذکرِ رب العالمین میں ہر لحہ محو رہتے حتیٰ کہ اختلاج القلب کا دورہ شروع ہو گیا۔ حکیم اجمل کو جب چیک کرایا تو انہوں نے بتایا کہ یہ تکلیف آپ کو ذکرِ قلبی کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا یہ کسی دنیاوی دوا سے ٹھیک نہیں ہو گی۔ اور یہی ہوا علاج وغیرہ کرایا جس سے کوئی افاقہ نہ ہوا کافی عرصہ تک یہ سلسلہ رہا حتیٰ کہ آخری وقت آ گیا اور یوں بیس صفر المظفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۷ء بروز یک شنبہ آپ نے رحلت فرمائی۔ آپ کے لختِ جگر سید حافظ حسن علی شاہ گیلانی نے آپ کی تاریخ وفات کہی ؎

حمدِ ذاتِ حق بگویم دائما فی کل حال | پس درودِ سیدِ محبوبِ ربِّ ذی الجلال
بر تمامی آل و اصحابِ رسولؐ بے مثال | رحمتِ حق بر روانِ اصفیاء اہلِ کمال
شاہ حیدرؒ قطبِ اقطابِ جہاں نورِ نبیؐ | سید و سرور ولی مطلوبِ ربِّ لایزال
از فیوضِ ظاہری و باطنی آن شاہِ دیں | عالمے سرشار گشتہ ہر زمان و اہلِ حال

Marfat.com

شد وصالش روز یک شنبہ وعشریں از صفر　　سیزدہ مآت از ہجرت شش و پنجاہ سال

چوں بجستم مادۂ تاریخ او کردہ ندا

مخزن انوارِ عرفان ہاتف از سنِ وصال

☆۱۳۵۲ھ☆ ھ

آپ کا سالانہ عرس مبارک ہر سال بڑے تزک و احتشام سے آستانہ عالیہ پر منایا جاتا ہے یہ عُرس شریف دو دن ۱۹ اور ۲۰ صفر المظفر کو منعقد ہوتا ہے۔

حضرت پیر حیدر علی شاہ صاحبؒ نثر اور نظم ہر دو اصناف میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ اردو فارسی، عربی اور پنجابی زبانیں اظہار کے لئے استعمال فرماتے۔ ''نورِ خوارقِ حیدری'' آپ کی زندگی، کرامات اور حالات پر لکھی گئی کتاب ہے۔ جب کہ ''مقناطیس الوحدت'' آپ کی تحریروں کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے پہلے حصے میں ۸۰ صفحات ہیں۔ یہ حصہ عربی زبان میں ہے لیکن ساتھ اردو میں ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ اس حصے کے آخر میں شجرہ اردو اور فارسی ہر دو زبانوں میں منظوم دیا گیا ہے۔ ''شجرہ خاندانِ چشتیہ'' کے علاوہ باقی کتاب میں بھی فارسی اور اردو میں کہے گئے آپ کے اشعار کافی تعداد میں شامل ہیں۔ اردو زبان کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

پیر کامل کو سمجھ جب جاؤ گے　　پیرِ کامل آپ خود بن جاؤ گے

جب تجلی آئینہ دکھلائے گی　　تب سمجھ تم کو خدا کی آئے گی

اس تجلی میں جلاؤ آپ کو　　اس تجلی میں مٹاؤ آپ کو

اس مٹانے سے خدا کو پاؤ گے　　بے تشبہ مصطفےٰؐ کو پاؤ گے

تو ہے مرفوع الاجازت کا فقیر　　فقر تیرا ہے صراطِ دلپذیر

جب الی اللہ سے فراغت ہو فنا　　سیر فی اللہ کیوں نہ ہو پھر رونما

نسبتِ عرفاں یہ کرتا ہوں بیاں　　مست کرنا خلق کو دے دے کے جام

یہ رسالہ مختصر بسیار ہے　　اس بیاں سے اس لئے انکار ہے

Marfat.com

آپ کو یکسر بھلا دے اے فقیر — ہو نہ ہو ورد و وظائف کا اسیر
گر تجھے منظور ہے وصلِ خدا — زود تر ہو وہمِ ہستی سے جدا
جس نے اپنے آپ کو فانی کیا — رومی و تبریز کا ثانی کیا ۹

علاوہ ازیں "نورِ خوارقِ حیدری" میں آپ کا اردو پنجابی اور فارسی کلام بھی شامل ہے۔

اردو کی ایک غزل یہاں پیش کی جاتی ہے۔

وصف کوئی کیا کرے تحریر میرے پیر کی — ہے فزوں تقریر سے توقیر میرے پیر کی
دل کے آئینہ میں ہے تصویر میرے پیر کی — ہے سند گویا بغل میں بخششِ تقصیر کی
سالہا شب کو نہ سوئے اور عبادت میں رہے — تھی عبادت اس قدر شب گیر میرے پیر کی
نورِ عرفاں کا ہو روشن دل میں تیرے بے گماں — دیکھ لو گر شکل پُر تنویر میرے پیر کی
اک نظر سے کردے تجھ کو مس سے زرِ خالص ابھی — بے شبہ ہے نظر صاف اکسیر میرے پیر کی
سلسلہ میں آپ کے مردانِ حق ہیں پائے بند — ہے کشاں سوئے خدا زنجیر میرے پیر کی
جن و انساں زیرِ فرماں اُن کے تھے سب سربسر — تھی حکومت ایسی عالمگیر میرے پیر کی
آپ کے دل میں جو گزرا حق نے فوراً کر دیا — ہو گئی تقدیرِ حق تدبیر میرے پیر کی

حیدراؔ تونسہ کو گر مکہ کہوں کیا خوف ہے
ہر طرف ہے بانگ اور تکبیر میرے پیر کی ۱۰

ایم بی خلیق

قیامِ پاکستان سے پہلے سرگودھا کے شعراء میں خلیق تخلص کے حوالے سے تین نام ملتے ہیں۔ مولانا محمد یار خان خلیقؔ جن کا تعلق موضع جوڑہ کلاں ضلع سرگودھا سے تھا۔ آپ اردو فارسی اور عربی میں شعر کہا کرتے تھے۔ ایک سو بارہ سال کی عمر پا کر ۱۹۳۷ء میں لاہور میں وفات پائی۔ میں جوڑہ آپ کے کلام کی تلاش میں گیا لیکن ناکامی ہوئی۔ دوسرے خلیقؔ لاابالی تھے۔ استاد شاعر تھے۔

Marfat.com

اغلب یہی ہے کہ قیامِ پاکستان کے نزدیک گمنامی کی زندگی میں وفات پا گئے اور تیسرے ایم بی خلیق۔

ایم بی خلیق کے بارے میں ماضی کے اوراق خاموش ہیں۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید ایک نعت کے حوالے سے صرف اتنی معلومات دیتے ہیں۔

''اخبار اتحاد' امرت سر۔ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نمبر۲۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۱۸ء

مدیر : مولا بخش کشتہ۔۔۔

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری۔ تضمین۔ ایم۔ بی خلیق۔ سرگودھا

ہے سب حسینوں سے تجھے حاصل جہاں میں برتری　　دی ہے خدا نے بس تجھے دونوں جہاں کی سروری

کیا منہ ہے میرا جو لکھوں تعریف تیری سر بسری　　اے چہرۂ زیبائے تو رشکِ بتانِ آذری

ہر چند وصفت می کنم درحسن زاں بالا تری

دارین کا سلطاں ہے تو اے شاہِ دیں شاہِ امم　　خورشید عالم تاب ہے مہرِ عرب، ماہِ عجم

ہاں! اب علی الاعلان یہ کہتا ہوں میں کھا کر قسم　　آفاق ہا گردیدہ ام مہرِ بتاں ورزیدہ ام

بسیارِ خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری'' [۱۱]

حکیم عبدالرسول بکھروی

بکھر تحصیل شاہ پور ضلع سرگودھا کا ایک گاؤں ہے جسے بکھر بار بھی کہا جاتا ہے۔ اس گاؤں کے جس شخص نے علم وادب اور حکمت میں نام کمایا اور گاؤں کو باہر کی دنیا میں متعارف کروایا وہ حکیم عبدالرسول بکھروی کے نام سے اپنی پہچان رکھتا تھا۔ آپ ایک عالمِ دین، مبلغ، حافظ قرآن، صوفی، واعظ، شاعر، ادیب اور ایک معروف حکیم تھے۔ آپ کو اردو، فارسی، عربی اور پنجابی زبانوں پر عبور تھا اور ان سب زبانوں میں آپ شعر کہا کرتے تھے اور اسی طرح نثر میں بھی آپ کا قلم رواں تھا۔

مولانا حکیم عبدالرسول کا کام تو مختلف کتب و رسائل میں بکھرا پڑا ہے لیکن تعارف کے حصول میں راقم واقعی ناکام رہا ہے۔ ہاں! البتہ اندازوں سے بات چلائی جاسکتی ہے۔ صاحبزادہ

Marfat.com

عبدالرسول للّٰہی نے حضرت حافظ غلام للّٰہی (۱۸۱۴ء۔۱۸۸۸ء) کے ضمن میں لکھا ہے:

''مرشد کی وفات کے بعد آپ نے اپنے طور پر بیعت کرنا شروع کیا۔ عینی شاہد حکیم عبدالرسول صاحب (صاحبِ انوار مرتضوی) کے الفاظ ہیں۔ ''[۱۱]

حضرت حافظ غلام نبی للّٰہی کے مرشد حضرت خواجہ غلام محی الدین قصوری دائم الحضوریؒ تھے۔ جن کی وفات ۱۸۵۵ء میں ہوئی۔[۱۲]

اس تحریر سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حکیم عبدالرسولؒ نے ۱۰۰ سال سے زیادہ عمر پائی ہوگی۔ کیونکہ آپ کی وفات جنوری ۱۹۴۹ء میں ہوئی۔[۱۳]

حکیم عبدالرسولؒ کی جن کتابوں کے نام مجھے مل سکے وہ ہیں ''تازیانۂ نقشبندیہ''، ''انوارِ مرتضوی'' اور طب کے موضوع پر آپ کی کتاب ''خلاصۃ المطب'' آپ کی زیادہ تر تحریریں فارسی زبان میں ہیں اردو میں بہت کم ہیں۔ لیکن آپ کے بکھرے ہوئے کلام اور نگارشات کو اگر یکجا کیا جائے تو کئی مجموعے ترتیب دیے جاسکتے ہیں۔ آپ کو تاریخ گوئی پر ملکہ تھا اور تقریباً ہر موقعہ کی مناسبت سے قطعہ تاریخ کہہ دیتے تھے۔ اسی طرح موضوعاتی نظم پر بھی آپ کو گرفت تھی۔ ایک ایسی ہی نظم جو مولانا نصیرالدین گگوی کی روڈ ایکسیڈنٹ کے باعث وفات پر آپ نے ۱۹۳۴ء میں لکھی یہاں بطور نمونہ پیش کی جارہی ہے۔

ماہتابِ شرع ملت

اے نصیرالدین گرامی وہ ترا علم و کمال
وہ تری ذاتِ منور وہ ترا حسن و جمال

ماہتابِ شرع ملت تھا ترا اطہر وجود
یہ وجود آفاق میں تھا چشمۂ فیضاں وجود

مال و جاں اپنا کیا قربان دین اسلام پر
زندگی اپنی گزاری سب کی سب اس کام پر

خاندان اپنے کو سارے جگ میں روشن کر دیا
گرچہ نوری خانداں تھا نور سے پھر بھر دیا

Marfat.com

علم و حلم و معرفت نازاں تھے تیری ذات سے
آفریں آتی تھی انس و ملک اور جناب سے
حیف دنیا سے تیاری جلد کر دی ناگہاں
فیض یابوں کو کیا حیران و غم گیں ناتواں
عالم بالا کے جلدی ہو گئے شائق جناب
ہو گئے احباب حیران دیکھ کر رحلت مآب
سیر ہو کر گل کو بلبل نے نہ دیکھا تھا ابھی
شائق دیدار انور کا تو پیاسا تھا بھی
مردے شاید ہو گئے شائق زیارت کے کمال
حق نے دکھلانا تھا اُن کو آپ کا جلوہ جمال
عالمِ فانی ہے گرچہ اہلِ حق کو ناپسند
تیرہ ہے وہ گر نہ ہو اُن کا وجودِ ارجمند
یا الٰہی ہو بزرگوں کی حیاتی نوح کی
فیض خلقت کو ملے سب ان کے جسم و روح کی
اب دعا کرتا ہوں حضرت قبلہ کے غفران کی
اُن کے مرقد پر ہو بارش رحمتِ رحمٰن کی
روح علیین میں ہو با عزت و فرحِ سرود
جسم پر فردوس سے انواع رحمت کا ورود
غم کی کوئی حد نہیں پسماندگاں بے تاب ہیں
ایک چونکہ نعمتیں ایماں سے سب سیراب ہیں
صبر ترجیح اس مصیبت پر سبھوں کا کام ہے
یہ مصیبت گرچہ سخت از صدمۂ ایام ہے
یا الٰہی کر عطا صبر و جمیل احباب کو
کر غریقِ بحرِ رحمت خادمِ اقطاب کو [۱۵]

مولوی دلپذیر

محمد امین نام اور کرم الٰہی آپ کے والد کا نام تھا۔ آپ ۱۸۶۵ء[۱۶] میں موضع بھیرہ میں پیدا ہوئے۔ مولا بخش کشتہ دلپذیر کا سنِ ولادت ۱۹۷۵ء[۱۷] لکھتے ہیں۔ جس کا حوالہ پروفیسر ریاض احمد شاد نے سخنورانِ سرگودھا میں دیا ہے اور شاید اسی سے عبدالغفور قریشی نے استفادہ کیا ہے۔ لیکن عبدالغفور قریشی نے ۱۸۷۵ء مطابق ۱۲۹۳ء[۱۸] لکھا ہے تو یہاں پھر وہ غلطی کا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ یکم محرم ۱۲۹۳ھ ۲۸ جنوری ۱۸۷۶ء[۱۹] کو پڑتا ہے یوں یہ سال برابر چل رہا ہے۔ ۱۸۷۵ء اس لحاظ سے بھی غلط ہے کیونکہ دلپذیر کے استاد مولوی محمد حسین اُس سے عمر میں چھوٹے تھے اور اُن کی ولادت ۱۸۷۳ء میں ہوئی۔ ابو

Marfat.com

شاہین فاروقی نے جو سن لکھا ہے یہ اس لئے بھی قابل اعتبار ہے کہ ابو شاہین فاروقی اُسی محلہ کے رہائشی تھے جس محلے میں دلپذیر کا گھر ہوا کرتا تھا اگرچہ یہ کوئی استاد مدلل حوالہ نہیں لیکن ایک نسبت سے کہا تو جا سکتا ہے۔ بہر حال۔۔۔ محمد امین جو شاعری میں دلپذیر کے نام سے مشہور ہوئے نے عربی اور فارسی کی تعلیم اپنے بزرگوں سے حاصل کی۔ جوان ہوئے اور شاعری کا شوق پیدا ہوا، تو محمد حسین احمد آبادی کی شاگردی اختیار کی۔ لیکن یہ پہلو بھی تحقیق طلب ہے اور اس کے رد میں کئی دلائل دیئے جا سکتے ہیں۔ البتہ مولوی محمد حسین کی مرزائیت کا اثر دلپذیر پر بھی ہوا اور وہ بھی اسلام سے خارج ہو کر مرزائی ہو گیا۔ ملک جاوید گھنجیرا اُس کے مرزائی ہونے کو اس کی آخیر لی عمر سے جوڑتے ہیں۔ ؎

مولوی دلپذیر اک عالم اور اک ایسا شاعر تھا۔ جس کے خطوط اور گفتگو بھی شعر میں ہوتی تھی۔ پنجابی، اردو، عربی اور فارسی زبانوں میں طبع آزمائی بھی کرتے اور تبلیغ بھی۔ لیکن آپ کا زیادہ تر کام پنجابی شاعری میں ہے۔ عربی اور فارسی میں بھی بہت کچھ لکھا مگر اردو زبان میں اُن کی تصانیف محدود ہیں۔ اُن کی تمام تصانیف میں اسلامی رنگ ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے خطبات اب بھی کئی مساجد میں جمعہ اور عیدین کے موقع پر مولویانِ کرام پڑھتے ہیں۔ آپ کی کتابوں کی تعداد پانچ سو کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ اس تعداد کو دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا ہے۔ کہ محمد حسین احمد آبادی کے جوانی تک پہنچنے سے پہلے آپ کے کچھ رسائل شائع ہوں گے۔ کیونکہ کئی کتابیں بہت ضخیم ہیں۔ ان تصانیف میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں۔

وعظ دلپذیر۔ مجموعہ خطب۔ باغ بہشت۔ سی حرفیاں۔ گلدستہ نعت۔ اخبارِ دلپذیر۔ چراغ دلپذیر۔ معجزات محمدیؐ۔ معراج نامہ۔ گلدستہ دعوات۔ انشائے دلپذیر۔ احوال الآخرت۔ گلزارِ محمدیؐ۔ بیج گنج۔ انواع دلپذیر۔ مجموعہ وظائف۔ زینت الاسلام۔ باغ وبہار۔ گلزارِ آدمؑ۔ گلزارِ موسیٰ۔ گلزارِ مکہ۔ گلزارِ مدینہ۔ گلزارِ چہار یار۔ قصص الحسنین (قصہ یوسف زلیخا)۔ معراج نامہ۔ خوانِ یغما۔ ترجمہ دیوانِ حافظ۔ تفسیر قرآنِ مجید۔ اکرامِ محمدیؐ۔ گلدستۂ معجزات۔ دعوات دلپذیر۔ دعوتِ دلپذیر۔ مکتوبات۔ مجموعہ وظائف۔ مجموعہ اشعار۔ کاخن النساء۔ مناجات۔ تحریک خلافت۔ وغیرہ۔

Marfat.com

مولوی دلپذیر کی تصانیف کو دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ زندگی میں اس کے علاوہ کوئی کام نہیں کیا۔ وہ اگر مرزائیت اختیار نہ کرتا تو اسلام کا ایک بہت بڑا عالم، فاضل اور مبلغ ہوتا۔ اُس نے زندگی کے آخری لمحے مرزائی مرکز سے وظیفہ پر گزارے اور بالآخر ۱۹۴۵ء کو وفات پائی۔ انہیں بھیرہ کے ''مقبرے والے قبرستان'' میں دفن کا گیا۔ ان کے بیٹے ڈاکٹر منظور احمد نے جو کہ خود بھی ایک عمدہ شاعر تھا کتبہ لکھا ۔

جو تاجورِ مملکتِ شعر و سخن تھا — اس وقت یہاں اس کا تہِ خاک محل ہے
تھا جس کا قلم سحرِ زبان جادو بیاں تھی — آج اس کی زباں بند ہے اور ہاتھ بھی شل ہے
مداحِ محمدؐ کا ہو منصب جسے حاصل — منظور خنک بخت وہ مغفور ازل ہے[۱۲]

سنِ وفات پر تمام محققین متفق ہیں۔ اگر چہ تاریخ کا حوالہ کہیں بھی نہیں ملتا۔ لیکن سن بہر حال ۱۹۴۵ء متفقہ ہے۔

یہاں مولوی دلپذیر کی وہ نظم جو انہوں نے مولانا محمد نصیرالدین بگویؒ کی وفات پر لکھی تھی اور جس میں تاریخ بھی نکالی تھی شامل کی جا رہی ہے۔ مولانا محمد نصیرالدین بگویؒ کی وفات ایک بس کے حادثہ کے باعث ہوئی تھی۔ اس سے اُن کی اردو شعر گوئی کے بارے سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

صدمہء ناگہانی

الٰہی کیا ہے یہ سرِ نہانی — کہ دنیا کوچ پر ہے ناگہانی
تزلزل پڑ گیا ہے اک جہاں میں — ہوئی خاموش ہے جب زندگانی
بپا ہے ہر طرف شورِ قیامت — ہے مرجھایا ہوا باغِ جہانی
دلوں میں حسرت و سوز و الم ہے — قواء پر چھا رہی ہے ناتوانی
زبانوں پر اگر آہ و بکا ہے — تو آنکھیں کر رہی ہیں خوں فشانی
یہ کیا اندھیر ہے کیا ماجرا ہے — سُنا جاتا ہے لوگوں کی زبانی
کہ مولانا نصیرالدین بگویؒ — بہ علم و فضل، عالم خاندانی

Marfat.com

شریف الطبع نیک اخلاق و خوشرو ... معلم ماہرِ بحرِ زمانی
عیال و اہل لاری کے سفر میں ... چلے جاتے تھے محبوب زمانی
نہ پہنچے تھے ابھی منزل پہ جا کر ... کہ آ پہنچے اجل کے کاروانی
ادھر صدمہ تھا اپنی والدہ کا ... ادھر یہ آ گیا امرِ حقانی
پڑی لاری یکایک اک شجر پر ... وہیں ختم ہو گئی ساری کہانی
نہ بچے بچ سکے اُن کے نہ بی بی ... نہ اپنی کر سکے کچھ نگہبانی
اکٹھے چل بسے چاروں کے چاروں ... تڑپتی رہ گئی دنیائے فانی
لگایا دور دورہ وہ قضا نے ... کہ لے پہنچی یہ ملکِ جاودانی
مقدر میں لکھا یہ حادثہ تھا ... نہیں ٹلتی قضائے آسمانی
خزاں کے ایک ہی جھونکے نے آ کر ... بدل دی سب بہارِ بوستانی
نظر آتا نہیں کچھ بلبلوں کو ... نہ گلشن ہے نہ رونق گلستانی
چمن سے رہ گیا اک پھول باقی ... یہ بھی اک ہے خدا کی مہربانی
الٰہی عمرِ او صد سال بادا ... کہ پیارے باپ کی ہے یہ نشانی
دکھا اک بار پھر یہ باغ شگفتاں ... بہار آ جائے اس میں بارِ ثانی
تو ہے قادر تجھے ہے ساری قدرت ... ہمہ قدرت ہمہ قدرت تو دانی
عطا کر صبر سب پسماندگاں کو ... کہاں تک یہ کریں گے نوحہ خوانی
ردائے مغفرت ہو رفتگاں پر ... نہ دیکھیں حشر تک کچھ بھی گرانی
رہیں فردوس میں وہ سب اکٹھے ... یہ ہو تیری طرف سے مہمانی
رسولِ پاک کا ہو اُن پہ سایہ ... ملائک کر رہے ہوں میزبانی
فربّ اغفر لہم و الوالدیہم ... وادخلہم بجنات الامانی
تقبل یا الٰہی ایں دعا را ... طفیل جلوۂ ماہِ یمانی

Marfat.com

پذیر بھیروی نے سالِ رحلت
کہا دو سخت صدمہ ناگہانی

____ ۱۳۵۲ھ ____ [۲۲]

مولوی محمد امین

اعوان قوم کی ایک شاخ کنڈان کے چشم و چراغ مولوی محمد امین ۱۸۷۲ء،[۲۳] میں خوشاب شہر کے محلہ کنڈان والا میں حسن خان کے ہاں پیدا ہوئے۔ جہاں آپ کے آباؤ اجداد آ کر مقیم ہوئے تھے۔ ملک حسن خان کے دوسرے بھائی ملک غوث محمد تھے جن کے پڑپوتے واصف علی واصف نے ادب اور تصوف میں بہت بڑا مقام پایا۔ واصف علی واصف کی والدہ سلمیٰ بی بی مولوی محمد امین کی صاحبزادی تھیں۔

ثروت طارق حبیب اپنے ایک مضمون ''واصف علی واصف کا سوانحی خاکہ'' میں مولوی محمد امین کے بارے میں تحریر کرتی ہیں:۔

> ''حافظِ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ انگریزی میں ایم اے بھی کیا ہوا تھا۔ خطیب اور معلم کی حیثیت کے حامل تھے۔ پہلے جھنگ' پھر لاہور میں تعلیم و تدریس کے شعبے سے وابستہ رہے۔ نیلا گنبد مسجد (لاہور) میں بے لوث وعظ جمعہ بھی دیتے رہے۔ اس کے علاوہ مسلم لیگ چھوٹا شملہ میں آمد پر منظوم سپاسنامہ بھی ان کی خدمت میں پیش کیا تھا''۔[۲۴]

مولوی محمد امین تعلیم کی تکمیل کے بعد محکمہ تعلیم میں تدریس کے شعبے سے وابستہ ہو گئے اور مختلف سکولوں میں خدمات انجام دیتے رہے۔ آخر میں آپ کا تبادلہ گورنمنٹ ہائی سکول جھنگ میں ہوا جہاں آپ ایک عرصہ گزارنے کے بعد ہیڈ ماسٹر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ بعد ازاں آپ خضر حیات ٹوانہ کے اتالیق مقرر ہوئے۔ پروفیسر محمد ظہیر بدر قائداعظم سے شملہ کی ملاقات کے

Marfat.com

بارے لکھتے ہیں۔ ''جب ۲۸ اگست ۱۹۲۸ء کو قائداعظم شملہ تشریف لائے تو مولوی صاحب نے منظوم سپاسنامہ قائداعظم کے حضور پیش کیا''۔ ۵؎ راقم (شاکر کنڈان) نے اس سپاسنامہ کی کاپی آپ کے دو ہتے پروفیسر شوکت محمود کنڈان کے پاس راولپنڈی میں ۲۰۰۰ء میں دیکھی تھی جس میں خام اندازے کے مطابق ۲۷ کے لگ بھگ اشعار ہوں گے۔ آپ کے بارے یہ علم نہیں ہو سکا کہ کب شعر کہنا شروع کیا اور آپ کا ذخیرہ کتنا تھا۔ لیکن آپ کی ایک شعری تصنیف ''آئینہ حق نما'' سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ فنی اور فکری حوالے سے بہت مضبوط اور ثبت شعر کہتے تھے۔ اردو فارسی اور عربی زبان کا اس کتاب سے پتہ چلتا ہے اور انگریزی چونکہ آپ نے ساری زندگی پڑھی اور پڑھائی اس لئے انگریزی دانی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

''آئینہ حق نما'' اسماء الحسنٰی کی منظوم شرح ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے اسمائے مقدسہ کی تفسیر اشعار میں شاید اس سے پہلے اس خوبصورت پیرائے میں نہ لکھی گئی ہو۔ یہ کتاب جب آپ نے لکھی اُس وقت آپ جامع مسجد مگھیانہ کے خطیب تھے۔ اور ایم بی سکول جھنگ سے ریٹائر ہو چکے تھے۔ چونکہ یہ کتاب رانا عبدالحمید ایم اے پرنسپل گورنمنٹ کالج شاہ پور کی فرمائش پر لکھی گئی تھی اس لئے اس کے زمانہ تحریر کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے کیونکہ رانا عبدالحمید یکم مئی ۱۹۲۹ء سے ۲۸ نومبر ۱۹۳۷ء تک پرنسپل رہے۔ ۶؎ اور مولوی محمد امین صاحب کی ریٹائرمنٹ کا سن ۱۹۳۲ء بنتا ہے اس لئے یہ ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۷ء کے درمیان لکھی گئی بلکہ ۱۹۳۳ء یا ۱۹۳۴ء پر غالب قیاس کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس دوران آپ خطیب جامع مسجد مگھیانہ رہے ہوں گے۔

مولوی محمد امین دینی، علمی، ادبی اور ملی خدمات کو بخوبی اور باحسن ادا کرنے کے بعد ۱۹۴۴ء میں اللہ کو پیارے ہوئے۔ چونکہ آپ کا پورا کنبہ جھنگ میں آباد ہو چکا تھا اور آپ بھی لاہور سے واپس آ کر خاندان کے ساتھ رہنے لگے تھے سو آخری سانس یہیں لئے اور جھنگ میں ہی آپ کو دفن کیا گیا۔ ''آئینہ حق نما'' کے پس ورق پر درج ذیل تحریر موجود ہے۔

''اسماء الحسنٰی کی اردو منظوم شرح۔ اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے۔ علم اسماء الحسنٰی اور

Marfat.com

معرفت الٰہی متحد المفہوم ہیں۔ اسماءِ الٰہی کا جاننا ہی خدا کا جاننا ہے چونکہ مقصدِ حیاتِ انسانی معرفت الٰہی ہے۔ جب آدمی نے خدا کو اس کی ذات اور صفات میں یگانہ سمجھ لیا تو اس نے خدا کو جان لیا۔ اس کتاب میں طریق خداشناسی، ضرورتِ علم اوصاف الٰہی، غرضِ نبوت، ضرورتِ دعا، محبتِ الٰہی، بعث بعد موت وغیرہ مسائل نہایت وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں لیکن مسئلہ تقدیر جس کے متعلق عام طور پر غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے اور جس کو تعلیم یافتہ نوجوان بے اصل سمجھتے ہیں اور جس پر مخالف مذاق اڑاتے ہیں مدلل طور پر ثابت کیا گیا ہے کہ تقدیر سراپا رحمت اور ضامنِ ترقی ہے"۔ ۲۷

اس تحریر سے اگرچہ مکمل وضاحت تو نہیں ہوتی لیکن۔۔۔ بہر حال مولوی صاحب کی سوچ سے کچھ کچھ آگاہی ہوتی ہے اس کتاب میں سے ہی اللہ، الحق، کی منظوم شرح ملاحظہ فرمایئے۔

اللہ۔الحق

شرف ہر علم کا ہوتا ہے اتنا — شرف معلوم کا ہوتا ہے جتنا
نہیں اشرف کوئی شے کبریا سے — نہ کوئی علم توحیدِ خدا سے
خدا کی ذات ہے اعلیٰ و برتر — خدا کا علم سب علموں سے بہتر
شرف کونین میں پاتا ہے عارف — جو اسرارِ الٰہی سے ہو واقف
نہیں ہے ذاتِ باری تک رسائی — بجز علمِ صفاتِ کبریائی
خدا کا فعل ہے مخلوق ساری — جہاں ہے مظہرِ افعال باری

یہ افعالِ الٰہی ہیں مظاہر — کہ جن سے ہیں صفات اللہ ظاہر
صحیفہ جو کہ قدرت کا پڑھے گا — وہ اسماءِ الٰہی جان لے گا
مطابق کام کے ہیں نام رب کے — موافق نام کے ہیں کام رب کے

Marfat.com

حقیقت معرفت توحیدِ باری ۔۔۔ صفات اللہ میں ہے بات ساری

بیا اے طالبِ مولا بدانی ۔۔۔ مسمّٰی را چو اسما را بدانی

خدا کے نام سارے ہیں صفاتی ۔۔۔ فقط اللہ ہے اک اسمِ ذاتی

کتاب اللہ میں جو نام آئے ۔۔۔ نبیوں نے ہیں یا جو کہ بتائے

تو اسم اللہ ہے ان سب پہ حاوی ۔۔۔ معانی سب کے ہیں اس میں کماہی

یہ ہے اسمِ مبارک ذاتِ باری ۔۔۔ صفاتِ کاملہ جس میں ہیں ساری

معائب سے منزہ ذات جس کی ۔۔۔ نقائص سے مبرا ذات جس کی

ازل سے تا ابد ہے آپ قائم ۔۔۔ وہ جیسا تھا رہے ویسا ہی دائم

سراپا نور ہے حسنِ ازل ہے ۔۔۔ سراسر لایزال و لم یزل ہے

وہی اول ہے آخر بھی وہی ہے ۔۔۔ وہی باطن ہے ظاہر بھی وہی ہے

وہی خلاق ہے خالق ہے سب کا ۔۔۔ وہی رزاق ہے رازق ہے سب کا

قدیر و مقتدر، ماجد وہی ہے ۔۔۔ ولی ، والی ، صمد ، واحد وہی ہے

حمیدِ لائقِ حمد وثنا ہے ۔۔۔ مجیدِ مستحقِ کبریا ہے

یہ اسمِ اعظمِ باری تعالیٰ ۔۔۔ ذریعہ ہے حصولِ معرفت کا

نہیں جز معرفت ہوتا تعلق ۔۔۔ سو جتنی معرفت اتنا تعلق

سمجھ کر نامِ حق پڑھنے سے دائم ۔۔۔ خدا سے رابطہ ہوتا ہے قائم

خاصیت

کرے اس نام کا گر تو وظیفہ ۔۔۔ خدا کر دے گا تیرا صاف سینہ ۴۸

مولانا محمد سعید زین پوری

زین پور، بھیرہ ضلع سرگودھا کے نواح میں ایک گاؤں ہے۔ محمد سعید اسی گاؤں میں مولوی

Marfat.com

حکیم غلام محی الدین کے گھر پیدا ہوئے۔ تعلیمی سلسلہ کی ابتدا اپنے والد کے پاس گھر سے ہوئی۔ جہاں اُن سے ابتدائی فارسی اور طب سیکھی۔ پھر مولانا عبدالعزیز بگوی سے صرف ونحو، منطق، فلسفہ، تفسیر، حدیث اور فقہ میں استفادہ کیا۔ ۱۸۹۴ء میں جب مولانا محمد ذاکر بگوی کی تقرری لاہور کے مدرسہ حمیدیہ میں بعہدہ مدرسِ اعلیٰ ہوئی۔ آپ کو ان کے جانے کا نہایت رنج ہوا۔ جس کا اظہار درج ذیل اشعار میں کیا۔

چڑھا کر ریلِ الفت پر اتارا راہ میں ہم کو — اٹھا مسکن سے پہنچایا نہ مقصد گاہ میں ہم کو
نظیرِ خلد تھی وہ بزم، ہم تھے خاکِ راہ جس کے — صبا! لے چل اُسی سلطان کی درگاہ میں ہم کو
شہابِ علم چمکا جب جہالت کے اندھیرے میں — کہ دو جلدی رسائی، منزلِ دل خواہ میں ہم کو
نہ چائیں ہونٹ کیسے، ہم کو لذت یاد آتی ہے — جو تھی درس اور درس میں سے بسم اللہ میں ہم کو
ہمارا آج ہے وہ حال جو بلبل کا بے گلشن — خزانِ ہجر نے گھیرا دمِ ناگاہ میں ہم کو

سعیدا، گر بہار اولیں بار، دگر آئے
تو کیا ہے اور خواہش درگہِ اللہ میں ہم کو [۲۹]

مولانا محمد سعید زین پوری نے جب یہ اشعار کہے تو میرے اندازے کے مطابق ان کی عمر بیس بائیس سال کے لگ بھگ ہوگی۔ اور دوسرا یہ واضح ہوتا ہے کہ اس سے قبل بھی آپ شاعری کا شغف فرمارہے ہوں گے۔ لہٰذا جب مولانا محمد ذاکر کو اس فراق کا علم ہوا تو انہوں نے آپ کو لاہور بلوا کر اورینٹل کالج میں داخلہ دلوادیا۔ جہاں سے آپ پنجاب یونیورسٹی کی مولوی فاضل کی سند کے حصول کے ساتھ فارغ التحصیل ہوئے اور ۱۹۰۱ء میں عربی مدرس کی حیثیت سے ملازمت اختیار کر لی۔ تعطیلات کے دوران آپ مولانا محمد ذاکر کی خدمت میں حاضری دیتے اور پھر اُن کے ہمراہ آستانہ عالیہ سیال شریف میں بھی حاضر ہوتے۔ آپ کی شاعری کا رنگ اب بدل چکا تھا اور اس میں حمد و نعت کی کثرت پائی جانے لگی تھی عربی، فارسی اور اردو ہر سہ زبان میں شعر کہتے تھے۔ اردو میں آپ کا اسلوب کچھ ایسے تھا۔

Marfat.com

الٰہی جتنی رحمت تیری کل ابرار پر ہووے　　وہ ساری میرے آقا احمدِ مختار پر ہووے
حجابِ دوئی جب اٹھایا تو دیکھا　　احد جان و دل میں سمایا تو دیکھا
اچھے ہیں یا بُرے ہیں اُسی کے سعیدؔ ہیں　　جیسے بھی ہیں غلام تو خیرالوریٰ کے ہیں
ساقی و بادہ بھی تھے، محفل بپا تھی، میں نہ تھا　　وائے قسمت ایسی بزمِ خوش فضا تھی، میں نہ تھا
کس ادا سے جلوہ گر تو اے ستمگر ہو گیا　　ایک عالم بھر میں برپا شورِ محشر ہو گیا
آج پھر ہم کوچہء دلدار میں جانے کو ہیں　　نشترِ الفت کے چرکے دل پہ پھر کھانے کو ہیں
کس مہ جبیں کا دل میں مرے، خانہ بن گیا　　ویرانہ بھی نشیمنِ شاہانہ بن گیا
لبِ شیریں کا مزا شیرو شکر نے نہ دیا　　چشم مے گوں کا نشہ آتشِ تر نے نہ دیا

تدریس اور شعر وسخن کا سلسلہ جاری رہا۔ اسی دوران انہیں فریضہء حج کی ادائیگی کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ آپ کے سنِ ولادت اور وفات کے بارے اور مزید حالات کے بارے معلومات نہیں مل سکیں۔ آپ نے شاعری کے علاوہ نثر میں بھی لکھا۔ اور ہر دو کو کسی حد تک آپ نے ''جذباتِ سعید'' میں اکٹھا کر دیا تھا۔ لیکن اس کے بعد کی تحاریر گوشہ گمنامی میں ہیں۔ آپ کو تاریخ گوئی کا بھی ملکہ حاصل تھا۔ اور آپ کی کئی نظمیں اس سلسلے میں ''تذکارِ بگویہ'' میں شامل ہیں۔ ایک نظم جو ''تاریخ وفات مولانا غلام محمد بگوی'' کے بارے میں ہے ملاحظہ فرمائیے۔

یہ کیا غضب ہے یہ کیا ستم ہے کہ مارے مارے پھرے خدائی
جدھر بھی دیکھیں ادھر ہی غم ہے ہر اک طرف بے کسی ہے چھائی
ہوا ہے کیا بادشاہی مسجد ہری بھری ہو گئی ہے سنسان
یہ کس کا ماتم ہے کس کا غم ہے کہ ہائے ہو سب نے ہے مچائی
کہاں ہیں وہ خلقہائے ذکرِ خدا و یک شنبہ کی وہ راتیں
وہ رقت انگیز ذکرِ اللہ کیوں نہیں دے رہا سنائی
وہ حضرتِ بگوی کہاں ہیں ہماری آنکھوں سے کیوں نہاں ہیں

Marfat.com

وہ چاند سا چہرہ ریش روشن کہیں بھی دیتا نہیں دکھائی
گئی ہوئی منتشار میں انجمن ہے پر میر مجلس اس کے
کہاں ہیں تاریک پل میں ہو جائے مشکلوں کی گرہ کشائی
ہوں روح اعلیٰ پہ ان کی شام و صباح، سبوح کی فتوحات
رہیں سدا شاد آپ کے خویش، بیٹے، پوتے، بھتیجے بھائی
شب جدائی کی ظلمتوں میں سعید سال اُن کا ڈھونڈتا تھا
''بجھا ہے پنجاب کا چراغ آہ، اب'' ندا غیب سے یہ آئی

۱۳۱۸ھ

مولانا محمد سعید زین پوری کبھی کبھی مولانا محمد سعید میانوی بھی لکھا کرتے تھے۔ پاکستان کے معروف سائنس دان تسخیر احمد آپ کے بیٹے تھے جن کی پیدائش ۱۹۰۵ء میں ہوئی۔ کیمبرج سے تعلیم حاصل کی اور زندگی باہر گزاری۔ ریٹائرمنٹ کے بعد سیال شریف میں ان کی بارگاہ کی جانب سے انتظامی امور سونپے گئے۔ ماہنامہ شمس الاسلام کے ساتھ آپ ابتدا سے ہی منسلک رہے اور نثر و نظم میں اپنا تحریری فرض ادا کرتے رہے۔ آپ کی آخری تحریر غالباً ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئی۔ جس کے بعد مکمل خاموشی ہے۔

مولوی عبدالمجید

بھیرہ میں ایک ہی عہد میں ادبی حوالے عبدالمجید نامی دو شخصیات ہوئی ہیں۔ ایک مولوی عبدالمجید بھیروی اور دوسرے حکیم عبدالمجید سیفی۔ ان دونوں کے نام بھیرہ سے شائع ہونے والے رسالے ''شمس الاسلام'' میں تواتر سے ملتے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک اور عبدالمجید نامی قلم کار کا نام بھی اسی رسالے میں کبھی کبھی دکھائی دے جاتا تھا لیکن مؤخرالذکر کا تعلق کراچی سے تھا۔

مولوی عبدالمجید بھیروی کے بارے جیسے ادبی صفحات خاموش ہیں ایسے ہی بھیرہ کے لوگ

Marfat.com

بھی بہت کم حالات سے واقف ہیں۔
ماہنامہ شمس الاسلام کی ابتدائی اشاعتوں میں مارچ ۱۹۳۰ء کے شمارے میں مولوی عبدالمجید کی پہلی نظم 'قطعہ تاریخ شمس الاسلام'' شامل تھی۔اسی طرح اسی سال کے اپریل کے شمارے میں آپ کی تحریر''ترکِ علوم اور تخالفِ باہمی''مئی کے شمارے میں''ساقی کے مے خانے میں،نومبر کے شمارے میں''قل اللہ ثم ذرھم''ستمبر اکتوبر کے شمارے میں''تکبر نہ کرنا تکبر بُرا ہے''نظم شائع ہوئی اور پھر مکمل خاموشی چھا گئی۔اس سارے پس منظر میں اگرچہ آپ کے سنِ ولادت اور سنِ وفات کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔جبکہ اس میں ایک اور مشکل شمس الاسلام میں ہی شائع ایک اور خبر سے پیدا ہوگئی جو ۱۹۹۱ء میں آپ کی اہلیہ کی وفات کی تھی۔۱۹۳۴ء اور ۱۹۹۱ء میں ستاون سال کا فرق ہے۔ بہرحال آپ کے کلام کی پختگی سے کہا جا سکتا ہے کہ آپ انیسویں صدی عیسوی کے آخری ربع میں پیدا ہوئے ہوں گے۔آپ کی جنم بھومی بھیرہ شہر میں واقع محلہ بھٹیاں والا تھا۔آپ کے والد کا نام مولوی غلام محمد تھا جو خود بھی عالم دین تھے۔لہٰذا بیٹے کی ابتدائی تعلیم بھی دینی علوم پر گھر میں ہی ہوئی۔ بعدازاں آپ تدریس کے شعبے سے وابستہ ہو گئے اور اسلامیہ ہائی سکول بھیرہ میں نائب مدرس رہے۔آپ اردو،فارسی،عربی اور پنجابی زبان میں شعر کہتے تھے۔آپ کی کتاب''سی حرفی مع غزل وکافی''میری نظر سے گزری ہے۔اس کے بارے میں بھی یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ چھپی ہوگی۔سی حرفی اور کافی پنجابی زبان میں جبکہ غزل زبان میں ہے ۔

تیری ادا نے چھینا صبر و قرار پیارے ۔۔۔ زلفوں نے کر لیا ہے دل کو شکار پیارے
ابرو کمان ظالم مژگان خدنگ قاتل ۔۔۔ دل ہو گیا ہے زخمی سینہ فگار پیارے
شمع جمال تو ہے پروا نہ تجھ کو کوئی ۔۔۔ ہم جل رہے ہیں اوپر پروانہ وار پیارے
بلبل کی طرح تیرے ہم گیت گا رہے ہیں ۔۔۔ تجھ گل کر ترستے ہیں لیل ونہار پیارے
جور اور ناز تجھ سے، عجز و نیاز مجھ سے ۔۔۔ تم سے عتاب ہم سے ہے انکسار پیارے
تم نے نہ بھول کر بھی پوچھا کہ حال کیا ہے ۔۔۔ ہم نے یہ جان تم پر کر دی نثار پیارے

Marfat.com

خاطر تمہاری ساری بدنامیاں سہی ہیں — چھوڑا تمہارے پیچھے گھر اور بار پیارے
پہلے بڑھا کے الفت پھر بولنا بھی چھوڑا — اچھا کیا یہ ہم سے انجام کار پیارے
دل چھین کر ہمارا پھر کر گئے کنارا — کوچہ بہ کوچہ ہم کو کر کے خوار پیارے
وعدے کہاں وفا کے جو مجھ سے آپ نے کیے تھے — وہ وصل کے کہاں اب عیش و بہار پیارے
جب روز وہ خوشی کے آتے ہیں یاد مجھ کو — ہوتے ہیں اشک جاری بے اختیار پیارے
معلوم نہ تھی ہم کو تیری یہ بے وفائی — امید تھی کہ ہوگا تو غم گسار پیارے
بولو اگر نہ بولو جانو اگر نہ جانو — ہر وقت ہم تمہارے ہیں طلبگار پیارے
پاؤں سے کچل ڈالو ہاتھوں سے قتل کردو — راضی ہیں ہم جو تیری مرضی ہو یار پیارے

شیدا مجید تیرا محبوب ہے تو میرا
عالی مزاج تو ہے میں خاک سار پیارے ۳۲

مولوی عبدالمجید کو تاریخ گوئی میں بھی ملکہ حاصل تھا۔ ۱۹۳۰ء میں جو ''قطعہ تاریخ رسالہ شمس الاسلام'' لکھا۔ یہ بھی اُن کے فن کی پختگی اور زبان پر اختیار کی دلیل ہے۔

جس دم کیا ہے شمس نے اسلام کے طلوع — شب پر کی طرح کور ہوئے دشمنانِ حق
جیشِ محمدی کی جو دیکھی درخشِ تیغ — ڈر سے ہوا ہر ایک مخالف کا رنگ فق
کانوں میں آرہی ہے یہ آواز غیب سے — الحق قد تظاہر و الکفر قد زھق
شکرِ خدا ہے ناصرِ اسلام آگیا — ھٰذا ظہورِ احمد وھٰذا ظہورِ حق
اس کے لیے اسی کو کیا حق نے منتخب — جو ذات جس کے واسطے تھی اہل اور حق
ملتے ہیں اس میں خبر وتفاسیر کے نکات — تطہیر دل درستی اخلاق کے سبق

کیا ہے یہ شمس؟ دل سے جو پوچھا مجید نے
بولا جواب میں ہے ''چراغ ھدائے حق'' ۳۳

Marfat.com

مولوی نورالدین

مولوی نورالدین کی ولادت اور وفات کی بارے میرے زیرِ مطالعہ کتب بالکل خاموش ہیں۔ البتہ باب الاعوان میں اُن کے بارے بہت ہی مختصر حالات ملتے ہیں۔ مثلاً ''سبب تالیف کتاب ہذا'' میں وہ لکھتے ہیں:۔

''عاصی فقیر نورالدین بن حضرت خواجہ مولانا حاجی نور محمد قوم سلیمانی افغان حنفی نقشبندی مجددی متوطن قصبہ غفری واقعہ کوہستان سون سکیسر تحصیل خوشاب ضلع شاہ پور ملک شمالی پنجاب یہ عرض کرتا ہے''۔[۲۴]

اسی مذکورہ کتاب کے آخر میں آپ اپنی تعلیم کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

''تعلیم کا حال یہ ہے کہ ابتدائی کتب فارسی، نظم و فقہ، عربی، درسی اور چند کتب سلوک وغیرہ اپنے والد ماجد حضرت مرشدنا خواجہ نور محمد کی خدمت میں رہتے ہوئے پڑھیں۔ پھر اہلِ سنت و جماعت کے طائفہ حنفیہ رضویہ میں داخل ہوا اور پھر اکثر کتب فقہ و صرف و نحو و حکمت وغیرہ مولانا نور محمد صاحب مفتی شہر لیہ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کی خدمت میں پڑھیں اور کتاب حدیث شریف و اصول، حدیث شریف و اسماء الرجال وغیرہ حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب محدث مرحوم لیہ شاگرد مولانا محمد نذیر حسین صاحب دہلوی سے حاصل کریں اور اُن کی سند شاہ عبدالعزیز، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہ علماء کو پہنچتی ہے اور کچھ کتابیں متفرقات حضرات علماء الہند سے استفادہ پاکر پڑھیں''۔[۲۵]

ابتدائی تعلیم کے اس تذکرے کے بعد ہم مولوی نورالدین کی تاریخ ولادت کا اندازہ بھی اسی کتاب سے لگا سکتے ہیں۔ کیونکہ اسی ذکر میں آگے چل کر وہ رقمطراز ہیں:۔

Marfat.com

''۱۳۱۵ھ میں اس عاجز نے دہلی جا کر اکثر کتب متفرقات علماء دہلی سے حاصل کیں۔ خصوصاً کتب حدیث کی حضرت مولانا محمد نذیر حسین محدث دہلوی کی خاص خدمت شریف میں سند حاصل کی اور پھر اکثر کتب تصوف وسلوک اہل اللہ کا پڑھنا حضرت والد ماجد کی خدمت سے اتفاق ہوا اور اب بوقتِ تجمیع کتاب ہذا کے ۱۳۱۹ھ ہے۔ پس اس حساب سے عمر اس عاجز کے صرف اٹھائیس سال ہوئی''۔ ۳۶

یوں ۱۳۱۹ھ سے اٹھائیس سال جب منہا کریں تو ۱۲۹۱ھ مولانا نورالدین کی سن ولادت بنتی ہے۔ جو تقویم تاریخی کے مطابق ۱۸۷۴ء کا سن بنتا ہے۔ محمد سرور خان اعوان نے آپ کے مختصر حالات اپنی کتاب ''وادی ،سون سکیسر'' مین تحریر کیے ہیں کہ

''اُن کے آباؤ اجداد کا تعلق میانوالی کے قصبہ موسیٰ خیل سے تھا۔ مورثِ اعلیٰ کا نام عثمان خان عرف مانی خان تھا جو قصبہ مذکورہ سے ترکِ سکونت کر کے کفری میں آباد ہو گیا تھا''۔ ۳۸

مولانا نورالدین نے کم عمری میں ہی لکھنا پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ اردو، فارسی، عربی اور پنجابی زبانوں میں آپ اپنی بات قرطاس پر ''اُلیکتے''۔ شاعری، تنقید، تحقیق اور کئی علوم پر آپ کی بہت سی کتب منظرِ عام پر آئیں جن میں سے ''باب الاعوان، زادالاعوان، تاریخ سلیمانی، النصاح المجید دی فی سلاسل نقشبندی، نورالاسناد اور حلیہ نوری'' کو بہت پذیرائی ملی۔ آپ نے کئی کتابوں کے تراجم بھی کیے۔

آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا جس کا پتہ ہمیں باب الاعوان کی ترتیب سے لگتا ہے جس میں سو سے زائد کتب کا حوالہ موجود ہے۔

مولانا ایک عالم دین تو تھے ہی۔ لیکن آپ ایک صوفی باصفا بھی تھے۔ آپ کے ارادت مندوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ محمد سرور خان اعوان کے مطابق۔

''سر محمد شفیع مرحوم کا سارا خاندان اُن کے ارادت مندوں میں

Marfat.com

شامل تھا۔ ۱۹۳۱ء میں سابق فنانشل کمشنر جی معین الدین نے اپنے دورہ وادیٔ سون میں نوشہرہ سے کفری تک پا پیادہ اپنے شیخِ طریقت مولانا نورالدین کے پاس حاضری دی''۔۳۹

مولانا نورالدین کی وفات کے بارے بھی کوئی مستند حوالہ ہمارے پاس موجود نہیں سوائے اس کے کہ آپ اپنے عقیدت مندوں کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے آخری ایام میں لاہور منتقل ہو گئے اور وہیں وفات پائی۔ لاہور میں سکونت صاف ظاہر ہے کہ ۱۹۳۱ء کے بعد اختیار کی گئی ہو گی۔ وہاں کتنا عرصہ قیام کیا اور کب وفات پائی؟ اس بارے وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ آپ کی اردو شاعری کا نمونہ ملاحظہ کیجئے۔

حمد جلّ شانہ'

حمد ہے سب صاحب افلاک کو — جس نے پیدا ہے کیا اس خاک کو
پاک ہے وہ بادشاہِ بے زوال — اُس نے انساں کو کیا والا کمال
پاک ہے وہ قادرِ ربِ جہاں — لطف سے اس کے ہوا کون و مکاں

پاک ہے وہ خالقِ ربُ الجلیل
مصطفےٰ ہے اس کی قدرت کی دلیل

نعت پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم

کیا کروں میں نعت ختم المرسلین — ہے محمد مصطفےٰ رحمت یقین
نورِ احمدؐ کا ہے یہ سارا ظہور — کوہ و صحرا آدم و حور و قصور
سب سے برتر ہے ہوا خیر الانامؐ — پیشوا و انبیاء سب کا امام

کیا کروں میں وصف خیر الانبیاء
اس کی خاطر ہے یہ سب ارض و سما

مدح حضرات چہار یار کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم

Marfat.com

جانشینِ پیشوائے اوّلین نائب خیرالورا صدیقؓ دیں
مقتدائے خلق ہیں بازیب و فر نائب سرور جہاں حضرت عمرؓ
شاہسوار جانشیں محبوبِ ربّ حضرتِ عثمانؓ ذوالنورین لقب
کس سے ہو تحریر شانِ مرتضیٰ
شاہِ مرداں ابنِ عمِ مصطفیٰؐ

دل خوشابی

شریمان لوکناتھ جی دلؔ خوشاب ضلع سرگودھا کے رہنے والے تھے۔ اُن کے حالاتِ زندگی پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ شریمان شاید ان کے خاندانی نام کا حصہ نہیں تھا۔ کیونکہ ہندی لفظ شریمان کے معنی دولت مند، اقبال مند، صاحب رونق اور خوبصورت کے ہیں جیسے شری مت بھی کہا جا سکتا ہے۔ میرے خیال میں وہ دولت مند یا سیٹھ قسم کے شخص ہوں گے اس لئے انہیں شری مان کہا جاتا ہو گا۔ مزید یہ کہ آپ تقسیم ہند سے بہت پہلے آنجہانی ہو چکے تھے۔ دوسری وجہ اُن کے بحیثیت شاعر سامنے نہ آنے کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اُن کی اکثر نگارشات مذہبی حوالے سے تھیں ہندوؤں کے مذہبی رسائل میں شائع ہوتی تھیں جو عام قاری کے مطالعے میں نہ آ سکیں۔ تقسیم ہند کے وقت اُن کی اولاد خوشاب میں موجود تھی جو یہاں سے ہجرت کر گئے اور بھارت میں جا بسے۔ اُن کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے البتہ یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اُن کی ولادت انیسویں صدی کے نصف میں ہوئی ہوگی۔

دلؔ خوشابی کی درج ذیل نظم بھی اگرچہ ایک پھٹے پرانے رسالے سے لی گئی ہے۔ لیکن اس کاغذ کی حالت سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بیسویں صدی کے پہلے عشرے میں یہ رسالہ کہیں شائع ہوا ہوگا۔ اور یہ رسالہ خالصاً ہندوؤں کے مذہبی پہلوؤں کو اجاگر کرتا تھا۔ اور ہندو دھرم کے لئے شائع ہوتا تھا۔

ہمالہ اور شاعر

Marfat.com

ہوا ساکت تھی شب خاموش تھی تنہائی تھی ہر سو
فلک کی گود میں پھرتی تھرکتی تھی قمر کی ضو

زمیں کا ذرہ ذرہ جلوہ مہتاب سے تاباں
سطح پر آب کی خوش چاندنی کی موج تھی رقصاں

لب امواج پر روپہری کرنوں کا تبسم تھا
نظارہ کیف آور تھا سرور انگیز عالم تھا

شراب چاندنی اشعار کے ساغر میں بھرنے کو
شب خلوت میں تنہا تھا میں اپنا کام کرنے کو

خیال افروز تھا دل، نوجواں تھی آرزو میری
ہمالہ سے سرِ راہ ہوگئی یوں گفتگو میری

کہا میں نے ہمالہ سے ہمارا رازداں تو ہے
بتا کچھ ! بزمِ آدم کا ازل سے پاسباں تو ہے

قسم تجھ کو تری رفعت کی مجھ سے بات سچ کہنا
قسم تجھ کو تری عظمت کی مجھ سے بات سچ کہنا

تری ہر بات کو میں گوشۂ دل میں چھپالوں گا
تری آواز کو میں شعر کے سانچے میں ڈھالوں گا

مجھے جذبات کے پھولوں کے تاگے میں پرونا ہے
تری ہر بات کو اس دل میں آکر نظم ہونا ہے

بیاں کر اے ہمالہ ! مجھ سے سب ماضی کا افسانہ
وہ عہدِ حکمرانی، دبدبہ، وہ شانِ مردانہ

فضا کیسی ہوا کیسی تھی، کیسا وہ زمانہ تھا
جو اپنی شان وعظمت اور ہمت میں یگانہ تھا

پِتا کے واسطے وہ رام کی ذی شان قربانی
پتی کے واسطے سیتا کا وہ ایثارِ نسوانی

بڑے بھائی کی خاطر چھوٹے بھائی کی وفاداری
وہ لکھشمن جس نے چودہ سال کی تھی ناز برداری

جدا بھائی سے ہو کر بھرت کی الفت کا افسانہ
ملی گو شانِ شاہانہ رکھی حالت فقیرانہ

کنہیا کی سریلی بانسری کی دلربا تانیں
سحر انگیز و مستی خیز و دلکش جانفزا تانیں

سدرشن چکر گردھاری کا اور اعجاز گیتا کے
کھلے تھے سانورے ہونٹوں سے کیسے راز گیتا کے

لرز اٹھتا گرج سے بھیم کی تھا آسماں کیسے
سرِ میدان گونج اٹھتی تھی ارجن کی کماں کیسے

گورو وہ درون جیسا اور وہ بھیشم سا برہمچاری
یدھشٹر سا وہ دھری اور کرشنا سی ستی ناری

بکرماجیت کے انصاف کی شہرت بھی یاد ہوگی
وہ چندر گپت کے اوصاف کی شہرت بھی یاد ہوگی

تجھے گوتم کا وہ عہدِ مسرت بھی تو یاد ہوگا
تجھے اشوک کا دورِ حکومت بھی تو یاد ہوگا

Marfat.com

وہ کالیداس کے دو ہرے وہ راجہ بھوج کی شوکت ۔۔۔ وہ راجہ کرن کی حشمت وہ اُس کی دان کی شہرت
تجھے تو یاد ہوں گی آج تک جو ہر کی وہ رسمیں ۔۔۔ زباں کے دھنی پوری کر دکھاتے کس طرح قسمیں
کہاں پتلے شرافت کے سخاوت کے حقیقت کے ۔۔۔ کہاں شیدائی غیرت کے، کہاں فونو محبت کے
کدھر ہیں وہ مجسمے پاک اور وہ پاک تصویریں ۔۔۔ وہ ملت وہ وفاداری وہ تہذیبیں وہ تنویریں

ہوا محسوس مجھ کو دور سے ٹھنڈی ہوا آئی
مرے کانوں میں دردانگیز ہمالہ سے صدا آئی

کہ اے ہندوستاں کی شان اور شوکت کے شیدائی ۔۔۔ اے بھارت ورش کی شہرت کے اور عظمت کے شیدائی
سناتا ہوں تجھے کہ کس طرح سے ہو گیا غارت ۔۔۔ سبب غارت گری کا سب سے پہلا ہے مہابھارت
تباہی کا ہوا آغاز باری پھوٹ کی آئی ۔۔۔ قصائی بن کے پیش آنے لگے بھائی سے پھر بھائی
گئی وہ شان ہر ہندی کی عظمت میں زوال آیا ۔۔۔ نہ رُخ پر پھر جلال آیا نہ غیرت میں کمال آیا
وہ پرتھوی راج اور جے چند کی آپس میں ناچاقی ۔۔۔ وہ آپس کی جگر چاکی، غضب ناکی، ہوس ناکی
وہ یودھا مان سنگھ کی قوم کے حامی سے غداری ۔۔۔ وہ آپس میں ستمرانی، ہوس رانی وہ خوں باری
جمایا لودھیوں، مغلوں نے تخت و تاج پر قبضہ ۔۔۔ کیا غیروں نے ہمت سے ہمارے راج پر قبضہ
گورو گو بند سنگھ، پرتاب، سیوا، بیر بیراگی ۔۔۔ کسی کی کوششوں سے بھی نہ قسمت ہند کی جاگی
عیاں ہے روزِ روشن کی طرح جو بعد میں گزری ۔۔۔ نئی تہذیب آئی اور جس انداز سے چمکی

اسی سیلاب میں پھر بن کے تنکے بہہ گئے ہندی
چلے وہ چال کہ آخر میں بالکل رہ گئے ہندی ؎

شیدا انبالوی

شیدا انبالوی کے بارے مجھ تک جو معلومات پہنچی ہیں وہ ''سخنورانِ سرگودھا'' یا پھر اخلاق عاطف کے پاس ایک پروفارم نامکمل پُر ہے جس سے صرف نام اور سن ولادت کا پتہ چلتا ہے۔

Marfat.com

''سخنوران سرگودھا'' کے مطابق ان کا نام ''منشی عبدلرزاق اور ولادت ۱۸۸۰ء انبالہ شہر ہے'' [۴۱] جبکہ اخلاق عاطف کے پاس موجود فارم میں نام خواجہ عبدالرزاق اور سن و مقام ولادت ۱۸۹۰ء انبالہ شہر (مشرقی پنجاب) ہے۔ [۴۲] میرے خیال کے مطابق موخرالذکر سن ولادت حقیقت کے قریب قریب ہوگا۔

شیدا انبالوی (مرحوم) ''سخنواران سرگودھا'' میں یوں متعارف کرائے گئے ہیں:

''آپ کے والد منشی رحیم بخش خود بھی اچھے شاعر تھے۔ ان کا تخلص ضیاء تھا۔ حضرت شیدا نے یہ ذوقِ سلیم وراثت میں پایا۔ لڑکپن ہی میں یتیم ہو گئے۔ ابھی اس صدمے سے سنبھلنے نہ پائے تھے کہ طاعون کی وبا پھوٹ پڑی۔ آپ کے بہت سے عزیز و اقارب بھی لقمہ اجل بن گئے۔ زندگی کا بیشتر حصہ کاروباری مصروفیات کی بدولت گھر سے باہر گزارا۔ شیدا انبالوی نے شاعری میں محشر لکھنوی سے فیض حاصل کیا۔ تقسیمِ پاک و ہند کے بعد آپ سرگودھا میں مستقل رہائش پذیر ہوئے۔ مطالعے کا بے حد شغف تھا۔ انبالہ شہر میں اپنی ذاتی لائبریری تھی۔ گو تقسیم کے بعد یہ لائبریری تو نذر آتش ہوگئی مگر شیدا کا مطالعہ جاری رہا۔ آپ نے سرگودھا میں بہت تنگدستی کی حالت میں گزر بسر کی۔ لیکن فکر معاش ان کے شوقِ خدمتِ ادب کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکی اور آپ نے آخری سانسوں تک علم و ادب کی شمع تھامے رکھی۔'' [۴۳]

منشی عبدالرزاق شیدا انبالوی کے دو مسودے بعنوان ''نگارستان شیدا موسوم بہ ''سخن زار'' اور ''ادبستان شیدا'' ان کی شعری زندگی کا اثاثہ انھوں نے ترتیب دے رکھے تھے۔ لیکن خدا جانے وہ دونوں شعری مجموعے اب کس کے پاس ہیں اور کس حال میں ہیں۔ آپ کی وفات جب ۱۶ اگست ۱۹۷۰ء کو ہوئی تو ان مرتبہ دو مسودوں کے علاوہ مزید بھی آپ کا کلام غزلیات اور حمد و نعت کی شکل میں

Marfat.com

موجود تھا۔ سرگودھا آپ کی آخری آرام گاہ بنی۔ آپ سرگودھا میں شعروادب کی آبیاری کرنے والوں میں شامل تھے۔اور پختہ فکروفن کے حامل شاعر تھے۔

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

خدا نے بھی دعویٰ کیا عاشقی کا ۔ وہ تھا حسن زیبا مہِ عاشقی کا
بنا بیٹھا ہوں آئنہ بے خودی کا ۔ تصور میں نقشہ ہے روئے نبیؐ کا
فدا ہوتے ہیں ہر گھڑی آ کے قدسی ۔ وہ رتبہ ہے طیبہ کی ہر اک گلی کا
رہ شوق اور ناتوانی کا عالم ۔ کوئی حال دیکھے میری بے بسی کا
مجھے کھینچ لے جائے شوق مدینہ ۔ نکل جائے اے کاش ارمان جی کا
تیرے گم شدہ کے تجسس میں ہر دم ۔ بگولوں کو ہے شغل آوارگی کا

دعا ہے الٰہی کہ شیدا کے لب پر
دمِ واپسیں بھی ہو کلمہ نبیؐ کا

غزل

بجائے خود مطمئن تھی دنیا جدال دیر وحرم سے پہلے
قرار تھا جاگزینِ خاطر خوشی تھی غربت کے غم سے پہلے
تری جفاؤں کا شکریہ بھی ادا ہی کرنا پڑے گا لیکن
میں اپنے آنسو تو خشک کرلوں ستم زدہ چشمِ نم سے پہلے
تمہارے پیمان دوستی کے فریب میں کوئی آ ہی جاتا
اگر کہیں لڑکھڑا نہ جاتی زبان قول وقسم سے پہلے
قیود ظاہر سے بے خبر تھا بشر کا ذوق نیاز مندی
خدا کی بے لوث بندگی تھی قیامِ دیر وحرم سے پہلے
گروہ اہل طلب کی خواہش وہی فقط دل فروشیوں تک

Marfat.com

نہ ایک بھی سرفروش نکلا رہِ محبت میں ہم سے پہلے
کہیں تری بدزبانیوں سے مزاج ساقی بدل نہ جائے
حصولِ ساغر سے بہرہ ور ہو شکایتِ کیف وکم سے پہلے
اگر سرِ راہ آ گیا ہے تو جرح کیا ہے روارَوی میں
صنم کدے کی بھی سیر کرتے چلیں طوافِ حرم سے پہلے ؎

باوامحمد عمر رند خوشابی

باوامحمد عمر المعروف باوامحمد عمر رند خوشابی کے والد کا نام شیر محمد اور والدہ کا نام ستاں بی بی تھا۔ آپ اعوان قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ خوشاب شہر میں پیدا ہوئے۔ وقتِ وفات آپ کی عمر اسی سال بتائی جاتی ہے یوں یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ۱۸۹۲ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے ہوں گے۔ آپ کے والدین اولاد کی نعمت سے محروم تھے۔ آپ کی والدہ دعا کرانے کی غرض سے کسی فقیر کی تلاش میں گھر سے نکلیں راستے میں باوہ خواجہ عمر مست قلندر ملے جن کا مزار موسیٰ شریف نزد کلور کوٹ میں ہے۔ اُن کے ہاتھ میں کھجور کا ایک دانہ تھا وہ ستاں بی بی کو دے دیا اور فرمایا: ''اللہ عزوجل آپ کو ہمارا ہم نام، ہم خصلت بچہ دے گا''۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

باوامحمد عمر جب جوانی میں پہنچے تو ریلوے میں ملازم ہو گئے۔ والدین نے باروزگار دیکھ کر شادی کر دی مگر انہوں نے جلد ہی بیوی کو آزاد کر دیا اور والدین کی وفات کے بعد ملازمت ترک کر کے گھر کا تمام اثاثہ راہِ خدا میں دے کر اپنی مرشد فتح بی بی کے پاس چلے گئے۔ فتح بی بی ملانہ شریف تحصیل وضلع میانوالی میں رہتی تھیں اور خواجہ عمر مست قلندر صاحب کی مرید تھیں اور خوجہ عمرؒ خواجہ حضرت پیر سیالؒ کے مرید تھے۔

باوامحمد عمر نے کافی عرصہ مائی صاحبہ کے ہاں گزارا یہاں تک کہ سید شیر امیر شاہ اور سید غلام محمد شاہ موضع ستھ شہانی تحصیل خوشاب انہیں مائی صاحبہ سے مانگ کر اپنے پاس لے آئے۔ باوا جی

Marfat.com

زندگی کا کچھ حصہ سادات کے ساتھ ستھ میں رہے۔

مائی فتح بی بی نے اپنی زندگی میں سلطان پور تحصیل شاہ پور کے مغرب کی جانب ایک کلومیٹر کے فاصلے پر تین قبریں کھدوائی تھیں۔قبر تیار ہونے کے چند دن بعد ہی مائی صاحبہ نے وفات پائی اور وہیں دفن ہوئیں۔مائی صاحبہ کے حکم کے مطابق باوا محمد عمر سلطان پور میں ۱۸ سال تک رہے اور ۱۹۷۲ء میں وفات پائی۔انہیں بھی تیار شدہ ایک قبر میں دفن کیا گیا۔

حضرت باوا محمد عمرؒ خوشابی کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے آپ کی زبان پنجابی تھی۔آپ کی وفات کے بعد ''اظہار حقیقت'' کے نام سے آپ کا پنجابی کلام شائع ہوا۔اس پنجابی کلام میں ایک نظم پنجابی زبان کی ٹیپ چند مصرعوں کے ساتھ اردو زبان میں شامل ہے۔دراصل ایک دفعہ کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ آپ نے اس کا بازو پکڑ کر بٹھالیا اور فرمایا:

میں وحدت ذات قدیم میری

وہ آدمی توبہ توبہ کرکے اٹھنے لگا۔آپ نے اسے دوبارہ بٹھا کر کہا نہیں!

بن صورت ہے بامیم مری ۔

اور پھر پوری نظم اسے کہہ سنائی:

یہ نظم حقیقت میں وحدت الوجودی بحث ہے۔بہت سے قاری اسے پڑھ کر بُرا ماننے کا اپنا حق رکھتے ہیں کہ صوفی کی سوچ عام آدمی سے الگ ہوتی ہے۔وہ کسی اور پہلو سے سوچتا ہے اور خود کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے جدا نہیں سمجھتا۔نظم حاضر ہے۔

میں آدمؑ، نوحؑ، داؤدؑ بھی ہوں   میں شاہد اور مشہود بھی ہوں
میں خلیلؑ، کلیمؑ، وجود بھی ہوں   ایہو فی اللہ ذات کریم مری
میں روح اللہ تنزیل بھی ہوں   توریت زبور انجیل بھی ہوں
میں پاک قرآن دلیل بھی ہوں   ایہو ذات غفور رحیم مری
جبار، ستار، غفار بھی ہوں   میں آلِ محمدؐ خار بھی ہوں

Marfat.com

میں اکثر ذات رحیم بھی ہوں ایہو صفت عذاب عظیم مری
میں ابو جہل، سفیان بھی ہوں صدیقؓ، عمرؓ، عثمانؓ بھی ہوں
میں علیؓ جلی مردان بھی ہوں ہے اکبر ذات علیم مری
میں ارض و سما نشان بھی ہوں میں جلوہ گر جانان بھی ہوں
میں رام چندر بھگوان بھی ہوں ہو اللہ ذات قدیم مری
لبریز ہویا آ پیمانہ میں دوجا بن کے دیوانہ
العمر خوشابی کما کان
رنگ کثرت جھوک سقیم مری ۷۷

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع

مفتی محمد شفیع ۱۸۹۴ء میں موضع دوآبہ ضلع میانوالی ۷۸ کے ایک علم دوست گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد قاضی محمد امین ایک عالم دین تھے اور چچا مولانا احمد دین کیلوی بہت بڑے فقیہ اور علوم متداولہ پر گہری نظر رکھتے تھے وہ مولانا ابوالسعد احمد خان (کندیاں) کے خلفائے مجاز میں سے تھے۔ اختر راہی لکھتے ہیں کہ:

"مفتی محمد شفیع نے آغاز طالب علمی میں مولانا احمد خان سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ مدرسہ رحیمیہ نیلا گنبد لاہور میں زیر تعلیم رہے۔ ذہین و ذکی طالب علم تھے۔ اسباق میں جرح اور اعتراضات سے بعض اوقات اساتذہ کو بے بس کر دیتے تھے۔ اسی ذہانت کے ہاتھوں مدرسہ سے ان کا کام خارج کر دیا گیا۔ لاہور سے امرتسر گئے اور مختلف اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند جا کر سند فضیلت حاصل کی۔" ۷۹

Marfat.com

مفتی محمد شفیع تعلیم کے حصول کے بعد خوشاب آ گئے جہاں مرکزی جامع مسجد مین بازار میں ''مدرسہ سراج العلوم'' قائم کیا اور آنے والی نسلوں کو اسلام کی راہ پر چلنے کی تعلیم دینے لگے۔ اسی مسجد میں آپ خطیب بھی تھے۔ خوشاب میں وعظ وارشاد اور درس وتدریس کے بعد آپ نے ۱۹۳۶ء میں سرگودھا کا رخ کیا۔ سرگودھا میں آمد کے بارے پروفیسر ہارون الرشید تبسم رقمطراز ہیں:

''جامع مسجد بلاک نمبر ا سرگودھا کے لئے شہزادہ غلام محمد، حکیم حافظ محمد سعید المعروف بابا ڈورا، حکیم سید عبدالرزاق شاہ گیلانی اور کئی احباب آپ کے پاس خوشاب گئے اور آپ کو لے آئے۔ آپ کے شاگرد خاص مولانا محمد صالح بھی ہمراہ تھے۔ یہاں بھی مدرسہ سراج العلوم قائم کیا''۔ ۵۰

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع نے تحریک پاکستان میں یونینسٹ کے خلاف جمعیت علمائے ہند اور مجلسِ احرار کا ساتھ دیا۔ سرگودھا میں رہتے ہوئے آپ نے تمام مکاتب فکر کے علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔ اور تعصب کی فضا کو ختم کیا۔ جب پاکستان قائم ہوگیا تو مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ تھا۔ آپ نے اس سلسلے میں بھی حتی المقدور کوشش کی۔ جب تحریک ختم نبوت کا آغاز ہوا تو آپ نے اس میں بھرپور حصہ لیا۔ جس بنا پر آپ کو جیل کی سزا بھی کاٹنا پڑی۔ آپ نے سیاست میں بھی حصہ لیا اور قومی اسمبلی کا الیکشن لڑا۔

مفتی محمد شفیع ۱۵ جولائی ۱۹۶۶ء کو اللہ کو پیارے ہوئے اور اپنے بعد یادوں کا ایک سلسلہ چھوڑ گئے۔ آپ مبلغ، عالم دین، خطیب، مقرر اور کئی خوبیوں کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ اردو، فارسی، پنجابی اور عربی کے شاعر بھی تھے۔ آپ نے ''سلسلہ طیبہ نقشبندیہ مجددیہ'' چاروں زبانوں میں منظوم لکھا جو آپ کی وفات کے بہت بعد شائع ہوا۔ اردو میں لکھے گئے اس سلسلہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اے دلا پیشِ خدا ہو التجا کے واسطے کبریا بخشش نوا بے ابتداء کے واسطے
باادب آہستہ لب سے یوں کہوائے میرے رب جرم سب دے بخش احمد مجتبیٰؐ کے واسطے
حضرتِ صدیق اکبرؓ جانشینِ مصطفیٰؐ پیشوائے رہروان اہتداء کے واسطے

Marfat.com

دین وایماں کی اماں ہو شیخ سلمانؒ کے طفیل ۔ صاحبِ سرِ نبی الانبیاءؐ کے واسطے
کلمہ حق ہو رواں میری زباں سے اے خدا ۔ پیرِ قاسمؒ بن محمد بے ریا کے واسطے
شیخِ کامل سیدِ عالی نسب والا حسب ۔ جعفر صادقؒ امام الاصفیاء کے واسطے
ماسوا کی ہو نہ گنجائش میرے دل میں خدا ۔ بایزید پیر حق ذوالاجتبا کے واسطے
یا الٰہی درد دل ہو ہر گھڑی مجھ کو نصیب ۔ بوالحسن خرقانیؒ پیرِ ہدیٰ کے واسطے

☆

منبع فیض و عنایت مرجع ہر خاص و عام ۔ شیخ احمد خان قطب الاہتداء کے واسطے
مہبطِ نورِ ولایت حضرتِ پیرِ ہدیٰ ۔ خواجۂ عبداللہ ثانی مقتدیٰ کے واسطے
مرکزِ جودِ ولایت واقفِ اسرارِ دیں ۔ حضرتِ خانِ محمد مہتدیٰ کے واسطے
یا الٰہی کچھ نیازِ بندگی سن لیجئے ۔ جملہ اپنے انبیاء و اولیا کے واسطے
روز و شب ہوں غرقِ عصیاں میں بہت شرمندہ ہوں ۔ آنکھ نیچے کر کے بیٹھا ہوں حیا کے واسطے
جب نظر کرتا ہوں اپنے حال پر صد الاماں ۔ ہاتھ اٹھتے ہی نہیں اٹھتے دعا کے واسطے
محجوب ہوں، منفعل ہوں، آپڑا در پر ترے ۔ وعدہ، لاتقنطوا سن کر گدا کے واسطے

کون داتا ہے کہاں جاؤں اگر تو رد کرے
یہ شفیعِ خستہ دل بس ہے خدا کے واسطے اھ

حافظ فضل کریم گوندل

گوندل قبیلے کے چشم و چراغ فضل کریم ۲۱ اپریل ۱۸۹۸ء کو بھیرہ میں پیدا ہوئے لیکن ایک روایت ۲۴ جنوری ۱۸۹۸ء بھی تحریری طور پر ملتی ہے۔ آپ نے دین کی ابتدائی تعلیم اپنے والد محمد امین سے حاصل کی۔ قرآنِ مجید حفظ کیا اور حافظ کہلوائے جبکہ شعر و سخن میں آنے پر حافظ تخلص پسند کیا۔ بعد ازاں دہلی چلے گئے اور وہاں کے ''مدرسہ امینیہ'' میں داخلہ لے لیا۔ جہاں سے عربی

Marfat.com

فاضل کا امتحان پاس کیا اور حدیث میں سند فراغت حاصل کی۔ جوانی کے انہیں ایام میں شاعری کا شوق پیدا ہوا شاید اس میں وطن سے دوری کا اثر شامل ہو۔ لہٰذا جب واپس بھیرا آئے تو مولوی فضل الٰہی قریشی بھیروی سے اصلاح لینے لگے۔ آپ نے کئی حج کئے اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دی۔ آپ کا شمار بھیرا کے معتبر علماء و فضلا میں ہوتا ہے۔ عربی، فارسی، اردو اور پنجابی ہر چہار زبان پر آپ کو عبور حاصل تھا۔ اور ان تمام زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ لیکن بنیادی طور پر آپ کو فارسی زبان کا شاعر کہا جا سکتا ہے۔ آپ تصوف کی طرف مائل تھے اور وحدت الوجودی عنصر آپ کی شاعر میں بھی ملتا ہے۔ آپ کی شاعری کے مطالعے سے حقیقت بالکل واضح دکھائی دیتی ہے کہ۔

ہر گل و غنچہ میں بو تیری ہے　　بلبل شیدا میں بھی خو تیری ہے

برسر شمع ہے جلوہ کس کا　　بال پروانہ میں بو تیری ہے

مولوی حافظ فضل کریم گوندل کے بلند پایہ عالم ہونے میں تو کسی کو شک نہیں۔ آپ کی شاعری بھی استقام ولغویات سے صاف ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی آپ ایک بزم آرا انسان تھے۔ ہر روز ذکر اذکار کی محفل مسجد قصاباں میں منعقد ہوتی جو ظہر تک جاری رہتی تھی۔ علاوہ ذکر واذکار کے صاحب علم حضرات، اہل دل، طالبان حق اور شعراء بھی آپ کی محافل میں حاضر ہوتے، ہر مکتبہ فکر کے لوگ اپنے اپنے مقاصد اور اپنی اپنی الجھنیں لئے آتے اور دلی تسکین کے ساتھ رخصت ہوتے۔ یہ سلسلہ آخری دنوں تک جاری رہا اور بالآخر آپ اطمینان محسوس کرتے ہوئے ۱۵ جنوری ۱۹۸۰ء کو اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔

حافظ فضل کریم نے اگرچہ حمد و نعت میں زیادہ تر شعر کہا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ انہوں نے نظم اور غزل و رباعیات کی اصناف میں بھی دل کی بات لوگوں تک پہنچائی۔ آپ کی کئی یادگار کتابیں ہمارے درمیان موجود ہیں۔ جن میں ''غزلیات و رباعیات'' (اردو)۔ ''غزلیات و رباعیات'' فارسی۔ ''شاہ نامہ اسلام'' (منظوم فارسی)۔ ''داستانِ پاکستان'' (منظوم فارسی)۔ ''نماز مترجم'' پنجابی۔ ''شہد نامہ'' اور ''حضرت سفینہ سالار مدینہ'' شامل ہیں۔

Marfat.com

آپ کی شاعری میں اسلامی رنگ بالکل نمایاں ہے۔ اخلاقی، اصلاحی نظمیں اور وطن سے محبت کے حوالے سے بھی نظمیں بہت سی موجود ہیں۔ لیکن اُن کا جو خاص رنگ ہے ملاحظہ ہو۔

سجدہ گاہِ عاشقاں

سجدہ گاہِ عاشقاں پر نقش پا ہوتا نہیں — سجدہ جز محراب ابرو کے روا ہوتا نہیں
دلربا کو اس قدر ہے خود نمائی سے گریز — آئینہ کے سامنے بھی رونما ہوتا نہیں
سینکڑوں غنچے کھلے گلشن میں زیب تن ہوئے — غنچہء دل تجھ سے وا، بادصبا ہوتا نہیں
ایک ہی جلوہ ہے موسیٰ طور پر بے خود ہوئے — تابِ نظارہ کا متحمل ہبا ہوتا نہیں
گورِ مجنوں سے یہ آتی ہے صدائے دلنواز — عشق میں جو مر مٹا ہرگز فنا ہوتا نہیں
اس بتِ کافر نے حافظؔ سے کہا یہ برملا
ہم پری رووں سے کوئی باوفا ہوتا نہیں

رازِ مخفی

رازِ مخفی بیاں نہیں ہوتا — ہر کوئی راز داں نہیں ہوتا
دلستانی کا ڈھب نرالا ہے — ہر کوئی دلستاں نہیں ہوتا
کوئے الفت کے پابجولاں پر — ہر کوئی مہرباں نہیں ہوتا
بزمِ عشرت کے بادہ خواروں میں — ہر کوئی شادماں نہیں ہوتا
ملک و ملت کی پاسبانی کا — ہر کوئی پاسباں نہیں ہوتا
اہل علم و ادب کا اے حافظؔ
ہر کوئی قدر داں نہیں ہوتا۵۵

مقصود وارثی

مقصود وارثی کا اصل نام مقصود احمد تھا۔ اہل سادات میں سے تھے اور سرزمین دیوہ شریف

Marfat.com

ضلع بارہ بنکی (انڈیا) کے بزرگ حاجی وارث علی شاہ کے عقیدت مندوں میں سے ہونے کے باعث وارثی کو نام کا حصہ بنالیا۔ آپ ۲۵ ستمبر ۱۸۹۸ء کو ادب کی سرزمین لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ وہیں تعلیم حاصل کی۔ اور پھر طب و حکمت کی سند لینے کے بعد حکمت کو ہی پیشہ بنالیا۔ شعروادب کی زمین سے ہی شاعری کا شغف پیدا ہوا اور تقسیمِ ہند کے بعد جب ہجرت کی تو اس شغف و شوق کو ساتھ لے آئے۔ پاکستان آنے کے بعد بھاگٹانوالہ کے نزدیکی گاؤں چک نمبر ۲۴ جنوبی ضلع سرگودھا میں رہائش پذیر ہوئے۔ حکومت پاکستان کی طرف سے کچھ اراضی الاٹ ہوئی اور ساتھ ساتھ حکمت کو بھی وسیلہ رزق بنائے رکھا۔ کبھی کبھار نثر اور نظم دونوں سے جذبی و روحانی غذا کا حصول ممکن بنالیتے۔ ایک تصنیف ''اظہارِ حق'' کے عنوان سے ترتیب دی لیکن اس کی اشاعت سے قبل ہی آپ ۱۹۹۰ء کے لگ بھگ راہیِ ملکِ عدم ہوئے۔ فارسی اور اردو میں یکساں مہارت تھی۔ بلکہ فارسی میں شعر بہ نسبت اردو بہت اچھا کہتے تھے۔ اردو کی ایک نعت نمونے کے طور پر دیکھئے۔

نعت سرورِ کائناتؐ

پڑھے جو نصف کلمہ وہ مسلماں ہو نہیں سکتا
بجز اسمِ محمدؐ کامل ایماں ہو نہیں سکتا

محمدؐ کے سوا تکمیلِ دیں ہرگز نہیں ممکن
محمدؐ کے سوا بخشش کا ساماں ہو نہیں سکتا

گرفتارِ محبت جو نہیں شاہِ دو عالم کا
حقیقت ہے کہ وہ سچا مسلماں ہو نہیں سکتا

درود افضل وسیلہ ہے حصولِ قربِ حضرت کا
بجز اس کے پہنچنا اُن تک آساں ہو نہیں سکتا

وہ ہیں روشن چراغ ان سے ہوئے دونوں جہاں روشن
مجسم نور کوئی اور انساں ہو نہیں سکتا

صحیح جانا نہیں جس نے نبی کی ذاتِ اقدس کو
وہ ہے بوجہل ثانی، اہلِ عرفاں ہو نہیں سکتا

جسے مقصود نعمت مل گئی حضرتؐ سے الفت کی
خدا کا اس سے بڑھ کر اُس پہ احساں ہو نہیں سکتا

اختر واصفی

اختر واصفی کا پیدائشی نام عبدالحق اور تاریخی نام ''قوی اختر'' ہے۔ قوی اختر سے آپ کا

Marfat.com

سنِ پیدائش ۱۳۱۷ھ نکلتا ہے۔ جبکہ سنِ عیسوی ۱۸۹۹ء ہے جس کی ۱۱ اکتوبر کو آپ بھیرہ ضلع شاہ پور میں حضرت مولانا، مولوی مولا بخش واصف کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں کئی مقامات کا نام آتا ہے۔ مثلاً جھیورانوالی، دھارووالہ، کنجاہ، گجرات، وزیر آباد، ڈنگہ کیسوال، بیول سکھو، گوجرخان اور ڈیرہ اسماعیل خان۔ اگر ماہنامہ کامران ۵۸ میں دیئے گئے اس حوالے کو سچ تسلیم کر لیا جائے تو عجیب سی الجھن پیدا ہو جاتی ہے۔ البتہ میٹرک کا امتحان آپ نے اسلامیہ ہائی سکول راولپنڈی سے پاس کیا۔ ڈاکٹر محمد منیر سلیچ میٹرک کا امتحان پاس کرنے کا سن ۱۹۱۹ء لکھتے ہیں۔ مزید وہ اختر واصفی کے اپنے بیان کے مطابق رقمطراز ہیں:

> ''۱۹۲۰ء میں فنانشل کمشنر بہادر پنجاب (حال بورڈ آف ریونیو مغربی پاکستان) لاہور کے دفتر میں بطور امیدوار کلرک بھرتی ہو گیا۔ وہاں ہندو اور مسلم گریجوایٹوں اور ڈبل گریجوایٹوں کا مقابلہ کرتے ہوئے سپرنٹنڈنٹ کی گزٹیڈ اسامی تک پہنچ کر ۱۹۵۶ء میں ریٹائر ہوا۔ ۱۹۶۲ء میں فیروز والا روڈ گوجرانوالہ کی ملحقہ آبادی کچی پمپ والی میں ایک جھونپڑی بنا کر اپنے بقیہ ایامِ زندگی خدمتِ شعروادب میں گزار رہا ہوں''۔ ۵۹

اختر واصفی گوجرانوالہ سے لاہور منتقل ہو گئے اور وہاں سے ۱۹۵۹ء میں ایک علمی، ادبی اور اصلاحی ماہنامہ ''جدوجہد'' جاری کیا۔ چونکہ صحت خراب رہتی تھی اس لئے ایک سال بعد یعنی ۱۹۶۰ء میں اسے بند کر دیا۔

اختر واصفی کو شاعری ورثے میں ملی تھی۔ آپ کے والد واصف تخلص کے ساتھ شعر کہتے تھے۔ آپ کے بھائی عاصی واصفی بھی اردو اور پنجابی کے شاعر تھے۔ دراصل واصفی آپ والد کی نسبت سے یائے نسبتی کے اضافے سے لکھا کرتے تھے۔ ابھی پرائمری جماعت میں تھے کہ شعر کا شعور پیدا ہوا۔ آپ نے اردو، ہندی، پنجابی اور فارسی زبانوں میں بے شمار غزلیں، نظمیں، گیت، قطعات، تاریخیں اور سہرے لکھے۔ تنقید و اصلاح بھی آپ کا مشغلہ رہا۔ ماہنامہ کامران سرگودھا میں تنقیدی

Marfat.com

سلسلہ ''ارمغانِ ادب'' کے عنوان سے باقاعدہ شائع ہوتا رہا۔[۶۰]

آپ نے عروض اور فارسی ادب کے ساتھ اصلاحِ شعر اپنے والد سے سیکھا تھا۔ چنانچہ اسی لئے یہ کہا کرتے تھے کہ

واصفِ باکمال کی مجھ پہ نگاہِ لطف ہے پختگی کلام سے ٹپکے نہ کیوں کمال سا

تاریخ گوئی میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ اور یہ بھی آپ کو ورثے میں ملی تھی۔ حضرت قائداعظمؒ کی وفات پر آپ نے جو تاریخ نکالی ملاحظہ ہو۔

لازم ہے آسمان سے برسیں لہو کے اشک کہتے ہیں آج قوم کا سالار مر گیا
کتنا ستم ہے دیکھئے تعمیرِ مملکت پوری نہ ہو سکی تھی کہ معمار مر گیا
اختر بچھے نہ کیوں صفِ ماتم ہر اک طرف اسلامیانِ دہر کا غم خوار مر گیا
باچشمِ نم سروش سے دی غیب نے صدا
ملت کا آج قائدِ جرار مر گیا

اختر واصفی نے بہت لکھا لیکن شاید آپ کی کوئی کتاب منظرِ عام پر نہیں آسکی۔ آپ کا سارا کلام مختلف رسائل میں بکھرا پڑا ہے۔ کافی عرصہ بیمار رہنے کے بعد آخر ۳۱ مئی ۱۹۷۱ء کو لاہور میں وفات پائی چونکہ مستقل رہائش گوجرانولہ میں تھی۔ لہٰذا آپ کی میت کو وہاں لاکر دفن کیا گیا۔[۶۱]

نمونہ کلام ۔

نظر کا فرق تھا کتنا؟ جسے ہم تیرگی سمجھے اسی کو سب کے سب اہلِ زمانہ روشنی سمجھے
ہماری ہر وفا تم کو ریاکاری نظر آئی تمہاری ہر جفا کو ہم ادائے دلبری سمجھے
نظر آتا ہے آئینے میں اپنا عکس ہم سب کو تمہیں میں آشنا سمجھا، مجھے تم اجنبی سمجھے
جہاں نے چرخِ کج رفتار کو اس کا سبب جانا مگر ہم اپنی محرومی کو اپنی کجروی سمجھے
ابھی نام و نشانِ دشمنی مٹ جائے دنیا سے اگر دنیا کا ہر انساں رسومِ دوستی سمجھے
رموزِ آدمیت منکشف ہو جائیں سب اس پر اگر ہر آدمی ہر آدمی کو آدمی سمجھے

Marfat.com

وہی نکلا سبب اے وائے اس کی بےقراری کا   غلط فہمی سے ہم جس کو قرارِ زندگی سمجھے
خدا کو مائلِ لطف و کرم کرنا نہیں مشکل   مگر یہ شرط ہے بندہ مقامِ بندگی سمجھے
ہمیں تو اپنی پُرکاری سے لُوٹا عمر بھر تم نے   ہم اپنی سادگی سے رہزنی کو رہبری سمجھے
عجب کج فہم لوگوں سے مجھے پالا پڑا اختر
میں اُن سے دوستی کرتا رہا وہ دشمنی سمجھے [۶۳]

جشن بہار سرگودھا

ج: جلال و عظمتِ ملت کا یہ نگہباں ہے
ش: شعائ مشعلِ توحید و گنج عرفاں ہے
ن: نہاں ہے سینے میں اس کے وہ نورِ ایمانی
ب: بنا دیا ہے اسے جس نے شہرِ لافانی
ہ: ہواؤں پر بھی اسے اقتدار حاصل ہے
ا: اڑان اِس کے عقابوں کی مرگِ باطل ہے
ر: رچا ہے اس کی فضا میں مجاہدوں کا لہو
س: سدابہار پھر اس کے ہوں کیوں نہ کاخ وکو
ر: رہے گا نام زمانے میں اس کا تابندہ
گ: گئے نہ بچ کے عدو اس کے ہاتھ سے زندہ
و: وغا میں ایک بھی خالی گیا نہ وار اس کا
د: دلاورانِ جہاں میں ہوا شمار اس کا
ہ: ہر ایک سال سجا کر دیا ہر سرگودھا
ا: اُسے پکاریئے جشنِ بہارِ سرگودھا [۶۴]

Marfat.com

مولانا ظہور احمد بگوی

مولانا ظہور احمد بگوی بھیرہ کے مقام پر مولانا عبدالعزیز بگوی کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کی تاریخ ولادت ڈاکٹر انوار احمد بگوی ۱۹۰۰ء ۶۳ مطابق ۱۳۱۸ھ اور پھر اپنے ہی ترتیب دیئے گئے ایک کتابچے ''تذکرہ'' ۶۵ میں ۱۹۰۱ء لکھتے ہیں۔ یہاں اگر ہم ۱۳۱۸ء کو لیں تو اس میں یکم مئی ۱۹۰۰ء سے ۲۲ مارچ ۱۹۰۱ء ۶۶ تک کا عرصہ آتا ہے۔ اگر ہمیں مہینہ کا پتہ ہوتا تو سنِ ولادت معلوم کرنے میں آسانی ہوتی۔ آپ کی قبر پر حاضری دی تو وہاں کتبہ پر یک مئی ۱۹۰۰ء کی تاریخ رقم ہے۔ لہٰذا یہ ۱۹۰۱ء غلطی سے لکھا گیا ہے۔

مولانا ظہور احمد نے تعلیم کا آغاز اپنے والد سے بھیرہ میں کیا۔ ۱۹۰۸ء میں اُن کی وفات کے بعد بڑے بھائی مولانا محمد یحییٰ نے اس بار کو اٹھایا اور درسی تعلیم کا آغاز دوسرے بھائی مولانا محمد ذاکر سے کیا۔ جماعت نہم تک تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ میں حاصل کی اور میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول سرگودھا سے پاس کیا بعد ازاں۔ اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا لیکن تعلیم چھوڑ کر صحافت میں آ گئے۔ ۱۹۲۰ء میں بھیرہ سے ''ضیاء حقیقت'' جاری کیا۔ ۱۹۲۰ء میں ہی حج کی سعادت سے مشرف ہوئے۔

مولانا ظہور احمد نے مجلس خلافت کی بنیاد رکھنے کے بعد تحریک خلافت کے دوران جیل بھی کاٹی۔ اور پھر اسلام کے فروغ اور تبلیغ کے مشن کو جاری رکھنے کے لئے ''شمس الاسلام'' کا اجراء بھی کیا۔

آپ نے ساری زندگی متحرک اور اسلام کے لئے کچھ نہ کچھ کرنے میں بسر کی۔ اور اسی تحرک میں بالآخر گیارہ ربیع الآخر ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۵ء کو بروز دوشنبہ (سوموار) آپ نے وفات پائی اور ۱۲ ربیع الآخر بروز منگل اپنے خاندانی قبرستان بھیرہ میں سپردِ خاک ہوئے۔ ۶۵

مولانا ظہور احمد بگوی اردو، فارسی اور عربی میں شعر کہتے تھے اور اخترؔ تخلص کرتے تھے۔ آپ نے مولانا محمد نصیرالدین بگوی کی وفات پر جن خیالات کا اظہار کیا۔ ان میں سے چند اشعار

Marfat.com

ملاحظہ ہوں ۔

اے نصیر دین و ملت نخلِ اسلاف کرام اے شہیدِ دشتِ غربت تیرا جنت ہو مقام
حادثے نے تیری کر دی تازہ یادِ کربلا جس میں تیرا سارا گلشن لٹ گیا مثلِ اماں

☆

موسم گرما گزارا کس جگہ ہے آپ نے کیوں بھلائے دل سے وعدے جو کئے تھے آپ نے
فاطمہ، حاجی، ذکیہ اور پیارے برک کو کیوں جدائی کا دیا ہے رنج وغم اب آپ نے

☆

آپ تو ہم ساغروں کے ساتھ جنت میں بسے ہم غریبوں کے لئے اب رہ گئے ہیں دل جلے
حیف ہے اب کوئی دنیا میں نہیں ساتھی مرا جس کے آگے جا کہوں میں دل کا اپنے ماجرا

☆

اس مصیبت میں اگر تو بھی ہماری نہ سُنے اور ہم کس سے کہیں جا کے فسانہ اپنا
اور جو طوفانِ حوادث میں ہے بیڑا آیا ڈھونڈتا پھرتا رہے کیا دلِ شیدا اپنا

☆

یوں تو معلوم ہے سب تجھ کو ہماری حالت لیک ! اب ہم سے بھلا ضبطِ فغاں کیسے ہو

ریاض جالندھری

مؤلف ''سخنورانِ سرگودھا'' ۲۸ نے آپ کی ولادت ۱۹۰۱ء اور محکمہ تعلیم سے وابستہ ہونے کا سن ۱۹۱۹ تحریر کیا ہے۔ جبکہ ریٹائرمنٹ کا سن ۱۹۵۶ء بیان کیا ہے۔

جناب ریاض جالندھری موضع پرجیاں کلاں تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ احمد بخش آپ کا نام رکھا گیا۔ آپ کا تعلق اگرچہ ایک زمیندار گھرانے سے تھا لیکن حالات نے ہمیشہ

Marfat.com

آپ کو بہت محنت کی دعوت دی۔ جیسے تیسے تعلیم مکمل کی۔ آزادیء ہند کے بعد جالندھر سے ہجرت کی اور پہلے چک نمبر ۲۶ جنوبی، بعد ازاں چک نمبر ۸۴ جنوبی اور پھر چک نمبر ۲۹ جنوبی میں تدریسی خدمات ادا کرتے رہے۔

جناب ریاض جالندھری کو اردو فارسی اور عربی پر خاص دسترس تھی۔ بچپن سے ہی طبع موزوں پائی تھی۔ اور طالب علمی کے زمانہ میں ہی شعر کہنے لگے تھے۔ ہجرت کے بعد آپ کسی حد تک منظم ہو گئے تو شاعری کی طرف بھی توجہ دی۔ اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو حج بیت اللہ کی سعادت سے مشرف فرمایا تو اپنی سوچ بھی بدل لی اور حکمت عملی بھی اسلام کے مطابق کرنے لگے۔ اور صرف نعت اور حمد کے ہو کر رہ گئے۔ حتیٰ کہ نعتیہ مجموعہ بعنوان ''گلہائے عقیدت'' بنام ''دیوان ریاض'' منظر عام پر آیا۔ آپ کے بارے شیخ غلام حسین قیصر رقمطراز ہیں:

> ''ایم احمد بخش ۔۔۔۔ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ متقی اور متشرح بھی ہیں۔ بدن اور قد حدود اعتدال کے اندر۔ چہرہ کتابی، داڑھی سے مزین۔ شیریں گفتاری کے ساتھ بے تکلفی نمایاں اور مرنجاں مرنج کردار کے حامل ہیں۔ حدودِ حلال و حرام میں تمیز کرنے والے۔ اسلام اور پیغمبرِ اسلامؐ سے بے پناہ محبت اور عقیدت رکھنے والے ان کے اس مجموعہ کلام میں کہیں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے ترانے اور کہیں اس کے احسانات کا شکریہ، کہیں آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نعت و منقبت اور کہیں ان کی مقدس تعلیمات کا ذکر اس پیرائے میں کیا گیا ہے کہ پڑھنے اور لطف اندوز ہونے سے تعلق رکھتا ہے۔''[۹۱]

ریاض جالندھری نے اپنی زندگی کے آخری ایام چک نمبر ۲۶ جنوبی میں گزارے اور وہیں ۲۴ جون ۱۹۷۹ء کو وفات پائی۔

Marfat.com

دعا

تعریف اور حمد ہے ربِ جہان کو جو پالتا ہے لطف سے کون و مکاں کو
وہ ہے رحیم اور نہایت ہی مہرباں روزِ حساب کا بھی وہ مالک ہے بے گماں
کرتے ہیں ہم تری ہی عبادت اے کبریا اور مانگتے ہیں تجھ سے ہی امداد اے خدا
ہر وقت سیدھی راہ پہ یا رب ہمیں چلا راہ ان کی جن پہ تیرا ہے لطف و کرم ہوا
راہ ان کی نہ دکھا کہ جو مغضوب ہو گئے بھٹکے جو شاہراہ سے معتوب ہو گئے

ہم بے کسوں کی التجا یا رب قبول کر
سرسبز کر ریاض کو غنچے کو پھول کر ۔ ۷

درج بالا دعا دراصل سورۃ الفاتحہ کا منظوم ترجمہ ہے اور جس خوبصورتی سے کیا گیا ہے اور جتنا سادہ لفاظی سے وہ نہ سمجھنے میں ادق ہے اور نہ مفہوم و معانی کی راہ سے کہیں الگ ہے۔ اسی طرح ریاض جالندھری نے اپنے نعتیہ مجموعہ کلام کو ایک تو دیوان کی صورت یعنی الف سے ی (الفبائی) تک ترتیب دیا ہے۔ دوسرا نعت میں ایک غلام کے اظہار اور اپنے آقا سے محبت کو جس اسلوب اور رنگ میں پیش کیا ہے وہ قابلِ رشک ہے۔ ان کا عشقِ مصطفیٰ ہر شعر اور ہر لفظ سے ٹپکتا ہے۔ اور قاری کو محبتِ رسولؐ کے سبق کے ساتھ سیدھی راہ کو دکھانے میں رہنمائی بھی کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو نمونہ کلام ۔ ۔

پھولی جو باغِ دہر میں دینِ نبیؐ کی شاخ فی الفور خشک ہو گئی کفر اور بدی کی شاخ
آیا وہ روپ دینِ محمدؐ کی شاخ پر دیکھی نہ اس طرح کی تھی پہلے کسی کی شاخ
ہوتی ہیں اس پہ رحمتِ خالق کی بارشیں سرسبز جس کے دل میں ہے حبِ نبیؐ کی شاخ
شاخِ نہالِ ہاشمی کیا پُر بہار ہے نذرِ خزاں ہے ہو چکی جو تھی کجی کی شاخ
حق کا ہی نام کندہ ہے لوحِ عروج پر باطل کی جڑ سے کٹ گئی لیکن کبھی کی شاخ

یارب تو اپنے فضل سے بیکس ریاض کو
اب تو دکھا دے گنبدِ سبز نبی کی شاخ ۔ ۸

Marfat.com

اے رسولؐ ذوالمنن، اے رہبر عالی مقام
اے شفیع روز محشر، غمگسار خاص و عام

صدرِ عالی قدر ہے تو محفل کونین کا
خاکی و نوری سبھی کرتے ہیں تیرا احترام

تھی شب معراج یہ حوروں کے لب پر گفتگو
مرحبا، وہ آ رہا ہے سارے نبیوں کا امام

ہمرکابی کے شرف سے خوش تھے جبریلِ امیں
جھولتا تھا وجد میں اس دم براقِ تیز گام

سرحد سدرہ پہ جا کر رک گئے روح الامیں
بارگاہِ حق میں خود تنہا گئے خیرالانام

ہے تری ذاتِ گرامی رحمت للعالمینؐ
زندگی بخش و تمدن آفریں تیرا پیام

چار سو ڈنکا بجا ہے دینِ حق کی شان کا
قابلِ صد داد ہے اسلام کا دلکش نظام

ہے گواہ قرآن۔ تُو ہے صاحب خلق عظیم
انگبیں سے بھی سوا ہے رس بھرا تیرا کلام

جو کہ خادم ہے جنابِ صاحب لولاک کا
اس پہ خالق نے کیا نارِ جہنم کو حرام

ہو ریاضِ بے نوا پر بھی نوازش کی نظر
اے شفیق و غمگسار و محسن و ذی احتشام ؎

چودھری بشیر احمد تارڑ

''چودھری بشیر احمد تارڑ ولد چودھری فضل الٰہی ۳ فروری ۱۹۰۴ء کو ونیکے تارڑ ضلع حافظ آباد میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ ہائی سکول وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ سے میٹرک پاس کیا۔''علی گڑھ مسلم کالج سے ایف اے اور گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کی ڈگری حاصل۔ وہ ۱۹۳۲ میں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر گوجرانوالہ تعینات ہوئے''۔ ؎

آپ کئی شہروں میں خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۷ء کا عرصہ آپ نے بطور آفیسر آبادی سرگودھا میں گزارا۔ دوبارہ آپ ۱۹۵۴ء میں ڈپٹی کمشنر کی حیثیت سے سرگودھا آئے جہاں ۱۹۵۶ء تک رہے۔ ۱۹۵۶ء میں ریٹائر ہوئے تو یہیں رہائش رکھ لی۔ آپ ۱۹۶۶ء میں بلدیاتی

Marfat.com

الیکشن میں وائس چیئرمین میونسپل کمیٹی سرگودھا منتخب ہوئے۔ ۱۹۷۱ء تک اس عہدے پر رہے۔ آپ نے سرگودھا کی بہبود اور اسے نکھارنے کیلئے بہت کام کیا۔ کئی تنظیموں کے رکن رہے اور اپنی سی کوشش جاری رکھی جو سرگودھا کی بہتری کے لئے تھی بالآخر آپ نے ۲۰ اگست ۱۹۸۹ء کو اسی شہر میں وفات پائی۔ اور آپ کی میت کو آپ کے گاؤں ''وینکے تارڑ'' میں خاندانی قبرستان میں دفن کیا گیا۔

چودھری بشیر احمد تارڑ باقاعدہ شاعر نہیں تھے۔ لیکن شوق آپ سے کبھی کبھی شعر کہلوا لیتا تھا۔ پھر یہ کہ جب کامران مشاعرے سرگودھا کے ادبی ماحول کا حصہ تھے تو آپ بھی ان میں شامل ہوتے۔ آپ کا وہ کلام اگرچہ محفوظ نہیں لیکن آپ نے بارھویں کامران مشاعرہ میں چاندنی کے عنوان سے جو نظم پڑھی تھی اُس کے چند اشعار مجھے مل سکے وہ حاضر ہیں شاید ان اشعار کو پڑھ کر اُن کے شاعر ہونے کو تسلیم کیا جا سکے۔

سیمیں کرنوں کا رقص پانی پر ــــــ جیسے مے کا اثر جوانی پر
شب کے ماتھے پہ چاند کا جھومر ــــــ لوٹتا ہے متاعِ قلب و نظر
جب ستارے نظر ملاتے ہیں ــــــ میکدے کھنچ کے پاس آتے ہیں
کس قدر کیف کتنی مستی ہے
چاندنی رات پھر بھی ڈستی ہے ؎۲۷

اعجاز کرنالوی

اعجاز کرنالوی جن کا اصل نام اعجاز حسین اعجاز تھا ۶ مارچ ۱۹۰۴ء کو کرنال (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ لیکن سخنورانِ سرگودھا ۲۸ میں آپ کی ولادت ۱۹۰۶ء تحریر ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم پانی پت میں حاصل کی قیامِ پاکستان کے بعد ہجرت کی اور گھومتے گھماتے بھلوال میں رہائش اختیار کی محمود اسیر لکھتے ہیں کہ :

''جگر مراد آبادی سے فیض یاب ہوئے۔ تعلیم مکمل کرنے کے

Marfat.com

بعد درس وتدریس کے شعبے سے منسلک ہو گئے۔ انجمن فروغ ادب بھلوال کے جنرل سیکرٹری بھی رہے۔۔۔۔آپ کی شاعری رنگِ قدیم سے عبارت ہے۔ جس میں رومان پسندی کا عنصر اور غمِ ہجراں کے خار جا بجا بکھرے نظر آتے ہیں۔ آپ سوزِ محبت میں ڈوبی ہوئی داستانیں زدِ عام دیکھنے کے خواہشمند ہیں مگر اپنے انجام سے خوف زدہ بھی ہیں اور یہ ایک فطری امر ہے۔ شعروں میں روانی اور برجستگی کے اعتبار سے آپ کا کلام اپنی مثال آپ ہے۔'' ۵؎

ایک طرف تو یہ دعویٰ ہے اور دوسری طرف جانِ رحمت میں اعجاز حسین اعجاز کے نام سے آپ کی ایک نعت شامل ہے جس میں درج ذیل ۵ اشعار ہیں ؎

سوادِ عرشِ اعظم ہے جلو خانہ محمدؐ کا — کلام اللہ حقیقت میں ہے افسانہ محمدؐ کا
جسے دیکھو وہ ہے جامِ مئے توحید سے سرخوش — سرور افزائے بزمِ دل ہے میخانہ محمدؐ کا
چراغ طور کا پروانہ ہو کر رہ گئے موسیٰ — چراغ طور خود ہوتا ہے پروانہ محمدؐ کا
نہ ہر دل لائقِ الفت نہ ہر سر قابلِ سودا — ہے خوش قسمت جسے کہتے ہیں دیوانہ محمد کا

نہیں مجھ کو غرض اعجازؔ وہ نوری کہ خاکی ہیں
مجھے تو عشق ہے اُن سے میں پروانہ محمدؐ کا ۶؎

اس نعت کے بارے میں راجا رشید محمود ماہنامہ نعت کے ایک شمارے میں لکھتے ہیں :

''یہ نعت وحشت کلکتوی کی ہے جو ''الرشید'' نعت نمبر صفحہ ۶۰۵ پر شائع ہوئی ہے۔ البتہ یہاں مقطع وحشت والا نہیں ؎

کسی کا چل سکا جادو نہ طبعِ وحشت آگیں پر — خدا کا شکر ہے وحشت ہے دیوانہ محمد کا'' ۷؎

یہاں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ نعت کس شاعر کی ہے۔ جب تک وہ دونوں بنیادی ماخذ سامنے نہ ہوں۔ ممکن ہے کسی طرح مصرع پر نعت کہی گئی ہو اور آپس میں گڈمڈ ہو گئی ہو۔ لہٰذا اس نعت

Marfat.com

کو ایک طرف رکھ کر اعجاز کرنالوی کے کچھ اور شعر ملاحظہ فرمایئے ۔

حقیقت بن کے جو ابھریں سراب ایسے بھی ہوتے ہیں
نہیں تعبیر ہوتی جن کے خواب ایسے بھی ہوتے ہیں
بدل دیتے ہیں اک پل میں جو صدیوں کے اندھیروں کو
زمانے میں بہت سے انقلاب ایسے بھی ہوتے ہیں

☆

حسرتوں کا زرد چہرہ ارغواں ہوتا گیا　　میرا افسانہ جب ان کی داستاں ہوتا گیا
مختصر ہوتیں تمنائیں تو کوئی غم نہ تھا　　دل ہی سارا آرزوؤں کا جہاں ہوتا گیا [۸]

اعجاز حسین اعجاز المعروف اعجاز کرنالوی نے ۱۳ مارچ ۱۹۸۴ء کو بھلوال میں وفات پائی۔

محمد حسین شوق

''محمد حسین شوق ولد چودھری امام دین ۲۴ دسمبر ۱۹۰۴ء کو قصبہ دھریکاں خورد نزد قادر آباد ضلع گجرات میں اپنے ننھیال کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کا آبائی گاؤں قادر آباد تحصیل پھالیہ ہے''۔ وہ ساتویں جماعت میں تھے جب پہلا شعر کہا اور عاجز تخلص استعمال کیا۔ جماعت دہم میں شوق تخلص اختیار کر لیا۔ میٹرک کے بعد فارسی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ بعد ازاں اردو فاضل کیا۔ سنٹر ٹریننگ کالج لاہور سے او ٹی کی کلاس پاس کی۔ اور محکمہ تعلیم میں ملازمت اختیار کر لی۔ پہلے جلالپور جٹاں، پھر مری اور وہاں سے دھریمہ ضلع شاہ پور میں آ گئے۔ دھریمہ کے بعد بھاگٹانوالہ میں ہیڈ اوٹی ٹیچر رہے۔ بھلوال، بھابڑہ، مڈھ رانجھا، چک نمبر ۵۵ شمالی اور سرگودھا میں آپ تدریسی فرائض ادا کرتے رہے۔ سرگودھا کے ضلع بننے اور دفاتر یہاں منتقل ہونے پر محمد حسین شوق ڈسٹرکٹ انسپکٹر آپ سکولز کے دفتر میں آ گئے۔ جہاں سے ۱۹۵۹ میں ریٹائرمنٹ لی لیکن پھر آپ کو بلا لیا گیا۔ جبکہ دوسری بار ۱۹۶۲ء اور آخر کار ۱۹۶۴ء میں ریٹائر ہو گئے۔ سات سال مزید زندہ رہے اور ''۷ مئی ۱۹۷۱ء بروز

Marfat.com

پیراس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کا رخ کیا۔آپ کی لوحِ مزار پہ یہ شعر درج ہے ۔

''تیری زندگی اک شمع ہے اک نور نورِ ازل سے ہے
اسے موت بھی نہ بجھا سکی جو چراغ تو نے جلا دیا'' ۸۰

آپ کی وفات پرشعرا نے اپنے اپنے دکھ کا اظہار شعروں کی صورت میں بھی کیا۔نصرت چوہدری نے کہا ۔

آنسو اتر کے کون و مکاں سے چلا گیا ——— اک روشنی کا پھول یہاں سے چلا گیا
قندیلِ فکر و نور ادب کا چراغ شوق ——— کہتے ہیں لوگ آج یہاں سے چلا گیا

محمد حسین شوق نے سرگودھا میں جوہر نظامی، اخگر سرحدی اور پھرانور گوندی کے ساتھ مل کرشعر وسخن کی صرف یادگار محافل ہی ترتیب نہیں دیں بلکہ ادب کا وہ پودا لگایا جو آج تناور درخت بن چکا ہےاور جس کے سب پتے ہرے بھرے ہیں۔آپ کے بھائی راز گجراتی لکھتے ہیں کہ:

''میرے بھائی کے سینے میں حقیقی عشق کی آتش خوابیدہ تھی۔جو کبھی کبھی بھڑک اٹھتی اور شعلہ زن ہو جاتی تو آواز بلند مستانہ وار الحق کا نعرہ لگاتے کہ زمین ہل جاتی اور گردونواح کا ماحول منور ہو جاتا''۔ ۸۱

جب ہم ان کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ ہمیں دل کی بات لگتی ہےاور اس میں عشق کی گونج سنائی دیتی ہے۔مجذوبیت کی کیفیت میں کہے ہوئے اشعار اور عشق میں ڈوب کر لکھے ہوئے حروف کا رنگ کچھ ایسا ہی ہوتا ہےاور ایسے لمحات میں فکر کے آسماں پر ابھرے ہوئے الفاظ نمایاں ہوتے ہیں۔یہ عالم اگرچہ خود کلامی کا ہوتا ہےلیکن اپنے احتساب کا بھی ہوتا ہےاس وقت میں میں نہیں رہتا تو ہو جاتا ہےاور جب تو کا لہجہ ہو تو بات یہ نکلتی ہے ۔

نگاہ پاک نہیں دل بھی پاکباز نہیں ——— کہ تیرے قلب و نظر آشنائے راز نہیں
ہیں تیرے قلب ونظر میں بتانِ یاس والم ——— سرور غزنوی و شوخیِ ایاز نہیں
مقامِ عشق و ہوس میں کچھ امتیاز نہیں ——— قتیلِ حسن نہیں تو شہیدِ ناز نہیں

Marfat.com

حقیقتِ ابدی شاہدِ مجاز نہیں　　ترے جنوں کا ابھی سلسلہ دراز نہیں
ادائے فقر نہیں خوئے دلنواز نہیں　　سرورِ جذب و محبت کا سوزِ ساز نہیں
جہانِ سود وزیاں میں تو بے نیاز نہیں　　یقینِ کار کشائی بھی کار ساز نہیں
جنونِ شوق نہیں جوشِ جانگداز نہیں
فروشِ عشق نہیں سجدۂ نیاز نہیں'' ۸۲

دعائے مسلم

اے حامی و ہمدردے، اے چارۂ ہر دردے　　گل ہائے تمنا سے دامن کو مرے بھر دے
بازوئے مسلماں میں پھر قوتِ حیدر دے　　جو کفر کے خیبر کو پھر زیرو زبر کر دے
دل دے جو محبت میں اسلام کی مٹ جائے　　الفت میں محمدؐ کی کٹ جائے جو وہ سر دے
شمشیر عطا کر وہ جو شرک مٹا ڈالے　　کفار کے سینوں سے ہو پار وہ خنجر دے
پھر اپنے مسلماں کو دے تختِ مسلمانی　　پھر شوکتِ دارا دے پھر بختِ سکندر دے
اسلام کے لشکر کو پہلے سے بہادر دے　　فاروق دے خالد دے اور حیدر وصفدر دے
بس شوقِ شہادت دے ایمان کی دولت دے
دینا ہے اگر کچھ تو یہ ایزدِ بر تر دے ۸۳

عبدالغنی ناز

عبدالغنی نام اور ناز تخلص تھا۔ آپ موضع پیل تحصیل خوشاب ضلع شاہ پور میں جنوری ۱۹۰۵ء میں جناب کالے خان کے ہاں پیدا ہوئے۔ ۸۴ میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد فارسی فاضل کا امتحان پاس کیا اور محکمہ تعلیم میں ''ٹیچر کی حیثیت سے ملازمت اختیار کر لی۔ ذاتی قابلیت کی بنا پر بعدازاں آپ کو ایس وی کی خصوصی سند دی گئی۔'' ۸۵

Marfat.com

عبدالغنی نازابتداء سے ہی اسلامی تاریخ اور اسلامی تعلیم کی طرف راغب تھے۔اور ان دنوں مضامین کا وسیع مطالعہ کیا۔چونکہ آپ کو فی البدیہہ شعر گوئی میں بھی ملکہ تھا۔اس لئے اکثر بات چیت میں بھی شعر موزوں کرلیا کرتے۔تدریس سے وابستگی کے دوران ہی آپ کی تین کتابیں ''اسوۂ حسنہ''۔''سیرت فاروق'' اور ''صدیق اکبر'' شائع ہو چکی تھیں۔''اسوۂ حسنہ'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر منظوم مجموعہ اور ''سیرت فارق'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے اخلاق کا مجموعہ ہے۔جبکہ ''صدیق اکبر'' حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کے خاص خاص واقعات کو منظوم کیا گیا ہے۔بالترتیب ۱۹۵۵ء، ۱۹۵۷ء اور ۱۹۶۲ء میں یہ کتب شائع ہوئیں۔قاضی عبدالرحمٰن بی ای سی درجہ اول انسپکٹر آف سکولز لکھتے ہیں۔

''عبدالغنی ناز صاحب کا انتخاب موضوع کوئی نیا نہیں لیکن انہوں نے اپنی کوشش اور محنت سے مضمونِ کتاب کو اس جدت سے پیش کیا ہے کہ طبیعت داد دینے پر مجبور ہو جاتی ہے۔شاعر نے اپنے فن کو محض تفریح طبع کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی زندگی کے حسین کردار دلپذیر طریقہ سے پیش کر کے اپنے قارئین کو ان کی تقلید کی دعوت دی۔''۸۶

عبدالغنی ناز ساٹھ سال کی عمر پر جنوری ۱۹۶۵ء میں جب ریٹائر ہوئے تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی حیات پر کتاب ''ذوالنورین'' کے عنوان کے تحت لکھ رہے تھے۔۸۷ آپ خوش اخلاق اور ملنسار ہونے کے علاوہ خوش مذاق اور بہت ذہین تھے۔آپ کی نظم ایک مخصوص دلپذیری، خلوص و عشق، دینی و دنیوی فلاح کا جذبہ اور ایمان و عمل کی راہیں تلاش کرنے کے لئے ایک روشنی ہے۔

عبدالغنی ناز جب ریٹائر ہوئے تو گورنمنٹ مڈل سکول پدھراڑ کے ہیڈ ماسٹر تھے۔بقول محمد صفدر خان ریٹائرمنٹ کے بعد تقریباً ۱۱ سال زندہ رہے اور ۱۹۷۶ء کے لگ بھگ وفات پائی۔آپ کو اپنے آبائی گاؤں پیل میں ہی دفن کیا گیا جہاں آپ رہائش پذیر تھے۔۸۸

Marfat.com

لیکن اس سلسلے میں پیل کے عبدالرشید نائی سے جب میری بات ہوئی تو اس نے بتایا کہ ناز صاحب تقریباً ۷۵ سال کی عمر میں ۱۹۸۹ء یا ۱۹۹۰ء میں پیل میں فوت ہوئے۔۸۹ عبدالرشید نائی کی بات میں اس لئے بھی وزن ہے کہ آپ کی تخلیقات ۱۹۷۶ء کے بعد بھی ہفت روزہ ہلال راولپنڈی میں شائع ہوتی رہیں۔

اوّلیاتِ صدیق

جنابِ حضرتِ صدیقؓ میں وہ کیا بڑائی تھی　　وہ کیا ایسی فضیلت تھی وہ کیا ایسی اچھائی تھی
وہ کیا ایسی کشش تھی کون سی وہ جاذبیت تھی　　کہ جس کی رُو سے ہر موقعہ پہ ان کی اوّلیت تھی
ہیں جتنے نامور کیوں ان کا سب سے نام بالا ہے　　تھے جتنے شان والے سب سے اُن کی شان اعلیٰ ہے
رسولؐ اللہ نے اُن کو بنایا کیوں امام اپنا　　کرایا کیوں وہ اُن سے درحقیقت تھا جو کام اپنا
کیا پہلے پہل یک جا کلامِ پاک انہوں نے کیوں　　بٹھائی اہلِ ایماں میں یوں اپنی دھاک انہوں نے کیوں
نبوت کا کیا اعلان جب ہادیٔ برتر نے　　کہا لبیک پہلے سب سے کیوں صدیقِ اکبرؓ نے
ملی پہلی خلافت کیوں انہیں اس کا سبب کہیے　　امیر ایسا نہیں کیوں دے سکے اہلِ عرب کہیے
نہیں ملتی کسی کو یونہی مختاری و سرداری　　یہ رتبے دے گئی حضرت کو آنحضرت کی دلداری
یہ عزت اُن کو دلوائی محمدؐ کی اطاعت نے　　یہ عظمت اُن کو دلوائی پیمبر کی شفاعت نے
یہ آقائی انہیں بخشی محمدؐ کی غلامی نے　　قدم ہر دوسرا میں اُن کے چومے نیک نامی نے
محمدؐ کی نگہ ہر چیز پر تاثیر کرتی ہے　　محمدؐ کی نظر مٹی کو بھی اکسیر کرتی ہے
محمدؐ وہ غلاموں کو عطا کی جس نے سلطانی　　اشاروں ہی اشاروں میں بتایا رازِ انسانی

وہی ہاں ہاں وہی جو بے سہاروں کا سہارا تھا
وہ جس نے اک نظر سے سارے عالم کو سنوارا تھا۹۰

چودہ اگست (۱۹۷۹ء)

یہی وہ دن ہے جب قلت نے کثرت کو جھکایا تھا　　خدا والوں نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا تھا

Marfat.com

اسی دن ہی غلامی کی کٹیں صد سالہ زنجیریں
اسی دن قوم نے اپنی بدل ڈالی تھیں تقدیریں

نہتوں نے اسی دن اک بڑا میدان مارا تھا
فقط اللہ کا تکیہ تھا، قائد کا سہارا تھا

اسی دن کفر کے ظلمت کدے چُن چُن کے ڈھائے تھے
یہ وہ دن ہے کہ طوفاں میں دیئے ہم نے جلائے تھے

یقیں و اتحاد و ضبط پر کر کے عمل ہم نے
گرائے صبر سے سب جبر کے اونچے محل ہم نے

خدا نے دی ہزیمت آج ہی منصب پرستوں کو
کیا غالب اسی دن معجزانہ زیر دستوں کو

خزاں کا دور تھا جب جھوم کر فصلِ بہار آئی
دبے پاؤں اسی دن رحمتِ پروردگار آئی

یہی وہ دن ہے جب بخشا گیا اپنا وطن ہم کو
قفس میں چھوٹتے ہی مل گیا دلکش چمن ہم کو

فضا پُر ہول بھیگی رات تھی، گہرا اندھیرا تھا
کہ زریں تاج پہنے صبح آئی اور سویرا تھا

عطا بلوچ

عطا محمد خان اور عطا تخلص تھا۔ آپ ۲۶ جنوری ۱۹۰۵ء کو ساہیوال ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ خالصہ مڈل سکول اور پھر گورنمنٹ ہائی سکول ساہیوال سے تعلیم حاصل کی۔ آپ کے والد شبیر خان پولیس میں ملازم تھے لہٰذا اولاد کو بھی انہوں نے پولیس میں بھرتی کروایا۔

عطا محمد خان ۱۹۲۴ء میں اے ایس آئی بھرتی ہوئے اور پندرہ سال تک راولپنڈی کے مختلف علاقوں میں خدمات انجام دیتے رہے۔ انسپکٹر کے عہدے پر ترقی پائی تو آپ کا تبادلہ رہتک کر دیا گیا۔ جہاں سے کچھ عرصہ بعد پھر مغربی پنجاب میں خدمات سونپی گئیں۔ سیالکوٹ میں تھے کہ ۱۹۶۳ء میں آپ کی مدتِ ملازمت پوری ہو گئی اور آپ ڈی ایس پی کے عہدے سے پنشن یافت ہوئے۔ آپ کے بھائی عبدالغفور خان بھی ڈی ایس پی ریٹائر ہوئے۔

عطا محمد خان عطا بلوچ نے ریٹائرمنٹ کے بعد ساہیوال میں ہی رہائش رکھی۔ جہاں آپ نے ادبی محفلوں کی ابتدا کی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں نعت گوئی اور نعت خوانی کو

Marfat.com

آپ نے پروان چڑھایا۔ آپ نے ساہیوال میں عید میلاد النبیؐ کے جلوسوں کی بنیاد رکھی۔ چونکہ فرصت ہی فرصت تھی۔ ہر روز ادبی لوگوں کا اٹھنا بیٹھنا آپ کے پاس ہوتا تھا۔ لاہوری گیٹ کے باہر شام کو ایک محفل بھی ہوتی اور سننے سنانے کا شغل ہوتا۔۹۲

آپ نے اگرچہ بہت لکھا لیکن آپ کا کلام محفوظ نہیں رہا۔ ۱۹۸۴ء میں آپ حیات تھے۔ کیونکہ "جانِ رحمت" کے لیے اخلاق عاطف کو آپ نے خود فارم پُر کر کے دیا تھا۔ البتہ آخری عمر میں بیماری نے زور پکڑ لیا تھا اور اسی حالت میں وفات پائی۔ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ ۱۹۸۵ء یا ۱۹۸۶ء میں وفات پائی ہوگی۔۹۳

نعت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

محمدؐ کو پیدا خدا گر نہ کرتا قسم ہے خدا کی خدائی نہ ہوتی
ہمارے گناہوں پہ یہ پردہ پوشی محمدؐ نہ ہوتے رہائی نہ ہوتی
بھلائی کا موجب ہے وہ ذاتِ عالی وہاں جہاں میں بھلائی نہ ہوتی
خدا کو نہ پہچانتی نسلِ آدم محمدؐ کی گر رہنمائی نہ ہوتی
ہوئی نعت تیری عطا ہے وگرنہ
مقدر میں اتنی بڑائی نہ ہوتی ۹۴

☆

محمدؐ کے صدقے میں قربان جاؤں جو لاکھوں کروڑوں اداؤں کے قابل
یہ محشر میں، کہہ کر، عطا کو چھڑایا یہ قسمت ہے ہماری نگاہوں کے قابل

☆

میں توبہ کر چکا تھا مگر کیا کروں عطا اک شکل خوش نما پہ طبیعت مچل گئی ۹۵

☆

Marfat.com

تو جہاں چلے تیرے ہر قدم پہ گلابِ عطر میں چھڑک دوں
کہ خدا کا بندہ تو ہے عطا پہ ترے لیے میں عطار ہوں ۹۶

فراق کنگروی

فراق کنگروی کا اصل نام طفیل محمد خان تھا۔ ''آپ یکم اپریل یا ۳۰ مارچ ۱۹۰۵ء کو موضع کنگرہ چوولا تحصیل وضلع جالندھر میں پیدا ہوئے ۹۷۔'' آپ کے والد کا نام جھنڈو خان تھا۔ آپ نے میٹرک کا امتحان ڈی اے وی ہائی سکول جالندھر سے پاس کیا اور پھر ایف اے کی سند ڈی اے وی کالج جالندھر سے حاصل کی۔ ڈی اے وی کالج اس دور میں علمی اور ادبی دونوں حوالوں سے بہت معروف تھا اور یہاں سے کئی لوگ نکلے جو بعد میں ادب میں معتبر حیثیت کے مالک ٹھہرے۔

طفیل محمد خان فراق نے ایف اے کے بعد ڈی سی آفس جالندھر میں ملازمت اختیار کر لی ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو آپ نے پاکستان کے حق میں اپنا ووٹ دیا یوں آپ کا تبادلہ جالندھر سے ڈی سی آفس سرگودھا ہو گیا۔ جہاں آپ نے اکتوبر ۱۹۴۷ء میں ملازمت کے سلسلے کو جاری کیا۔ ان دنوں چونکہ پچپن سال کی عمر سرکاری ملازمتوں سے ریٹائرمنٹ کی مقرر تھی لہٰذا آپ نے ۱۹۶۰ء میں ہیڈ رجسٹریشن کے عہدے سے پنشن پائی۔

فراق کنگروی نے کالج کے زمانے میں شعر کہنا شروع کیا اور مختلف اخبارات ورسائل میں شائع بھی ہونے لگے۔ قیام پاکستان پر جب ہجرت کی تو باقی سامان کے ساتھ شعری اثاثہ بھی وہیں چھوڑنا پڑا۔ سرگودھا میں آ کر ملازمت کے جھمیلوں میں مصروفیت کے باعث بہت کم لکھا جو ایک ڈائری میں محفوظ کر لیا جس پر یکم جولائی ۱۹۷۴ء کی تاریخ تحریر ہے۔ اس ڈائری میں نظمیں اور غزلیں درج ہیں۔ نظمیں زیادہ تر وطن کے حوالے سے ہیں۔ آپ کے بیٹے پروفیسر عبدالقیوم رانا نے آپ کے کلام کو ترتیب دے کر ''تفکراتِ فراق'' کے نام سے شائع کر دیا ہے۔

آپ نے ۲۲ جنوری ۱۹۸۷ء کو ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی اور سرگودھا میں ہی دفن

Marfat.com

ہوئے۹۸ آپ کے ورثے کا امیں آپ کا بیٹا پروفیسر عبدالقیوم صاحب کتاب شاعر ہے۔

آپ نے ۸ جون ۱۹۵۰ء کو جالندھر میں اپنے ایک دوست چوہدری مولا رام ہیڈ ٹریژری کلرک کو ایک منظوم خط لکھا۔ اس خط میں وہاں کی زندگی، ہجرت کی وجہ اور پاکستان میں خاندان کے قیام نیز سرگودھا کے حالات کے علاوہ یادوں کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ اگرچہ آپ کی پوری ڈائری میرے سامنے ہے لیکن اس خط کا انتخاب شاید حالات سے بہتر آگاہ کر سکے اور اُن کی شاعری پر بھی انداز اور اسلوب کے حوالے سے سوچنے کا موقع مل سکے۔ مزید ان کی زود گوئی کا بھی اندازہ ہو سکے۔

منظوم خط بنام چوہدری مولا رام ہیڈ ٹریژری کلرک جالندھر

نہ پوچھو جب سے چھوٹا آشیاں ہے
ہوا تاریک آنکھوں میں جہاں ہے

بہار آئی خزاں کو ساتھ لے کر
ہوا تاراج جس سے گلستاں ہے

ہم آہنگوں نے ہم کو خار سمجھا
کہا ''اِن کا وجود اب یا گراں ہے''

چمن والوں کے اُف ظلم و تشدد
ابھی تک زیرِ لب نالہ نہاں ہے

نکالا جس طرح گلشن سے ہم کو
ذرا ڈھونڈو نظیر اس کی کہاں ہے؟

اٹھا کر پھینکا یوں باہر وطن سے
مریض اک دانت جیسے در وہاں ہے

پلے تھے گود میں صدیوں سے جس کی
وہ بھارت ماتا اب سوتیلی ماں ہے

ہوئے بے گھر اعزا سارے بکھرے
کوئی لاہور کوئی ملتاں ہے

کوئی رکھتا ہے لائلپور رہائش
کسی کا منٹگمری میں مکاں ہے

نہ مونس پاس ہے کوئی نہ غم خوار
طفیل اب یوسف بے کارواں ہے

نہ خوش ہوں سامعیں یہ نظم سُن کر
حقیقت میں یہ غم کی داستاں ہے

لو صاحب پھر ملیں گے اب اجازت
گزر دل پر رہا گرچہ گراں ہے

اکٹھے ہو کے پھر ہم ہم نوا ہوں
دعا کرتا فراقؔ خستہ جاں ہے ۹۹

Marfat.com

غزل

ہوا ہے میکدہ ویران ٹوٹے پیمانے
تھے رند جس کے جہاں بھر میں جانے پہچانے

اگرچہ ہوش ہے توہینِ بے خودی لیکن
ہوں آیا ہوش میں ساقی کو ہوش میں لانے

ہمارے قتل کا منصوبہ سوچا سمجھا تھا
تھے بُنتے آرہے مدت سے تانے اور بانے

پرائی بزم میں اُس نے ہمیں ذلیل کیا
کیے جو فیصلے غیروں کی شہ پہ من مانے

ہماری دیکھ کے رسوائی برسرِ محفل
چراغ گھی کے جلائے گھروں میں اعدا نے

بنے یگانے بھی بیگانے نُدرتِ قدرت
گلہ کیا اُن کا جو پہلے سے ہی تھے بیگانے

فراق پہرے ہیں ہر سمت یاس و حسرت کے
بدلنے پائیں یہ ایام کب خدا جانے (۱۰)

سید صوفی نقوی

خاندانِ سادات کے چشم و چراغ سید اقبال محمد صوفی نقوی ولد سید شاہنواز نقوی ۱۲ دسمبر ۱۹۰۵ء کو قصبہ ریحانہ کلاں (۱۱) ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ مقامِ پیدائش کے بارے ایک غلط فہمی جو پیدا ہو رہی ہے وہ یہ کہ ''سخنورانِ سرگودھا'' (۱۲)، ''انہماک'' (۱۳) اور ''سید اقبال محمد صوفی نقوی کی شخصیت اور شاعری'' (۱۴) میں ''قصبہ اہرانہ کلاں'' رقم ہے۔ جو اہرانہ نہیں بلکہ ریحانہ ہے۔ آپ نے اسی گاؤں میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اینگلو ورنیکلر کا امتحان ''اینگلو ورنیکلر خالصہ مڈل انگلش سکول'' کالرہ ضلع جالندھر سے پاس کیا۔ ۱۹۲۴ء میں ڈی اے وی ہائی سکول ہوشیار پور سے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد انار کلی لاہور میں واقع مسلم بینک میں ملازمت اختیار کر لی۔ میٹرک کرنے کے دو سال بعد پنجاب یونیورسٹی سے پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت سے منشی فاضل کیا۔ اور اگلے سال ہی ایف کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۰ء میں آپ نے گریجوایشن اور ۱۹۳۲ء میں فارسی میں ایم اے کا امتحان پاس کیا۔ یہ تمام امتحانات بعد از میٹرک آپ نے پرائیویٹ طور پر پاس کیے۔ ایم اے فارسی کے

Marfat.com

بعد ایم او ایل اور پھر ۱۹۴۶ء میں سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے بی ٹی کیا۔

سید صوفی نقوی نے ۱۹۲۶ء میں منشی فاضل کرنے کے بعد مڈل سکول راج پور بھائیاں میں عربی ٹیچر کی حیثیت سے شعبہ تدریس میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔ ۱۹۲۸ء میں آپ کا تبادلہ جالندھر ہو گیا۔ آپ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۴۴ء تک نتھانہ ہائی سکول میں بطور O.T رہے اور ۱۹۴۵ء میں انگلش ٹیچر مقرر ہو گئے۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۴۷ء کو آپ نے ہجرت کی اور بھلوال کے نزدیک ڈی بی مڈل سکول سردار پور نون میں ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے آپ کی تقرری ہوئی۔ اس کے بعد ضلع سرگودھا کے مختلف شہروں میں آپ فرائض ادا کرتے رہے۔ ۱۹۵۴ء میں ہائی سکول میں ہیڈ ماسٹر بنا دیئے گئے اور ۱۱۲ اگست ۱۹۶۵ء کو ۶۰ سال کی عمر پر کٹھہ سگھر ال تحصیل خوشاب ضلع سرگودھا کے ہائی سکول سے آپ نے ریٹائرمنٹ لی۔

سید صوفی نقوی نہم جماعت میں تھے جب شعر کہنا شروع کیا۔ اور فارسی کے ایک مشہور و معتبر شاعر جناب غلام قادر گرامی سے اصلاح لینے لگے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد آپ بھلوال ضلع سرگودھا میں مستقلاً سکونت پذیر ہوئے۔ یہ تمام عرصہ آپ خاموشی سے اردو، فارسی، اور پنجابی زبانوں میں شعر کہتے رہے۔ یوں اپنی زندگی میں ''تاثرات'' (غزلیں)۔ ''انہاک'' (متفرق) ''ارادت'' (نعت)۔ ''فرشِ راہ'' (غزلیات)۔ ''تہذیب کا روگ'' (نظم)۔ ''نویدِ سعید'' (متفرق شاعری) اور ''خانیات'' کے نام سے آپ کے شعری مجموعے تیار ہوئے۔ جبکہ ان تمام مجموعوں کا مجموعہ ''کلیاتِ صوفی'' کے نام سے سامنے آیا۔ میری جب آپ سے ملاقات ہوئی تو آپ کی عمر ۹۶ سال سے تجاوز کر چکی تھی اور آپ ابھی تک ادبی حوالے سے متحرک تھے جب کہ اس کے دو ماہ بعد یعنی ۲۳ مارچ ۲۰۰۲ء کو اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔

آپ کی شاعری میں ہمیں مختلف ادوار کے حوالے سے اتار چڑھاؤ دکھائی دیتا ہے لیکن آپ چونکہ ایک مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ مذہبی سکالر اور جید عالم تھے لہذا آپ کی وہ پاکیزہ سوچ ہمیں آپ کی شاعری میں بہت زیادہ ملتی ہے۔ لیکن جب غزل کہی تو غزل کی لاج رکھنے

Marfat.com

کی بھی پوری کوشش کی ۔

غزل

دل ہے مایوس تمناؤں کا گویا مرگھٹ ایک سنسان سا برباد سا غم کا مرگھٹ
مردہ جذبات پہ اک ہو کا ہے عالم طاری ایک خاموش، بھیانک، نہیں دیکھا مرگھٹ
دلِ ویراں کا ہے اب ایسا بھیانک منظر کبھی دیکھا نہ سنا ہم نے تو ایسا مرگھٹ
میری بے تاب تمناؤں کا مرقد ہے یہاں کیا کبھی تو نے ذرا آ کے بھی دیکھا مرگھٹ
یہ وہ دل ہے جو کبھی شوق کی جولانگہ تھا اب وہی دل ہے کہ ہے یاس والم کا مرگھٹ
تیری الفت سے تھا دل ہم نے تو آباد کیا وائے تقدیر کہ وہ بن گیا الٹا مرگھٹ
شمع کی بزم میں پروانے چلے، ڈھیر ہوئے جلوہ گہ حسن کی بھی بن گئی گویا مرگھٹ
حسرتوں آرزوؤں، ولولوں کا ہے مدفن
دل نہیں صوفی کا ہے ایک طرح کا مرگھٹ ۱۰۶

ادیب،ادب اور ساقی ءادب نواز

ادیب

ادیب زخمہ زنِ سازِ فطرتِ خاموش ادیب نغمہ نواز و مغنیٔ گل پوش
نہ ہو یہ تو نہ ہو بزمِ سخن میں جوش وخروش کبھی نہ شاہدِ معنی کہیں ہو جلوہ فروش
جہاں تمام ہو بے خود سکوت سے مدہوش
تمام دہر کی نیرنگیاں بھی ہوں روپوش

ادب

ادب کی چاشنی جب لاجواب ہو جائے تو دل نواز جہانِ خراب ہو جائے
یہ تلخ کامیٔ دوراں شراب ہو جائے جو زہر گھولیں تو وہ شہد ناب ہو جائے
ممات میں بھی وہ رنگِ حیات بھر ڈالے
وہ بے ثباتی کو بھی باثبات کر ڈالے

Marfat.com

ساقی ادب نواز

ادب نواز ہے ساقی ادب سے پُر ہے جام   ادب فروز نگاہیں ادب نواز کلام
مئے ادب کی ہے اس بزم میں صلائے عام   ادیب شوق سے پی لیں یہاں مئے گلفام

تری نگاہ کا ساقی یہ فیض عام رہے
جدھر نگاہ پھرے اس طرف ہی جام رہے ۷۲ؔ

☆

حقیر آستانی

کیشور چندر سین نام اور حقیر آستانی اُن کا ادبی حوالہ ہے۔ انہوں نے میانی تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا میں جنم لیا۔ ابتدائی تعلیم میانی میں حاصل کی۔ بعدازاں بھیرہ سے تحصیل عالم کے بعد کالج سرگودھا میں داخلہ لیا۔ لیکن تقسیم ہند کے باعث اِس خطّے کو چھوڑنا پڑا۔ اور مزید تعلیمی سفر سینٹ زیورس کالج بمبئی میں جاری کیا۔ جہاں سے عمدہ کارکردگی کی بنا پر ڈاکٹر سر محمد اقبال اردو سکالر شپ کے علاوہ کئی انعامات حاصل کئے۔ بمبئی یونیورسٹی سے معاشیات میں ایم اے کیا۔ اس دوران بھی اپنی خداداد صلاحیتوں کے باعث کئی اعزازات حاصل کئے اور گولڈ میڈل کے حق دار بھی ٹھہرے۔ ایم اے کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے امریکہ کا سفر کیا اور وہاں سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کر کے واپس لوٹے:

> ’’جناب حقیر آستانی نے سات سال بمبئی یونیورسٹی میں بحیثیت پروفیسر اور دو برس شکاگو میں وزٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ پانچ سال وسکونسن یونیورسٹی امریکہ میں ریسرچ سکالر بھی رہے۔ گیارہ سال تک ایشین ڈویلپمنٹ بینک (منیلا) میں سینئر ایگزیکٹو کے عہدے پر خدمات انجام دیں اور وفات تک عالمی بینک میں کنسلٹینٹ

Marfat.com

رہے۔ مختصر علالت کے بعد اپریل ۱۹۸۹ء میں راہی ملک عدم ہوئے۔"[۱۰۸]

ڈاکٹر کیشور چندر سین حقیر آستانی نے معاشیات پر جہاں متعدد کتب تحریر کیں وہاں اردو اور انگریزی میں آپ کی شاعری کے مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ اردو میں "افکار گریزاں" اور "خبط وضبط" آپ کے شعری مجموعے ہیں۔

ایک خوش نظر گیت

پیار کی پاگل ہواؤں پر سوار
گنگنائے گی امنگوں کی پھوار
چٹکیاں بھر بھر کے اڈے گا خمار

بج اٹھے گا سازِ دل کا تار تار
میری دنیا میں بھی آئے گی بہار

رنگ و بو کی ہوں گی ہر سو تیزیاں
رقص فرمائیں گی فتنہ خیزیاں
بے محابہ، بے دھڑک، دیوانہ وار
میری دنیا میں بھی آئے گی بہار

دھڑکنوں کی ہوں گی ہم آغوشیاں
اک نئے انداز میں سرگوشیاں
اور بڑھ جائے گا ہر شے کا وقار
میری دنیا میں بھی آئے گی بہار

جھوم اٹھیں گی حسرتوں کی ڈالیاں
شوق کے خوشے، خوشی کی بالیاں
ہر طرف ہو گا جوانی کا نکھار
میری دنیا میں بھی آئے گی بہار

وسعت افلاک پر چھا جاؤں گا
بھید مخلوقات کے پا جاؤں گا
ہو گا دو عالم پہ میرا اختیار
میری دنیا میں بھی آئے بہار

اپنی محنت کا ثمر مل جائے گا
گر رہا گرمِ سفر مل جائے گا
اک اسی امید پر سب کچھ نثار
میں دنیا میں بھی آئے گی بہار[۱۰۹]

Marfat.com

غزل

آرزوؤں کا دلِ مضطر میں خاکہ ہی رہا　　رنگ بھرنا آرزوؤں میں کرشمہ ہی رہا
کچھ نہیں ہوتا اچانک عالمِ امکان میں　　جو نظر آیا وہ اکثر بے تحاشہ ہی رہا
منزلیں ذوقِ طلب کی راہ میں تھیں بے شمار　　ہم سفر ذوقِ طلب کا دورِ جادہ ہی رہا
دیکھتے ہی دیکھتے عمرِ دو روزہ ڈھل گئی　　اور جینے کا ارادہ بس ارادہ ہی رہا
زندگی کو بارہا ہم نے سنوارا تھا حقیر
جانے کیوں کر ایک گوشہ محوِ گریہ ہی رہا[۱۱]

راجا علی گوہر

راجہ علی گوہر ۱۸۔ اپریل ۱۹۰۶ء[۱۲] کو شاہ پور صدر جو کہ اس دور میں ضلعی ہیڈ کوارٹر بھی تھا میں پیدا ہوئے۔ وہیں سے مڈل تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد J.V کی سند حاصل کی اور سکول میں مدرس ہو گئے۔ شاہ پور صدر نے پہلوان بھی پیدا کیے ہیں اور اکھاڑہ وغیرہ ایک زمانے میں پہلوانوں کے زور کی جگہ ہوتی تھی۔ راجہ علی گوہر بھی ان پہلوانوں میں سے تھے جو شاہ پور صدر نے جنم دیئے۔

راجہ علی گوہر، جوہر نظامی وغیرہ کے ساتھیوں میں سے تھے۔ آپ کا عہد بھی ایک ہی ہے۔ جن دنوں جوہر نظامی سرگودھا میں تھے تو آپ کا تبادلہ بھی سرگودھا میں ہی تھا۔ اور ادبی سرگرمیاں بھی عروج پر تھیں۔ لیکن آپ ان لوگوں میں سے ہیں۔ جنہوں نے جو لکھا شاید وہ محفوظ نہیں رہا۔ ۱۹۶۶ء میں آپ ایم سی پرائمری سکول بلاک نمبر ۲ سے ہیڈ ماسٹر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے اور پھر کچھ عرصہ بعد آپ جھنگ چلے گئے۔ جہاں ڈھلتی عمر کے اثرات تھے یا دل برداشتی کا عنصر تھا کہ دل اچاٹ ہو گیا اور ادبی حلقوں سے بالکل کٹ گئے۔ جب تک آپ سرگودھا میں رہے ادبی حلقوں میں پہچان بن کر رہے۔ آپ کی خدمات کو ادبی سرگرمیوں کے انعقاد کے سلسلے میں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ جھنگ میں خدا جانے کیا ہوا۔ یہ سب کچھ پردہ راز میں ہے اور پھر ایک عرصہ تک علیل رہنے کے بعد اپریل ۱۹۹۱ء

Marfat.com

میں آپ نے وفات پائی۔'' [۱۲]

محمود اسیر آپ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''راجہ علی گوہر کے ہاں سوز جنوں اور سوز محبت کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ ان کے کلام میں مسرت و انبساط اور فرحت و شادمانی کے مضامین بمشکل ہی نظر آئیں گے۔ انداز بیان ان کی شاعری کا ساتھ نہیں دیتا۔ ان کی غزل اندرونی و بیرونی کرب اور سوز و گداز میں ڈوبی ہوتی ہے۔ وہ اپنے زخموں کا علاج خود کرنا چاہتے ہیں۔ طبیعت میں بے نیازی ہے۔ کسی کی ہمدردی کے خواہاں نہیں۔ انہوں نے ایک دنیا دیکھی ہے۔ اور اب وہ اس دنیائے رنگ و بو سے دور بہت دور اپنے باقی ماندہ ایام عزت کے ساتھ بسر کرنا چاہتے ہیں۔'' [۱۳]

اور یہی ہوا کہ اپنے ماضی سے دور جا کر بس گئے۔ جہاں ان کی کوئی پہچان نہیں تھی۔ راجہ علی گوہر جو سرگودھا کی ادبی فضا میں سرگرم رہا کرتا تھا۔ گمنامی کی زندگی گزار کر اپنے اصل ٹھکانے جا پہنچا۔ سخنوران سرگودھا میں آپ کا جو کلام پیش کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

غزل

قفس رسیدہ نے یوں ماتم بہار کیا   جگر کے خون سے زنداں کو لالہ زار کیا
مری وفاؤں کا محفل میں تذکرہ کر کے   مجھے حضور نے بے وجہ شرمسار کیا
خرد نے ادھ کھلی کلیوں کے پیرہن نوچے   جنوں نے اپنے ہی دامن کو تار تار کیا
یہی کہا کہ مجھے آپ سے محبت ہے   بڑے طویل فسانے کا اختصار کیا

سکون مل تو چکا تھا جنوں میں اے گوہر
کسی کی یاد نے پھر مجھ کو بے قرار کیا! [۱۴]

☆

Marfat.com

ترے تیر نظر کا جو ہمیں گھائل سمجھتے ہیں
وہ کیا جانیں کہ ہم اس کو بھی اک منزل سمجھتے ہیں

ذرا ٹھہرو چرالوں زندگی ان مست آنکھوں سے
تعصب سے جنہیں اہلِ جہاں قاتل سمجھتے ہیں

سنا ہے ان کی محفل میں مرا بھی ذکر ہوتا ہے
خدا کا شکر ہے مجھ کو وہ اس قابل سمجھتے ہیں

یہ خواہش ہے تمہاری یاد سے غافل نہ ہو جائیں
تمہاری یاد کو ہم زیست کا حاصل سمجھتے ہیں

جو طوفانوں سے گزرے ہوں جو منجدھاروں سے کھیلے ہوں
وہ طوفانوں کو منجدھاروں کو بھی ساحل سمجھتے ہیں

حقیقت میں محافظ زندگی کی موت ہے اے دل
یہ وہ نکتہ ہے جس نکتے کو اہل دل سمجھتے ہیں

پنپ سکتے نہیں وہ لوگ دنیا میں کبھی گوہر
جو اپنی راہ میں ذرے کو بھی حائل سمجھتے ہیں [۱۱۵]

سید وزیر شیرازی

شاعرِ اہلِ بیت سید وزیر حسین شیرازی ۱۹۰۶ء [۱۱۶] میں شاہدرہ (لاہور) کے مقام پر پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید سردار علی شیرازی جو گورنمنٹ کنٹریکٹر تھے ان دنوں اپنی فیملی کے ساتھ شاہدرہ میں ہی مقیم تھے۔ سید وزیر شیرازی تعلیم کے حصول کے بعد اگرچہ والد کے ساتھ کاروبار میں ہاتھ بٹانے لگ گئے۔ لیکن ان کے اندر ایک آرٹسٹ اور خوش نویس جو بیٹھا تھا اس نے انہیں اپنی جانب کھینچ لیا۔ انہوں نے بڑے شوق سے خوشنویسی سیکھی۔ اسے اپنایا اور ملک کے بہترین کاتبوں میں شمار ہونے لگے۔ آپ ۲۴ سال تک خوشنویس ایسوسی ایشن آف سرگودھا کے صدر رہے۔

شیخوپورہ سے آپ کا خاندان امرتسر میں رہائش پذیر ہو گیا تھا اور جب پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو آپ نے ہجرت کی اور سرگودھا آ کر آباد ہوئے۔

سید وزیر شیرازی ۱۹۳۸ء میں ادب کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ فارسی آپ کی مادری زبان تھی۔ پنجاب میں رہائش پذیر تھے بلکہ والد بھی پنجابی تھے۔ اردو کو قومی زبان کے حوالے سے سیکھا اور پانچ سال کا عرصہ آپ نے افریقہ میں بھی کاروباری سلسلے میں گزارا تھا وہاں کی زبان بھی

Marfat.com

سیکھ لی تھی۔ یوں آپ کئی زبانوں کے ''جانو'' تھے۔ خوشنویسی کو بطور پیشہ اپنانے سے پہلے کچھ عرصہ پولیس میں بھی آپ نے ملازمت کی تھی۔

سید وزیر شیرازی کو شاعری کا شوق اپنے تایا سید جیون شاہ شیرازی اور چچا سید اکبر شاہ کے باعث پیدا ہوا۔ وہ اپنے وقت کے اچھا شعر کہنے والوں میں شامل تھے۔ سو آپ نے اصلاح بھی اپنے تایا اور چچا دونوں سے لی۔[۱۱۷]

> ''وزیر شیرازی مرحوم ایک بامروت اور خلیق انسان تھے۔ ان کی زندگی میں ان کی بیٹھک پر شاعروں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ ہر شام ایک محفل اور ہر دن ایک ہنگامہ ہوتا تھا۔ آپ اپنی ذات میں انجمن تھے۔ آخری عمر میں حافظ یوسف آزاد سے آپ کا انس بڑھ گیا تھا۔۔۔''[۱۱۸]

سید وزیر شیرازی چونکہ مرثیہ اور سلام کے شاعر تھے لہٰذا ان کی پرکھ مرثیہ نگاری کے حوالے سے ہی ہوسکتی ہے۔ آپ کے شعری مجموعہ ''خیابانِ نجات'' میں حمد اور نعت کے علاوہ سلام، قصیدہ، منقبت اور مرثیہ شامل ہے۔ جس میں عشق خانوادہ رسولؐ اور غمِ حسینؓ کی واضح تصویر نظر آتی ہے۔ پروفیسر ہارون الرشید تبسم کے مطابق:

> ''ان کے مرثیہ میں کردار نگاری، جذبات نگاری اور واقعہ نگاری ان کی فنی خوبیوں کا منہ بولتا اظہار ہے۔ ان کے اسلوب کی سب سے نمایاں خصوصیت سادگی ہے۔ دلکش تشبیہات و استعارات نے ان کی سادہ شاعری کو حسنِ معانی کا خزینہ بنادیا ہے۔''[۱۱۹]

سید وزیر شیرازی نے خوشنویسی میں اپنی جو روایت قائم کی تھی وہ اپنے بچوں کو بھی منتقل کی۔ لیکن شاعری شاید آگے پاس کرنے میں ناکام رہے۔ ابتداء میں انہوں نے غزل بھی کہی لیکن اس غزل میں بھی نعت اور منقبت کا وافر حصہ شامل ہوتا۔ غالب کی کچھ غزلوں کا پنجابی زبان میں ترجمہ بھی کیا۔ مشاعروں میں اپنی آواز سے سحر طاری کردیتے اور یہی وجہ ہے کہ وہ بڑی حسین یادیں

Marfat.com

چھوڑ کر ۲۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کو سرگودھا میں عدم کو سدھار گئے۔

سلام

ولائے سبطِ پیمبرؐ گلے لگا کے چلے چلے جہاں سے تو ہم زندگی بنا کے چلے
قدم قدم پہ چمن در چمن کھلا کے چمن ہم اس ادا سے چراغِ وفا جلا کے چلے
کہا یہ ماں نے جو اصغر کو شاہ اٹھا کے چلے چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے
اسی کو عارفِ عزمِ حسینؑ کہتے ہیں جو قتل گاہ میں بے خوف سر اٹھا کے چلے
وہ لوگ مر کے بھی زندہ ہیں بزمِ ہستی میں غمِ حیات کو جو آئینہ دکھا کے چلے
یہ زندگی کا سلیقہ بتا گئے ہیں حسینؑ کہ سر بلند وہی ہے جو سر جھکا کے چلے
نگاہ بانِ شریعت اسی کو کہتے ہیں جو زیرِ تیغ بھی پیغامِ حق سنا کے چلے
جنابِ فاطمہ زہراؑ نے رکھ لئے چن کر جو تیر سینۂ شبیرؑ پہ جفا کے چلے

تڑپ اٹھی نگہِ رشک بر سرِ محشر
وزیر خلد میں جب ساتھ مصطفیٰؐ کے چلے [۱۲۰]

غزل

گو میں شریکِ محفلِ اہلِ سخن نہ تھا لیکن مرے بغیر وقارِ چمن نہ تھا
بے شک حسین اور بھی ہوں گے جہان میں میری نظر میں تجھ سا کوئی گلبدن نہ تھا
چلتے رہے تو سامنے آتے رہے حجاب ٹھہرے تو زندگی کا کوئی پیرہن نہ تھا
حق بات آخرش مرے منہ سے نکل گئی بے باک تھا ضرور دریدہ دہن نہ تھا
آندھی کا زور دیکھتے ہی لڑکھڑا گئے وہ لوگ جن کے دوش پہ بارِ کفن نہ تھا
بے نقش مٹ گئے ترے نقشِ وفا کے بعد دیکھا تو دل میں ایک بھی نقشِ کہن نہ تھا

جنت کی بو نہ ہو گی میسر اسے وزیر
دنیا میں جو غلامِ درِ پنجتن نہ تھا [۱۲۱]

Marfat.com

یونس حسین جھجروی

محمد یونس حسین خان پورا نام ہے۔ آپ ۱۹۰۶ء میں جھجر ضلع روہتک میں پیدا ہوئے۔ آپ پٹھان یوسف زئی خاندان کے ایک علم دوست گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے میٹرک تک اپنے قصبے میں ہی تعلیم حاصل کی اور پھر فوج میں بھرتی ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پہلی جنگِ عظیم اختتام پذیر ہو چکی تھی۔ آپ نے دوسری جنگ عظیم میں حصہ لیا۔ لیکن جونہی پاکستان کا قیام ممکن ہوا تو اپنی خدمات اس مملکتِ خداداد کو دے دیں اور پاکستان آرمی میں آ گئے۔ ایک طویل عرصہ فوج میں گزارنے کے بعد ۱۹۵۶ء کے لگ بھگ آنریری کیپٹن کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ آپ کی خدمات کے صلے میں تمغہء خدمت درجہ اول اور تمغہء شجاعت سے بھی آپ کو نوازا گیا تھا۔ محمد یونس خان نے ۱۹۳۰ء میں شاعری کی ابتداء کی اور بھر وقت کے ساتھ ساتھ اپنی پابندیوں اور مصروفیات کے باوجود اپنی فکر اور خیال کو استعمال کرتے رہے اور جب بھی کبھی موڈ بنا اظہار کے لئے شعر کو استعمال کیا۔ آپ صوفی تخلص کرتے تھے۔ اور یہ تخلص صرف نام کی حد تک نہیں تھا بلکہ آپ فطرتاً بھی صوفی تھے۔ اور آپ کی شاعری میں بھی آپ کی صوفیانہ فطرت کا عکس نظر آتا ہے۔ پاکستان آرمی میں ملازمت کے دوران ملک کے مختلف حصوں میں سفر کرتے رہے اور جب ریٹائر ہوئے تو مستقلاً سرگودھا کو اپنا مسکن بنایا اور یہیں ۱۹ مارچ ۱۹۷۴ کو وفات پائی۔ ۱۲۲

آپ کی شاعری میں زندگی اور موت کا راز منکشف ہوتا دکھائی دیتا ہے اور یوں لگتا ہے کہ دردو الم کے سائے مسکرا کر زندگی کو گلے لگا رہے ہیں۔ اور انسانی ذات کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

غزل

وہ افق چمکی وہ صبحِ عیش کا منظر کھلا بادۂ خورشید چھلکا میکدے کا در کھلا
اب تری الفت کا پردہ ذرے ذرے پر کھلا ہر طرف اک اضطرابِ شوق کا دفتر کھلا
جستجو ان کی مجھے لائی ہجومِ عام میں میری تنہائی کا شیرازہ سرِ محشر کھلا

Marfat.com

گرد چہرے پر پریشانی میں ڈوبا سر کھلا　　تیرا دیوانہ ہے کوئی یا جنوں کا قافلہ

بدگمانی تجھ کو صوفیؔ کی محبت پر ہے کیوں

راز تجھ پہ کس نے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا [۱۲۳]

☆

آنکھ بھر آئی ہے اکثر اپنا گلشن دیکھ کر　　حسرتِ ناکام کا ہر گام مسکن دیکھ کر

برق بھی حیرت زدہ تھی میرا خرمن دیکھ کر　　چند تنکے اور وہ بھی اس طرح پھیلے ہوئے

اشتیاقِ دید بڑھ جاتا ہے چلمن دیکھ کر　　کس میں تابِ دید ہے گر سامنے آؤ مگر

پھول مرجھائے ہوئے بالائے مدفن دیکھ کر　　چوٹ سی دل پر لگی آنکھوں میں آنسو آ گئے

بجلیاں تڑپا کریں گی میرا خرمن دیکھ کر　　اس لئے رکھی نہیں میں نے بنائے آشیاں

ورنہ دنیا رو پڑی تھی آہ و شیون دیکھ کر　　آپ ہی تھے ایک جس کا دل پسیجا ہی نہیں

آپ نے پابندیاں صوفیؔ پہ کیں عائد مگر

دل بغاوت پر اُتر آتا ہے قدغن دیکھ کر [۱۲۴]

حاجی سلطان احمد سالک

سلطان احمد نام اور سالک تخلص جبکہ حج بیت اللہ سے مشرف ہونے کے بعد حاجی کو نام کا حصہ بنالیا:

"حاجی سلطان احمد سالک ۶ ستمبر ۱۹۰۶ء کو نور پور تھل ضلع شاہ پور میں پیدا ہوئے۔ گاؤں کے سکول سے ہی مڈل تک تعلیم حاصل کی اور ایس وی کرنے کے بعد تدریس کے شعبے سے منسلک ہو گئے۔" [۱۲۵]

سالک (مرحوم) کو شاعری ورثے میں ملی تھی۔ آپ کے والد میاں محمد اپنا تخلص جانی کرتے تھے اور پورے نام سے یعنی میاں محمد جانی مشہور تھے۔ آپ اپنے وقت میں اپنے علاقے کے

Marfat.com

صاحب علم اور عمدہ شاعر مانے جاتے تھے۔

سلطان احمد سالک چھٹی جماعت کے طالب تھے جب شعر کہنا شروع کیا اور اپنے والد سے ہی اصلاح لینے لگے۔ تعلیم اس دور میں آٹھ جماعت بھی بہت تصور کی جاتی تھی اس پر مستزاد تدریس کے شعبے سے منسلک ہونا۔ سو آپ نے مطالعہ کو کافی وسعت دی۔ آپ نے شاعری کے ساتھ ساتھ نثر لکھنا بھی شروع کر دی۔ آپ نے اردو اور پنجابی ہر دو زبانوں میں لکھا۔ اور بحیثیت ایک ادیب' ایک شاعر' ایک مصنف' ایک معلم اور ایک مبلغ کے اپنی پہچان اپنے علاقے میں بنائی۔ اپنے عہد کے کئی ایک رسائل میں آپ کی تحاریر شائع ہوئیں۔ آپ ۶ ستمبر ۱۹۶۶ء کو ۶۰ سال کی عمر پر مدت ملازمت پوری کر کے ریٹائر ہوئے اور بعد میں سارا وقت خدمت اسلام اور تصنیف و تالیف میں گزارا۔ آپ کا معمول تھا کہ ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو اپنے آقا و ہادی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا میلاد شریف بڑے اہتمام اور محبت سے منایا کرتے تھے۔ اور شاید اللہ تعالیٰ کو یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اپنے محبوب ﷺ کے اس مبارک دن کی نسبت سے سلطان احمد سالک کی وفات اسی تاریخ کو یعنی ۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ بمطابق ۲۲ ستمبر ۱۹۹۱ء کو واقع ہوئی۔ ۲۶ آپ کو اپنے قصبے میں ہی دفن کیا گیا۔

حاجی سلطان احمد سالک نے اپنے پیچھے بہت سے مسودات اور کلام چھوڑا جو ان کے بیٹے حاجی' حافظ' خطیب محمد رمضان کے پاس موجود ہے۔ آپ کے دو شعری مجموعے ''مخزن اشعار (حصہ اول) اور ''یاران نبی ﷺ'' شائع ہو چکے ہیں۔ جبکہ غیر مطبوعہ تصانیف کے نام درج ذیل ہیں۔

کلیات سالک (اردو' پنجابی ۲ حصے)۔ گلزار سالک (۲ حصے) نذر سالک۔ سالک کے دوہڑے۔ رہنمائے سالک۔ سوانح محمد جانی۔ گلدستہ سالک۔ یادداشت حج۔ انتخاب سالک۔ کشکول سالک (۲ حصے)۔ بیاض سالک (۲ حصے) راز حکمت (۲ حصے)۔ خطبات سالک۔ رحمت للعالمینؐ۔ بارہ ماہ اسلامی۔

سالک کا مجموعی طور پر زیادہ کام نعت رسول مقبول ﷺ کے حوالے سے ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ تمام مسودات زمانے کی نذر ہو جاتے ہیں یا پھر پریس سے نکال کر انہیں محفوظ کرنے کا اہتمام کیا

Marfat.com

جاتا ہے۔نمونہ کلام میں نعت رسول مقبولؐ ملاحظہ ہو۔

نعت

مبارک اہلِ عالم کو شفیع المذنبیں آیا
ہوا ارشاد باری رحمت للعالمین آیا

گھٹائیں کفر و ظلمت کی جہاں پر چھا گئی تھیں جب
ضلالت کے مٹانے کو یہ شمس العارفین آیا

ہوا اسلام کا غوغا جہاں میں جن کے آنے سے
رہے گا دینِ حق ان کا یہ ختم المرسلینؐ آیا

محافظ اس کا خالق ہے رہے گا تاقیامت یہ
جو فرقانِ منور لے کے خیرالمرسلینؐ آیا

حبیب اپنے کو ملنے کا خدا نے شوق فرمایا
اشارہ پا کے رفرف کو لئے روح الامیں آیا

شب معراج محبوبِؐ خدا جب عرش پر پہنچا
ملائک حور و غلماں نے کہا نورِؐ مبیں آیا

خدا نے یہ شرف بخشا بلایا اپنی قربت میں
''فکان قاب قوسین'' کا اشارہ بالیقین آیا

احد احمدؐ کے رازوں میں تجھے پڑنے سے کیا حاصل
وہ طالب اور یہ مطلوب شک اس میں نہیں آیا

چلیں نقشِ قدم عربیؐ پہ جو سالک وہ مومن ہیں
برائے مومناں ہے وعدہ خلدِ بریں آیا [۱۲۷]

☆

نام کافی ہے مجھے ہوں بندہ اس سرکار کا
رحمتِ عالم ہے جو محبوب ہے غفار کا

امتِ خیر الرسلؐ ہوں کیا ہوا عاصی ہوں میں
نام کافی ہے شفاعت کے لئے سرکار کا

خواب میں جلوہ دکھا دو اے حبیبؐ کبریا
حال ابتر ہو چلا ہے آپؐ کے بیمار کا

وقت آخر اپنے آقاؐ کو نہ بھولوں اے خدا
نام ہو میری زباں پر احمدِؐ مختار کا [۱۲۸]

سردار بشن سنگھ بیکل

مولانا عبدالحمید سوہدروی نے سردار بشن سنگھ کو ہندو شعراء میں شامل کیا ہے۔ جب کہ ایسا

Marfat.com

نہیں۔سردار جی کا تعلق سکھ مذہب سے تھا۔ ہندومت سے نہیں۔ان کے حالات پر سے اگر چہ پردہ نہیں اٹھایا جا سکا لیکن قیاس غالب ہے کہ وہ بیسویں صدی کے ابتدائی عشرہ میں ضلع شاہ پور کے قصبے سلانوالی کے نزدیک ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۹ سکول کی تعلیم کے دوران ہی شعر کہنا شروع کر دیا تھا اور سرگودھا میں مقیم ایک شاعر خلیق لاابالی سے اصلاح لینے لگے تھے۔تعلیم کے بعد ملازمت کے سلسلے میں مشرقی پنجاب چلے گئے اور یوں سرگودھا کے افق سے غائب ہوگئے۔

مولانا عبدالمجید نے دوسرا ستم یہ کیا کہ ''برج گوپی ناتھ بیکل'' ۱۳۰ اور ''سردار بشن سنگھ بیکل'' ۱۳۱ دونوں کے کھاتے میں ایک ہی نعت صرف ایک بند کی کمی بیشی سے ڈال دی۔اور یوں تحقیق کے اصولوں کو پامال کیا۔

راجا رشید محمود کا نام تحقیق میں اور خاص طور پر نعت کی تحقیق میں نہایت احترام سے لیا جاتا ہے۔آپ نعت میں نہایت محبت اور محنت سے کام کرتے ہیں۔انہوں نے بھی ''بابو برج گوپی ناتھ بیکل'' ۱۳۲ کے حصے میں چار اور ''سردار بشن سنگھ بیکل'' ۱۳۳ کے کھاتے میں دو بند ڈال کر اتنی آگاہی دے دی کہ یہ نعت اس کی ذاتی لائبریری میں ماہنامہ پیشوا اور ماہنامہ الفضل میں موجود ہونے کی صورت میں محفوظ ہے۔آپ نے اس نعت کے حوالے سے مزید بھی بحث کی۔:۔

جناب نور احمد میرٹھی نے غیر مسلم نعت گو کے حوالے سے بہت خوبصورت اور مستند کام کیے ہیں لیکن نور سخن میں وہ ''بابو برج گوپی ناتھ بیکل امرتسری'' ۱۳۴ کے ضمن میں مسدس کو مثنوی کے رنگ میں تبدیل کر کے انہی چار بند میں سے پانچ اشعار نقل کر دیئے ہیں جبکہ ''سردار بشن سنگھ بیکل'' ۱۳۵ کے نام اسی مسدس کا آخری بند کر دیا ہے۔لیکن بہر زماں بہر زباں' میں ''برج گوپی ناتھ بیکل امرتسری'' ۱۳۶ کی اسی نعت کے ۸ اشعار کو پہلے مثنوی کی صورت میں اور پھر ان الفاظ کے ساتھ ''بیکل امرتسری کے ایک نعتیہ مسدس کے چار بند دیکھیے جو مختلف کتب میں ملتے ہیں۔'' ۱۳۷ اگلے صفحے پر شائع کر دیا ہے۔لیکن اس ضخیم کتاب میں انہوں نے سردار بشن سنگھ بیکل کی نعت شامل نہیں کی۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ان مذکورہ کتب سے پہلے ممتاز حسن نے جو نعتیہ انتخاب شائع کیا اس

Marfat.com

میں انہوں نے صرف ''سردار بشن سنگھ بیکل'' ۱۳۸ کی اس نعتیہ مسدس کے تین بند شامل کئے ہیں۔ پہلا بند شامل نہیں کیا۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ یہ نعت جو کہ ''پیشوا'' دہلی ۱۹۳۴ء اور الفضل قادیان کے خاص نمبر میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ سردار بشن سنگھ بیکل ہی کی ہے۔ لیکن بیکل تخلص کی غلط فہمی نے اسے فانی مرادآبادی سے نعت کا انتخاب کرتے وقت برج گوپی ناتھ بیکل کے کھاتے میں ڈلوا دیا۔ جو بعد میں بلا سوچے سمجھے شائع ہوتی رہی اور الجھن کا شکار بنی۔

سردار بشن سنگھ بیکل کا کلام چونکہ نہیں مل سکا۔ ایک ہی نعتیہ مسدس ہے جس کے تین بند پیش کئے جا رہے ہیں۔

نعت رسول مقبول ﷺ

اے رسول پاک اے پیغمبر عالی وقار چشم باطن بیں نے دیکھی تجھ میں شان کردگار
تیرے دم سے گل نظر آئے ہیں وہ عرفاں کے خار خوبیوں کا ہو تری کیوں کر بھلا ہم سے شمار
نور سے تیرے اندھیرے میں درخشانی ہوئی
تیرے آگے آبرو کفار کی پانی ہوئی

اک جہالت کی گھٹا تھی چار سو چھائی ہوئی ہر طرف خلقِ خدا پھرتی تھی گھبرائی ہوئی
شاخ دینداری کی تھی بے طرح مرجھائی ہوئی لہلہا اٹھی، تری جب جلوہ آرائی ہوئی
تیرے دم سے ہو گئیں تاریکیاں سب منتشر
پا گئی راحت ترے آنے سے چشم منتظر

کیوں نہ ہم بھی اس جہاں کا پیشوا مانیں تجھے کیوں نہ راہِ حق میں اپنا رہنما جانیں تجھے
دیکھنے کو دے خدا آنکھیں تو پہچانیں تجھے حق کی ہے بیکل صدا، شمس الضحیٰ مانیں تجھے
گر مسلمانوں کا اک پیغمبرِ اعظم ہے تو
اپنی آنکھوں میں بھی اک اوتار سے کب کم ہے تو ۱۳۹

Marfat.com

نواب زادہ ملک حبیب اللہ خان ٹوانہ

ملک حبیب اللہ خان ٹوانہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۷ء کو ہڈالی تحصیل خوشاب ضلع شاہپور میں پیدا ہوئے۔ ایچی سن کالج لاہور سے تعلیم حاصل کی۔ اور پھر مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں بھی کچھ عرصہ زیرِ تعلیم رہے۔ آپ کے والد ملک ممتاز محمد خان راجپوتوں کے معروف قبیلے ٹوانہ سے تعلق رکھتے تھے۔

ملک حبیب اللہ خان پہلے ہندوستانی تھے جنہوں نے فوج سے شاہی کمشن پایا اور شمشیرِ اعزاز حاصل کی۔ آپ مسلم یونیورسٹی کی سینیٹ کے ممبر رہے۔ قانون ساز اسمبلی پنجاب کے ممبر (MLC) رہے۔ پاکستان کے لئے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر ۱۹۴۵ء میں یونیسٹ پارٹی کے خلاف بھرپور حصہ لیا اور تقریباً ۱۰ لاکھ روپے خرچ کئے۔ علی گڑھ یونیورسٹی کی سلور جوبلی پر مختلف ذریعوں سے ضلعی بوائز سکاؤٹ ایسوسی ایشن کو آرگنائز کیا۔ ضلعی FAUNA کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے اس کی تنظیم کی۔ ڈسٹرکٹ بورڈ سرگودھا کے ۹ سال تک سینئر وائس چیئرمین رہے۔ آرمی سلیکشن بورڈ نمبر ۲ کے اڑھائی سال تک سویلین ممبر رہے۔ مسلم ایجوکیشن کانفرنس کے تاحیات ممبر رہے۔ ریڈ کراس سوسائٹی نیشنل ہارس اینڈ کیٹل شو آف پاکستان کے ممبر رہے۔ آل پاکستان مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہے۔ قرارداد پاکستان پر دستخط کرنے والوں میں شامل تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد جہاد کشمیر کیلئے ایک لاکھ روپیہ اور دیگر عوامی بہبود کی سرگرمیوں کے لئے کام کرنے والی انجمنوں (charities) کو پچاس ہزار روپے دیئے۔ آپ ایک سند یافتہ اور رجسٹرڈ حکیم تھے سو کم و بیش ۳۰ سال تک بلا معاوضہ لوگوں کا علاج کرتے رہے۔

تقسیمِ ہند سے پہلے انہیں خان بہادر کا خطاب دیا گیا تھا جسے مسلم لیگ Agitation کے دوران واپس کر دیا۔ آپ پہلے زمیندار تھے جنہوں نے چند دیگر زمینداروں کے ساتھ مل کر ایک امدادی کمیٹی بنائی۔ آپ ۱۹۵۰۔۵۱ء میں صوبائی ممبر منتخب ہوئے۔ آپ کے دو بچے احمد اقبال ٹوانہ اور ملک علی انور تھے۔ احمد اقبال نے آفیسرز ٹریننگ سکول کوہاٹ سے کمیشن لیا اور ابتدائی عسکری

Marfat.com

تربیت کے اختتام پر اعزازی تلوار حاصل کی۔ ملک علی انور نے ایچی سن کالج سے ۵ میڈل حاصل کئے اور ہیڈ بوائے رہے۔

ملک حبیب اللہ خان ٹوانہ پینٹنگ' فوٹوگرافی اور شکار کے بھی ازحد شائق تھے۔ آپ نے ۱۹۶۰ء میں پورے براعظم اور برطانیہ کا سفر کیا۔ ۱۹۶۵ء میں حج کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے۔ آپ ایک شاعر بھی تھے اور ''تجلیات'' کے نام سے ۱۹۴۷ء میں آپ کا شعری مجموعہ شائع ہوا تھا۔ [۱۴۰] اس مجموعہ میں حمد' نعت' مناقب' غزلیات' رباعیات' قطعات اور فارسی کلام شامل ہے۔

آپ کے چچا نواب ملک محمد مبارز خان ٹوانہ کی کوشش سے ۱۹۱۴ء میں ''اوبرائین اسلامیہ ہائی سکول'' قائم ہوا جو آپ کے والد ملک ممتاز خان ٹوانہ کی کوششوں سے یکم مئی ۱۹۲۹ء کو انٹر کالج (ڈی ماؤنٹ مورنسی کالج) شاہ پور بن گیا ۱۹۳۲ء میں اسے ڈگری کالج کا درجہ مل گیا۔ جو بعد میں سرگودھا منتقل ہو گیا۔

آپ نے ساری زندگی جہان آباد میں گزاری لیکن وفات اپنے خاندانی گاؤں ہڈالی میں نومبر ۱۹۷۲ء میں پائی۔ [۱۴۱]

نمونہ کلام ملاحظہ فرمایئے۔

میں اور تو

میں سراپا درد دل کی درد مند آواز ہوں
میں وفور درد کا اک نالۂ دمساز ہوں
میں تماشا گاہ ہستی کا سہانا راز ہوں
میں کسی کی فکرِ عالی کا پرِ پرواز ہوں
تو ہے تصویرِ تصور میں حیاتِ کائنات
تو ہے تقدیرِ حیاتِ جاوداں کا سومنات
تو ہے مومن کی فراست تو ہے ایماں کا ثبات
میں سراپا التجا ہوں تو سراپا التفات
ماہیِ بے آب میں اور بحرِ بے پایاں ہے تو
اس جہادِ زندگی میں درد کا درماں ہے تو
میں مثالِ برگِ خشک اور چشمۂ حیواں ہے تو
جانفزا جاں بخش ہے اور ساحلِ طوفاں ہے تو
کشتیِ بے آب کو اپنا کنارہ بخش دے

Marfat.com

دست بستہ پا شکستہ کو سہارا بخش دے
میں ہوں مجبور سلاسل تو اشارہ بخش دے
اے مرے مولاً مرے آقا خدارا بخش دے ۱۴۲

☆

عشق اجزائے پریشاں کو کہاں لے جائے گا	خاک کے ذروں کو بالائے گماں لے جائے گا
فرصتِ یک دونفس ہے بازیِ یک زندگی	کس کو ساحل تک یہ بحرِ بے کراں لے جائے گا
ظلمتِ شب کو مٹا دیتا ہے خاور کا ورود	آسماں انجم کی چادر کو کہاں لے جائے گا
دیدہٖ ناعاقبت اندیش حیراں ہو تو ہو	ہفت اقلیمِ خرد پیر مغاں لے جائے گا
وادیِ شوق انتہائے منزلِ مقصود ہے	جادہ پیما تیری منزل کا نشاں لے جائے گا
الجھنیں مٹ جائیں گی تاریکیاں چھٹ جائیں گی
روز محشر جب حبیبؐ اس کی اماں لے جائے گا ۱۴۳

حافظ یوسف آزاد

محمد یوسف ولد ظفر الدین ۱۹۰۷ء میں ہندوستان کے شہر سکندرہ راؤ ضلع علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ آپ اہلِ قریش کے ایک زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم قرآنِ مجید سے شروع کی اور ۱۹۱۹ء میں حفظ کر لیا۔ یہ سال جس طرح قومی حوالے سے اہم تھا اسی طرح آپ کی زندگی میں بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اسی سال آپ نے کم عمری کے باوجود تحریکِ خلافت میں حصہ لیا۔ اگرچہ عمر صرف بارہ سال تھی لیکن شعور جاگ اٹھا تھا۔ اسی سال آپ نے شعر کہنا شروع کیا اور اللہ راضی راہبرؔ سے سلسلہ تلمذ قائم کیا۔ راہبر کا سلسلہ امیر مینائی سے جا ملتا ہے اور اسی خوش بختی پر حافظ صاحب نے کہا تھا۔

الفت مرے رقیب کی تم کم نہ کر سکے	دل سے تمہیں نکال دیں یہ ہم نہ کر سکے

Marfat.com

آزاد ایک پودا ہوں باغ امیرؔ کا　　دشمن جسے قلم سے کبھی خم نہ کر سکے

ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔

نہیں ہے کوئی کمال مجھ میں، میں کیسے کہوں دو کمال کا ہوں
نہیں ہوں میداں سے ہٹنے والا کھلاڑی شمشیر و ڈھال کا ہوں
امیرؔ مینائی سلسلہ ہے تخلص آزادؔ نام یوسف
نہیں ہوں کچے گرو کا چیلا میں پورے مرشد کا بالکا ہوں

اس کم عمری میں آپ نے مشاعروں میں جانا شروع کر دیا تھا۔ سکندرہ راؤ سے نکلے تو احمد آباد جا پہنچے جہاں اپنا کام ایک خراد مشین لگا کر شروع کیا لیکن ناکامی رہی۔ گتکا اور بنوٹ اپنے والد سے سیکھا تھا اب والد نے انہیں ''رستم پہلوان'' کے حوالے کر دیا جن سے پہلوانی کے گُر سیکھے۔ پہلوانی اور شاعری اگرچہ دو متضاد پہلو ہیں لیکن آپ نے اِن دونوں کو ساتھ ساتھ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ مسلم لیگ کی ممبر سازی اور تحریک پاکستان میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ گاندھی اور کانگریس کے خلاف کئی نظمیں لکھیں۔ منظوم ڈرامے لکھے۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان معرض وجود میں آیا تو آپ ایک تذبذب کا شکار ہو گئے لیکن پھر فیصلہ کر کے ۱۹۵۰ء میں پاکستان کا رخ کیا اور سرگودھا کو اپنا مسکن بنایا۔ ایک سال تک گمنامی کی زندگی گزاری لیکن ۱۹۵۱ء میں جب جگر مرادآبادی سرگودھا آئے تو ایک مشاعرہ میں حافظ یوسف کو اپنے ہمراہ لے گئے اس دن سے لے کر وفات کے دن تک سرگودھا کے ادبی افق پر آپ نمایاں رہے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختم نبوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنی نظموں سے دلوں کو گرماتے رہے۔ آپ کے وارنٹ گرفتاری بمعہ انعام جاری ہوئے مگر جلسے میں باقاعدگی سے حاضر ہونے کے باوجود حکومت کے قابو میں نہ آ سکے ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں آپ نے اپنے خیال اور الفاظ سے حصہ لیا۔

جان صدقے کر دو ناموسِ وطن کی شان پر　　پھوڑ دو وہ آنکھ جو اٹھتی ہے پاکستان پر
اپنے دشمن کے ارادوں سے خبردار رہو　　چور، مکار، دغا باز سے ہوشیار رہو

Marfat.com

حافظ یوسف آزاد کو اللہ تعالیٰ نے شعری شعور کے ساتھ لحن بھی داؤدی عطا کیا تھا۔ موسیقی سے بھی لگاؤ تھا۔ لہٰذا جب آپ کسی مشاعرے میں ترنم سے پڑھتے تو سماں باندھ دیتے مزید یہ کہ شہر اور شہر سے باہر آپ کے شاگردوں کی تعداد بھی بڑھنا شروع ہو گئی تھی اور ہر نوآموز شعری رموز سے آشنائی کے لئے آپ کے پاس آتا۔ غزل اور نعت آپ کے شعری میدان تھے۔ آپ کی شخصیت اور فن پر یونیورسٹی آف سرگودھا ایم اے کا مقالہ بھی تحریر کروا چکی ہے۔

مسجد گول چوک کے نیچے ٹوپیوں کی ایک چھوٹی سی دکان پر شعراء کی محفل جمی رہتی۔ آپ نے ادب کے فروغ کے لئے ''بزمِ حریم ادب'' کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد ''انجمن ترقی اردو'' کا حصہ رہے۔ بزمِ قیصر کے صدر رہے۔ اور یوں ادبی حوالے سے ایک خوشنما زندگی گزار کر ۳۰ دسمبر ۱۹۷۹ء مطابق ۱۰ اصفر المظفر ۱۴۰۰ھ بروز ہفتہ ایک مختصر علالت کے بعد وفات پائی۔ ؎۱۴۴

نمونہ کلام۔

حمد باری تعالیٰ

قادر ہر ایک شے پہ تو ربِ قدیر ہے — تیری نظیر ہی نہیں تو بے نظیر ہے
وہ غوث ہے قطب ہے کہ روشن ضمیر ہے — ہر اک نبی، ولی ترے در کا فقیر ہے
پتھر میں رزق کیڑے کو پہنچا رہا ہے تو — اے ربِّ دو جہاں تو سمیع و بصیر ہے
رزاق رزق سب کو تو دیتا ہے بے طلب — محتاج تیرے در کا غریب و امیر ہے
روشن یہ دو جہان ہیں تیرے ہی نور سے — معبود تیری ذات سراجاً منیر ہے
مشکل کشا ہے تو میرا حاجت روا ہے تو — رحمٰن ہے، رحیم ہے تو دستگیر ہے

یوسفؔ کسی کے آگے نہ دستِ دراز کر
مانگے تو اس سے مانگ جو میروں کا میر ہے ؎۱۴۵

☆

شب غم کی گھڑیاں ارے توبہ توبہ کٹی رات پہلو بدلتے بدلتے

Marfat.com

مگر وائے افسوس تم ہی نہ آئے چراغ سحر بجھ گیا جلتے جلتے
تڑپتے تڑپتے مچلتے مچلتے شب تار ڈھل ہی گئی ڈھلتے ڈھلتے
کئی بار گھبرا کے آواز دی ہے تمہیں میں نے سورج نکلتے نکلتے
نہیں ہے مرا حال لکھنے کے قابل نہ اب دل رہا ہے تڑپنے کے قابل
خدا کے لئے آکے صورت دکھا دو چلے آؤ اک دن ٹہلتے ٹہلتے
محبت میں سمجھوں ہوئی کامیابی اگر تم دمِ واپسیں سامنے ہو
مری آخری بس یہی ہے تمنا تمہیں دیکھ لوں دم نکلتے نکلتے
غلط ہے محبت میں بگڑا ہوا دل سنبھلتا نہیں ہے یہ کس نے کہا ہے
سنبھالے کوئی تو سنبھل جاتا ہے دل سنبھلتا ہے لیکن سنبھلتے سنبھلتے
تمھارا خدا کیا ہمارا نہیں ہے دیا حسن تم کو ہمیں صبر دے گا
پریشانیاں چند دن تو رہیں گی بہل جائے گا دل بہلتے بہلتے
ہمیں ڈر ہے اک دن بہک جاؤ گے تم زیادہ نہ بیٹھا کرو مے کدے میں
نہیں دیر لگتی ہے آزاد صاحب اس انساں کو نیت بدلتے بدلتے[۱۲۶]

درج بالا غزل کا انتخاب صرف اس لئے کیا ہے کہ استاد قمر جلالوی کی غزل جو منی بیگم نے بھی گائی ہے اس کے بارے میں یہ واضح کرنا مقصد ہے کہ ایک مشاعرے میں یوسف آزاد نے قمر جلالوی کے روبرو یہ غزل پڑھی تھی جس سے متاثر ہو کر انہوں نے بعد میں اپنی غزل لکھی۔

میاں فضل الرحمٰن بسمل

فضل الرحمان نام اور بسمل تخلص تھا۔ وہ ۱۹۰۷ء کے لگ بھگ بھیرہ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد میاں عبدالرحمان ۱۸۹۸ء میں قادیان میں جا کر مرزائیت میں داخل ہو چکے تھے۔ یوں فضل الرحمان ایک مرزائی گھرانے میں پیدا ہونے کی وجہ سے پیدائشی مرزائی تھے۔ ابتدائی

Marfat.com

تعلیم بھیرہ میں حاصل کی بعدازاں بی اے اور پھر بی ٹی کر کے تدریس کے شعبے سے منسلک ہو گئے۔ اس سرکاری ملازمت میں ہونے کے باوجود مرزائیت کے فروغ کے لئے کام کرتے رہے۔ جب ریٹائر ہوئے تو مرکز کی طرف سے انہیں بھیرہ میں جماعت کا امیر مقرر کر دیا گیا۔ ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۴ء تک وہ جماعت کے امیر رہے۔ اسی دوران انہیں ربوہ میں بھی خدمات سونپی گئیں۔ یہ عہد ان کے تیسرے خلیفہ کا تھا۔ ربوہ میں انہیں جامعہ احمدیہ میں تدریس کا کام دیا گیا اور وہ مختلف اوقات میں وہاں اردو فارسی اور انگریزی کے مضامین پڑھاتے رہے۔

فضل الرحمان بسمل کو اوائل عمری سے شاعری کا شوق تھا۔ فارسی اور اردو میں شعر کہتے۔ لیکن جماعت کی ذمہ داریوں اور تبلیغ کے باعث بہت زیادہ نہ لکھ سکے۔ مرزائیت کے لئے البتہ نظمیں وغیرہ لکھیں۔ جو تبلیغی اور اصلاحی حوالے سے تھیں۔ ان کے علاوہ حمد و نعت اور غزل بھی لکھی۔ ان کے بیٹے انجینئر محمود مجیب اصغر نے سارے کلام کو جمع کر کے ''جذباتِ دل'' کے عنوان سے کتاب شائع کروائی۔ اس ضمن میں ان کے بیٹے کا کہنا ہے:

> ''والد صاحب کو شعر و شاعری کا بھی شوق تھا اور خدام الاحمدیہ کیلئے فارسی میں نظمیں بھی لکھنے کا موقع ملا۔ جن میں سے بعض سلسلہ کے اخبارات و رسائل میں شامل ہوتی رہیں ان کے شعر و شاعری کا زمانہ بہت طویل ہے۔ کچھ کلام تو ضائع ہو چکا ہے۔ تاہم والد صاحب کی ۱۰ جنوری ۱۹۹۳ء میں وفات کے بعد جو نظمیں مل سکیں انہیں یکجا کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔'' [۱۷]

میاں فضل الرحمان بسمل جماعت کے اہم اور ذمہ دار فرد تھے۔ اس لئے انہیں ملک سے باہر بھی بعض اوقات بھیجا جاتا اور یہ ان کے تبلیغی دورے ہوتے۔ اس سلسلے میں انہیں بہت سے ممالک میں جانے کا موقع ملا۔

یہاں نمونے کے طور پر کی دو غزلیں پیش کی جا رہی ہیں تا کہ ایک روش پر لکھی گئی نظموں سے ہٹ کر ان کی غزل کے ا ب اور فکر کو سمجھا جا سکے۔

Marfat.com

میں نے پوچھا جانِ من دل میرا تیرے دل میں ہے　　تو جواب آیا مگر آیا وہ لفظ نل میں ہے
کیفیت نظر غضب کی مجھ سے پوچھو اے ندیم　　تیر جو قاتل کی چٹکی میں ہے میرے دل میں ہے
کامیابی کیلئے ہیں راہ میں دشواریاں　　پر شکستِ دائمی انسان کی باطل میں ہے
علم والا ہی رہے گا کامیاب و کامراں　　اور مایوسی سراسر قسمتِ جاہل میں ہے
گرچہ موتی مل سکیں گے بحرِ قلزم میں بہت　　زندگی آرام کی چاہو تو وہ ساحل میں ہے

اور کہاں سے ڈھونڈنے جاؤ گے تم مردِ حقیر
بے کسی کی ایک ہی تصویر اس بسمل میں ہے

☆

عشق والے یہ کام کرتے ہیں　　ہو کے بدنام نام کرتے ہیں
دن کو آہیں ہیں رات کو نالے　　چین اپنا حرام کرتے ہیں
ہے محبت ذرا نہیں نفرت　　خوش طبیعت کلام کرتے ہیں
ابنِ مریم ہو یا کہ ہو موسیٰ　　سب کا ہم احترام کرتے ہیں

ہم وہ ہیں جو کہ رات پچھلی پہر
ہاتھ باندھے قیام کرتے ہیں[۱۴۸]

جوہر نظامی

اصل نام عبدالغفور اور ادبی حوالہ جوہر نظامی تھا۔ جوہر تخلص کرتے اور دہلی میں خواجہ حسن نظامی سے ملاقات کے بعد ان سے متاثر ہونے کے باعث نظامی استعمال کیا۔ آپ ۶ جولائی ۱۹۰۹ء کو شاہ پور صدر ضلع شاہپور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے شناختی کارڈ پر یکم اکتوبر ۱۹۰۹ء تاریخ پیدائش تحریر ہے۔[۱۴۹]
آپ کے والد کا نام غلام حسین[۱۵۰] تھا۔ لیکن محسن عباس نے غلام حسن[۱۵۱] نام تحریر کیا ہے۔
راجا عبدالغفور (جوہر نظامی) نے ۱۹۲۶ء میں گورنمنٹ ہائی سکول سرگودھا سے میٹرک کا

Marfat.com

امتحان پاس کیا۔ اور ڈسٹرکٹ بورڈ میں ملازمت اختیار کر لی۔ ۱۹۴۹ء تک آپ نے بحیثیت سینئر کلرک ڈسٹرکٹ بورڈ میں خدمات انجام دیں۔ ۱۹۴۹ء میں تھل ڈویلپمنٹ اتھارٹی کا ادارہ قائم ہوا تو آپ اس ادارے میں آ گئے۔ ٹی ڈی اے کا صدر مقام چونکہ جوہر آباد تھا لہٰذا آپ ۱۹۵۲ء میں جوہر آباد منتقل ہو گئے۔

سرگودھا قیام کے دوران آپ نے کئی یادگار مشاعرے کروائے اور شاعری کو فروغ دینے کیلئے کئی اہم اقدامات کئے۔ جوہر آباد جب منتقل ہوئے تو یہاں ادبی سرگرمیوں کا دور شروع ہوا۔ اور ادبی حوالے سے بہت سے بڑے نام یہاں سے اٹھے یا یہاں رہنے کے بعد ابھر کر سامنے آئے۔ اس دور میں شکیب جلالی' احمد ہمیش' الطاف پرواز' شہزاد احمد' وغیرہ بھی جوہر آباد میں مقیم تھے۔

جوہر آباد میں ٹی ڈی اے سے ریٹائرمنٹ کے بعد کہیں اور جانا مناسب نہ سمجھا اور زندگی کے باقی ایام ادب کے لئے کام کرنے میں گزارے۔ ۱۰ جولائی ۱۹۹۶ء کو آپ کی زوجہ کا انتقال ہوا تو کچھ بجھ سے گئے اور پھر ۴۹ دن کے بعد ۱۸ اگست ۱۹۹۶ء کو آپ نے وفات پائی۔ جوہر آباد ہی آپ کا مدفن بنا۔[۱۵۲]

جوہر نظامی ایک سیدھے سادے مذہبی گھرانے کے چشم و چراغ تھے اور یہ سادگی و شرافت ساری زندگی آپ کے ساتھ رہی۔ بلکہ بزرگوں سے ملا یہ ورثہ آپ نے اپنی اولاد کو بھی منتقل کیا۔ پھر یہ کہ شاعری میں آپ نے جس لگن اور ذوق کو اپنایا وہ بھی بیٹوں کو ورثے میں دے دیا۔ آپ کے تین شعری مجموعے شائع ہوئے۔ ''لوحِ محفوظ'' ''وہمِ رسا'' اور ''برجِ نور'' لوحِ محفوظ کے فلیپ پر جناب وزیر آغا کی رائے کچھ یوں ہے:

> ''مجھے جوہر نظامی کے درویشانہ مسلک کی اولین جھلک سلطان علی ننگیانہ مرحوم کے میلے میں دکھائی دی۔ وہ جیسے میلے میں تنہا تھے۔ بعد ازاں جب ان سے بار بار ملاقات ہوئی تو میں جان گیا کہ وہ بھرے میلے ہی میں نہیں بھری کائنات میں بھی اکیلے ہیں یہی شاید ایک سچے فنکار کا طرہ امتیاز

Marfat.com

ہے۔" ۱۵۳

جوہر نظامی کا دوسرا شعری مجموعہ "وہم رسا" ہے۔ اس کے پس ورق پر سید ضمیر جعفری کی رائے شامل ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"جوہر نظامی سچے تجربوں، کھرے راستوں اور لفظوں کے قادر الکلام شاعر ہیں۔ سنبھلی ہوئی وضعداری میں چاک گریباں کی طرح داری کی آمیزش ان کے فن و فکر کی مخصوص پہچان ہے۔ شعری حوالے سے تھل کی ریت کو شاداب کرنے میں ان کی برساتوں کے نم اور غم کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔" ۱۵۴

میں نے جوہر نظامی کو مطالعے کے بعد جیسا پایا وہ میرا اپنا نقطہ نظر ہے۔ میں نے انہیں روایات سے جڑا ہوا پایا۔ انہوں نے غزل کی روایات کو سنبھالنے اور آگے لے کر چلنے کیلئے بڑے خوش آئندہ فیصلے کئے۔ ان کے اسلوبِ بیاں میں ایک روانی ہے۔ خیالات بھی سادہ لفظوں میں عام فہم ہیں اور علامات وغیرہ کی بھی بھرمار نہیں۔ بلکہ حیران کن تراکیب سے بھی اجتناب برتتے ہیں۔ اسی لئے شاید ان کے اشعار یادداشت میں اپنی جگہ بنا لیتے ہیں۔ آپ کے کلام کے بارے جناب غلام نبی اعوان اپنا نظریہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جوہر کے ہاں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے لفظ بولتے نہیں بلکہ گنگناتے ہیں۔ اس کا حرف حرف مترنم ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ لفظ صرف اس کے سامنے گنگناتے ہیں جو ان لفظوں کا شناسا ہو۔ جوہر کی غزل بڑی مرصع اور مترنم ہوتی ہے۔ وہ الفاظ کا استعمال اس خوبی سے کرتا ہے کہ مترادفات کی جرات کوئی نہیں کر سکتا۔ جو لفظ جہاں اس نے لگا دیا اگر اسے دائیں بائیں کیا جائے تو شعر کی شاندار عمارت دھڑام سے زمین پر آ رہتی ہے۔" ۱۵۵

جوہر کا رنگ سخن ملاحظہ فرمایئے

جو تھا نصیب میں وہ بیش و کم خرید لیا ۔۔۔ خوشی ہوئی نہ میسر تو غم خرید لیا

Marfat.com

مسرتوں کے خزانے لٹا دیئے میں نے　　غلط ہے مفت میں احساسِ غم خرید لیا
جفا کے پردے میں تیری وفائیں مضمر ہیں　　کہاں سے تو نے یہ طرزِ ستم خرید لیا
بس اک فسردہ تبسم تھی کائنات مری　　یہ بے سبب نہیں آنکھوں کا نم خرید لیا
زیاں نصیبی سوداگرانِ عشق نہ پوچھ　　زیادہ بیچ دیا اور کم خرید لیا
مری نگاہ میں ہے اک متاعِ بے مایہ　　وہ سازِ عیش جو بے سوزِ غم خرید لیا
ستم ظریفی اربابِ اقتدار نہ پوچھ
مذاقِ غیرتِ اہلِ قلم خرید لیا ۱۵۶ے

☆

دل جس سے معطر ہے تری گل بدنی ہے　　بلبل میں ترا لہجہ شیریں سخنی ہے
سستاؤ ذرا ہمسفر و چھاؤں گھنی ہے　　شاید یہی انعام غریب الوطنی ہے
میں کون ہوں اک عمر سے یہ سوچ رہا ہوں　　اک چادرِ اوہام ہے جو سر پہ تنی ہے
وہ جس نے مرے زخموں کو گلزار کیا ہے　　کہتے ہیں ترا غمزۂ ناوک فگنی ہے
کیوں جھوٹ سے بیزار ہے سفاک زمانہ　　سچ بولنے والا بھی تو گردن زدنی ہے
منسوب ہے کیوں سرخیِ دامانِ شفق سے　　وہ ہونٹ تو ہمرنگِ عقیقِ یمنی ہے
وہ مردِ قلندر جسے کہتے ہیں نظامی
افلاس کا مارا ہے مگر دل کا غنی ہے ۱۵۷ے

غلام جیلانی باصر

ضلع سرگودھا میں بھیرہ کی آبادی جتنی پرانی ہے اتنی مردم خیز اور ادبی حوالے سے نمایاں ہے۔ اس شہر میں ادبی شخصیات دیگر مکتبہ ہائے فکر کے ساتھ ساتھ چلتی اور اس شہر کی عزت واحترام کو واضح کرتی رہی ہیں۔ بہت سے دیگر شعراء اور ادباء کی طرح خواجہ غلام جیلانی باصر بھیروی کا کلام تو

Marfat.com

گاہ گاہ پڑھنے میں آ جاتا ہے لیکن افسوس کہ شخصی کیفیات کے صفحات ان کے تعارف سے خالی ہیں۔ ان کے بارے جو ابتدائی علم مجھے ہوا وہ یہ کہ ۲۹ اگست ۱۹۳۰ء کو لالو والی مسجد بھیرہ میں انجمن نور اسلام کے ہونے والے جلسہ میں وہ شامل تھے۔ اور اس وقت بھی اپنی ادبی پہچان رکھتے تھے۔ آپ چونکہ زیادہ عرصہ بھیرہ سے باہر رہے اس لیے بھیرہ میں کم لوگ آپ سے واقف ہیں۔ آپ لاہور میں ملازمت کرتے تھے اور چیف سنٹرل انسپکٹر میونسپل کارپوریشن لاہور کے عہدے پر فائز رہے۔ باغبانپورہ میں رہائش پذیر تھے۔ بھیرہ سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''شمس الاسلام'' کے نومبر ۱۹۳۳ء کے شمارے میں آپ کا مضمون ''مرزائے قادیانی کی دماغی حالت۔ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں دلآزار گستاخیاں'' شامل تھا اور آپ کا ایک نعتیہ مجموعہ گلہائے عقیدت کے نام سے ۱۹۷۵ء میں شامل ہوا تھا۔ پھر آپ اگست ۱۹۹۰ء تک ہر دو تیسرے شمارے میں کسی نہ کسی حیثیت سے شامل ہوتے۔ اس سے تو یہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۹۰ء تک زندہ تھے۔ بہر حال آپ کے کوائف کی تلاش میں مجھے ناکامی رہی۔ ان کا کلام بھی زیادہ تر حمد و نعت اور اخلاقیات کے علاوہ تاریخ گوئی وغیرہ پر یا خاص مواقعوں کی نسبت سے ہمیں ملتا ہے۔ مولانا ظہور احمد بگوی کی وفات (۱۹۴۵ء) پر بھی ان کی سوز و غم میں ڈوبی ہوئی دو نظمیں ملتی ہیں۔ ایک نظم دیکھیے۔

گوہر نایاب

اے شہیدِ ملتِ عالی ہمم والا تبار
اے فقیہ اعظم و بطلِ جلیلِ ذی وقار

تیرے دم سے گلشنِ علم و عمل تھا پُر بہار
تیری مرگِ ناگہاں نے کر دیا سینہ فگار

جذبۂ احقاقِ حق سے دل تیرا سرشار تھا
لشکرِ اعدائے دیں سے برسرِ پیکار تھا

تیرے سینے میں تھی ایماں کی تجلی جلوہ گر
پائے استقلال میں آئی نہ لغزش عمر بھر

فہم و تدبیر و بصیرت میں تھا یکتائے زماں
عزت و عظمت کا تیری معترف ہے اک جہاں

ہیں ترے رشحاتِ خامہ دل نشین و دل ستاں
حکمتِ ایمان و عرفاں کا پیامِ جاوداں

Marfat.com

کس قدر پرجوش و درد انگیز ہر تقریر تھی
روح پرور اور معنی خیز ہر تحریر تھی

آہ تجھ پر گردشِ افلاک غالب آ گئی
تیرہ بختی زندگی ضوفشاں پر چھا گئی

مرگِ ظالم نے نہ چھوڑا گوہرِ نایاب کو
خون کے آنسو رلائے حلقۂ احباب کو

عالم و فاضل یہاں موجود ہیں گو بے شمار
لیکن ایسا مخلص و بے لوث و بے حد جاں نثار

مردِ مومن والا و گرویدۂ دینِ متین
وائے بدبختی کہ ہم کو مل نہیں سکتا کہیں

یاد کر کے تیرے الطاف و کرم مہر و وفا
وصفِ اخلاص و مروت خوبیٔ صدق و صفا

باصرِ محزوں عقیدت مند دیرینہ ترا
دردِ مہجوری و حسرت میں رہے گا مبتلا

تیری تربت پر ہمیشہ بارشِ انوار ہو
خلق مصروفِ دعا ہو رحمت غفار ہو ۱۵۸

نعت محبوب رب ﷺ

میں بھی ہوں روزِ ازل سے جاں نثارِ مصطفیٰؐ
رات دن میری نظر میں ہے دیارِ مصطفیٰؐ

خوش نصیبی پر مجھے اپنی جہاں میں ناز ہو
میں اگر ہو جاؤں خاکِ رہ گزارِ مصطفیٰؐ

اپنے سینے میں بسائے پھر رہا ہوں رات دن
دل کے آئینے میں ہیں نقش و نگارِ مصطفیٰؐ

یہ عروجِ حسن، یہ توقیرِ فخرِ دو جہاں
مصطفیٰؐ کا خود ہے طالب کردگارِ مصطفیٰؐ

میں تڑپتا ہوں حضوری کیلئے شام و سحر
کاش دیکھیں یہ نگاہیں جلوہ زارِ مصطفیٰؐ

ان سے حاصل گلشنِ دیں کو ہوئیں شادابیاں
شبرؓ و شبیرؓ ہیں جانِ بہارِ مصطفیٰؐ

جس کی توصیف و ثنا میں ہے خدا رطب اللّساں
دونوں عالم میں ہے وہ حسنِ وقارِ مصطفیٰؐ

جان وہ کیا جو نہ ہو نامِ محمدؐ پر نثار
دل وہ کیا ہے جو نہ ہو آئینہ دارِ مصطفیٰؐ

روحِ رحمت سرورِ کونین پر لاکھوں سلام
جان سے دل سے ہے باصر بھی نثارِ مصطفیٰؐ ۱۵۹

Marfat.com

ناسک امرتسری

آپ کا نام غلام نبی میر تھا۔ اور یہ نام بحیثیت نثر نگار مطالعے کے دوران کئی بار میری نظروں سے گزرا لیکن میرے علم میں یہ نہیں تھا کہ اس شخصیت کا تعلق سرگودھا سے بھی ہو سکتا ہے اور آج جب اس نام اور آپ کے کلام کو ڈھونڈنے کی کوشش کی تو ناکام رہا۔ دراصل میں سرگودھا کے مین قبرستان میں سے کتبوں کو نقل کر رہا تھا تو ایک قبر نے مجھے روک لیا۔ کتبے پر درج ذیل الفاظ درج تھے۔

''حضرت علامہ غلام نبی میر ناسک امرتسری سالارِ اعلیٰ مجلسِ احرار
جان نثار ختم نبوت، امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خاص پیروکار تاریخ
وفات ۲۲ ذوالحجہ ۱۴۱۴ھ بمطابق ۳ جون ۱۹۹۴ء بروز جمعۃ المبارک''

اس قبر کے چاروں طرف اردو اور فارسی میں کچھ اشعار رقم ہیں جن میں ناسک بطور تخلص موجود ہے۔ یوں یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں کہ علامہ غلام نبی میر ناسک اردو اور فارسی کے شاعر تھے اور وہ بھی منجھے ہوئے اور کافی کلام کے مالک۔ کیونکہ اُن کی وفات کے بعد جب قبر کو پختہ بنوایا گیا تو اُن کے ایسے اشعار جن کا تعلق اسی حوالے سے ہو تلاش کرنے میں کافی کلام پڑھا گیا ہوگا۔ بہرحال میر ناسک کے جو اشعار اُن کی قبر کے چاروں طرف لکھے گئے ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

ہیں شش جہات میں پھیلے غلامِ بولہبی — جلاؤ پھر سے چراغ محمدؐ عربی

☆

نگینِ خاتمِ محبوب بن نہیں سکتا — کٹے نہ سان پہ ناسک جو مثل سنگ عقیق

☆

ذات تو کنز مخفیا عشق راجستجوئے او — آنچہ زعشق شدعیاں، خواہش خود نمائے تو
شوق وجنوں کہ دادہ ای دل راکشاں کشاں برو — گاہ بہ سوئے مقتلے گاہ بہ سوئے کوئے تو
تو کہ بروئے ذات خود افگنی پردہ صد ہزار — باایں ہمہ حجاب ہامارا نمود روئے تو

Marfat.com

گرچہ وجودِ کائنات جلوہ نمود صد ہزار　　ناسک علاقہ ای نہ داشت لاؔ ولائے ہوئے تو

☆

بادۂ عشق کا ریاغ ہیں ہم　　جذبِ رفتہ کارک سراغ ہیں ہم
جہل وتشکیک کی فضاؤں میں　　پر یقیں عزم کا بلاغ ہیں ہم
کفر جس کو کبھی بجھا نہ سکا　　دینِ حق کا وہی چراغ ہیں ہم
خادمِ مرسلیں کے ہم خادم
ہو کے درویش شہ دماغ ہیں ہم [۶۰]

بدرالدین بدر

بدرالدین نام اور بدر تخلص تھا۔ آپ پاہڑیا نوالی تحصیل پھالیہ ضلع گجرات میں ۱۹۰۹ء میں پیدا ہوئے۔ یہ علاقہ ایسا تھا کہ یہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی اور مسلمان کم تعداد میں تھے۔ جس کا اثر بچپن میں ہی بدرالدین کی ذات پر بھی پڑا۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

> ''تیسری جماعت میں تھا جبکہ بڑے بھائی اور ہمشیرہ کی شادی ہوئی۔ باراتیوں کی تواضع کیلئے گائے ذبح کی گئی۔ ہندوؤں نے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ ایک سکھ لڑکا بھی مارا گیا اور یوں گھر سے بے گھر ہونا پڑا۔ صحت اور تعلیم دونوں اس سے متاثر ہوئے۔ ذاتی مطالعہ سے بہت کچھ سیکھا۔'' [۶۱]

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ کی سکولنگ یہیں تک محدود رہی ہوگی۔ اس پر یہ ہوا کہ اسی بے گھری کے عالم میں کم عمری میں ہی شادی ہوگئی اور چند سال بعد رفیقہ حیات ایک بچے کو جنم دے کر راہی ملک عدم ہوئی تو آپ فوج میں بھرتی ہو گئے۔ اسی ملازمت کے دوران آپ نے دوسری شادی کی۔ فوج میں آپ نے سپاہی رینک کی ملازمت پوری کرنے کے بعد پنشن لی اور ۱۹۴۶ء میں کویت چلے گئے۔ پروفیسر ہارون الرشید تبسم کے مطابق:

Marfat.com

''انہوں نے برٹش آئل کمپنی یعنی B.O.C میں ملازمت اختیار کر لی۔ وہ ۱۹۴۶ء سے ۱۹۶۱ء تک ملازمت کرتے رہے۔ جب وہ کمپنی کویت سے برطانیہ منتقل ہوگئی تو بدرالدین بدر نے برطانیہ جانے کی بجائے پاکستان آنے کا فیصلہ کر لیا۔'' ۱۶۲

یہ عرصہ ۱۵ سال بنتا ہے۔ جبکہ بدر صاحب نے لکھا ہے:

''بیس سال بعد وطن عزیز کو واپسی ہوئی۔ سرگودھا میں رہنا پسند کیا۔ اب تک ۱۸ سال ہو چکے ہیں۔ جو بچے ماں کی گود میں لائے تھے وہ ابھی زیرِ تعلیم ہیں اور جو بڑے تھے وہ بی۔ اے کی ڈگری لے چکے ہیں۔'' ۱۶۳

یہ تحریر ۱۹۷۸ء کی ہے۔

بدرالدین بدر نے ذاتی طور پر مطالعے سے فارسی میں بھی شد بد حاصل کی۔ تمام بڑے شعراء کو پڑھا۔ اردو ادبیات پر عبور حاصل کیا۔ جب بھی وقت ملا پڑھنے کے علاوہ شعر بھی لکھ لئے۔ سرگودھا میں آنے کے بعد اگرچہ گمنامی کی زندگی گزاری لیکن کبھی کبھی وزیر شیرازی کی بیٹھک پر بھی جاتے اور دیگر اہلِ ادب سے بھی ملاقات وغیرہ رہتی۔ آپ خود سرگودھا کی اس زندگی کے بارے تحریر کرتے ہیں کہ:

''سرگودھا کی زندگی کو میں اپنی گمنامی کی زندگی کہوں یا کم آمیزی کی کہ محلے والوں سے بھی ابھی تک محتاج تعارف ہوں۔'' ۱۶۴

۱۸ سال اس شہر میں گزارنے کے بعد آپ کا یہ بیان ہے۔

بدرالدین بدر کے دو شعری مجموعے ''جمالِ بدر'' اور ''خیابانِ بدر'' شائع ہوئے۔ دوسرے مجموعے کی اشاعت کے تین سال بعد ہی آپ ۱۱ ستمبر ۱۹۸۸ء کو اس جہانِ فانی کو الوداع کہہ گئے۔ ۱۶۵

انور سدید کا کہنا ہے کہ:

''سادگی اور معصومیت ان کی شعری شخصیت کا خاصہ ہے۔ ان کی غزل غمِ زمانہ سے پاک ہے اور غمِ زمانہ کبھی ان پر یورش کرنے کی کوشش بھی

Marfat.com

کرے تو وہ بڑی خوبصورتی اور دانائی سے طرح دے جاتے ہیں اور غمِ محبوب کو اپنے گلے سے لگا لیتے ہیں کہ اس کے بغیر غزل میں روشنی پیدا نہیں ہوتی۔"[۱۶۶]

غزل

گر تری راہ میں فطرت کے قوانین نہیں پھر تو تقدیر کوئی آئینِ تسکین نہیں
زندگی بنتی ہے انساں کی عمل سے لیکن مردہ قوموں کے لئے کوئی عمل دین نہیں
پاس خودداری کا جس شخص میں احساس نہ ہو ہے تو انسان مگر قابلِ تحسین نہیں
حسن تو ہر جگہ موجود ہے لیکن افسوس تو نگہ باز نہیں تو ہی نگہ بین نہیں
جلوہِ طور اگر دیکھے تو موسیٰ دیکھے سب تجھے دیکھیں کہ تو فلم کی سکرین نہیں

تو غزل بدر بہر رنگ سجا لیتا ہے!
کوئی مصرع بھی ترا تشنہ تزئین نہیں[۱۶۷]

☆

رگوں میں روحِ رومی ہے نہ شوقِ بوعلی دل میں
کھلے پھر کس طرح عشقِ الٰہی کی کلی دل میں
جہاں کے سب گلی کوچے مجھے سنسان لگتے ہیں
بسی ہے جب سے تیری پاک بستی کی گلی دل میں
ہے تیرا حسن تو ہر سو فروغِ دیدہء عالم
تجھے میں ہوبہو دیکھوں لگن ایسی لگی دل میں
محیطِ زینتِ شانہ کشِ زلفِ عروساں ہوں
مگر اس زلف کی تیری شکن ہی بس گئی دل میں
بدن کی ہر رگِ جاں میں محبت کا تیری یہ درد
کبھی ہوتا ہے سر میں گاہ جگر میں اور کبھی دل میں

Marfat.com

مسیحِ شہر کرتا ہے علاج جسم و جاں لیکن
محبت کی نکالے کون جو نشتر چبھی دل میں
بیاں نہ کر سکا ان کے جلالِ حسن سے اے بدر
وہ آئے بھی مگر خواہش جو تھی دل کی رہی دل میں ۱۶۸

قاضی عزیز احمد

قاضی عزیز احمد المتخلص عزیز ۳۱ مئی ۱۹۱۰ء کو قاضی عطا محمد کے گھر خوشاب میں پیدا ہوئے۔آپ ایک عالمِ دین اور مجاہد تھے۔لیکن شاعری،ادب اور خطاطی آپ کے من میں رچے بسے تھے۔جب کہ حکمت میں بھی آپ اپنی پہچان رکھتے تھے۔اسی طرح صحافت کے میدان میں بھی آپ کی خدمات کونظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

قاضی عزیز احمد نے تحریکِ پاکستان کے دوران خاکسار تحریک کے سرگرم رکن کی حیثیت سے کام کیا۔۱۹۴۸ء کی کشمیر کی جنگ میں جہاد کیا بعد ازاں سول ڈیفنس میں بھی کام کیا۔علامہ اقبال سے آپ کو محبت تھی۔جب تک وہ زندہ رہے شعر کہا اس کے بعد شعر کہنا ترک کر دیا۔اسی لیے آپ کا کلام آج دستیاب نہیں۔ایک شعری مجموعہ بعنوان ''فکرِ فردا'' شائع ہوا تھا جو اب نایاب ہے۔البتہ نثر نگاری کا سلسلہ جاری رہا اور درج کتب منظرِ عام پر آئیں۔

۱۔اصطلاحاتِ قرآن،۲۔مرآۃ التوضیح،۳۔تحفظ کی راہ،۴۔الا دین الاتقسیم،

۵۔ضرورتِ امام،۶۔حرمتِ امام ۱۶۹

آپ نے ۹۵ سال کی عمر میں ۲۰۰۵ء میں خوشاب میں ہی وفات پائی۔

ناکامیِ علاج سرِ دار تو دیکھو — گردن تو کئی بار سرِ دار گئی ہے
صد شکر اندھیروں میں بھی رستہ نہیں بھولے — ابھری ہے سحر اور شب تار گئی ہے
اے ڈھونڈنے والو مجھے واپس نہ بلاؤ — منزل کے نشانوں میں نظر ہار گئی ہے

Marfat.com

کشتی کو کناروں سے محبت تھی وگرنہ ملاح کی تدبیر تو بے کار گئی ہے
اے درد محشر تیری مخلوق ابھی تو آئی تھی تو مند پہ بیمار گئی ہے
تم پر تو ہے مفلوج علالت بھی امیرو
غربت تو سرِ دار کئی بار گئی ہے ۔ ۱۷

ملک خادم حسین

ملک خادم حسین ۱۹۱۰ء کے لگ بھگ ملک محمد رمضان کے ہاں موضع بلوزز دمٹھہ ٹوانہ ہڈالی میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد فوج میں بھرتی ہو گئے۔ ۱۸ آپ آرمرڈ کور میں بحیثیت کلرک خدمات انجام دیتے رہے۔ یہ یونٹ ۱۸ ٹوانہ لانسرز کے نام سے مشہور تھی کیونکہ ملک عمر حیات ٹوانہ اس یونٹ کے اخراجات برداشت کرتے تھے اور انہی کی یونٹ سمجھی جاتی تھی۔ پاکستان کے قیام کے بعد ۱۸ لانسرز کا نام ۱۹ لانسرز کر دیا گیا۔ جس نے حمید گل، توقیر ضیا، تنویر نقوی اور عارف حسن جیسے جرنیل پیدا کئے۔

۱۹۴۴ء میں ملک خادم حسین جبکہ جمعدار تھے تو ان کا شعری مجموعہ ''دیوان خادم'' شائع ہوا۔ جس کا دیباچہ اس کی یونٹ کے کمانڈنگ آفیسر لیفٹیننٹ کرنل جی۔ ایچ۔ کرجلی نے لکھا تھا۔ ۲۰
اسی دوران خادم حسین نے اپنے والد کے ہمراہ مرزائیت اختیار کر لی۔

جمعداری سے ہی انہیں کمشن مل گیا اور پھر قیام پاکستان کے تھوڑا عرصہ بعد ہی انہوں نے ریٹائرمنٹ لے لی تب آپ کیپٹن کے عہدے پر فائز تھے۔ وہ چونکہ مرزائی تنظیم کے سیکرٹری تھے اس لئے گاؤں میں رہنا ان کے لئے کچھ مشکل تھا تب وہ والدین اور بچوں کے ہمراہ لاہور منتقل ہو گئے اور شاہ عالم مارکیٹ میں رہائش رکھی لیکن چند ماہ بعد ہی ربوہ منتقل ہو گئے۔ یہیں ان کے والد نے ۷۰ سال کی عمر میں ۵ دسمبر ۱۹۵۵ء کو وفات پائی۔ دیوانِ خادم کا دوسرا ایڈیشن یہیں سے ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔ ربوہ (موجودہ چناب نگر) میں انہیں کچھ اہم خدمات سونپی گئیں اور اسی سلسلے میں مرزائیت پر

Marfat.com

ایک کتاب بھی انہوں نے لکھی۔''۱۹۷۴ء میں چناب نگر میں ہی وفات پائی اور خصوصی قبرستان میں دفن ہوئے۔ان کے بیٹے کینیڈا میں جا کر آباد ہوئے۔'' ۳ے

راقم نے قبر پر کتبہ دیکھنے کی خواہش کا اظہار چناب نگر میں مرزائیوں کے متعلقہ صاحبان سے کیا۔لیکن اجازت نہ مل سکی۔البتہ لائبریری کے چیف لائبریرین نے وفات کے سلسلے میں ستر کی دہائی کی تصدیق کی۔

خادم حسین ملک نے اپنی شاعری میں جن اصناف کو برتا ہے۔ان میں حمد، نعت، قطعہ، نظم اور غزل شامل ہیں۔دوسرے ایڈیشن میں کئی غزلیں اضافی شامل کی گئی ہیں۔شاعری میں روایات کی پاسداری اور ایک بے ساختہ پن ہے۔آج سے تقریباً ۶۵ یا ۷۰ سال قبل کہے گئے ان اشعار کو ہم آج کے اشعار پر اگر منطبق کرنا چاہیں تو اسلوب اس کی قدامت کا اشارہ دیتا ہے۔اس کلام کے مطالعہ سے جو تصورِ زندگی ابھر کر قاری کے ذہن پر مرتسم ہوتا ہے اس میں پر خلوص جذبہ اور احساس بالکل واضح ہے۔

کیا بتائیں کہ ترے عشق میں کیا کیا دیکھا　　چرخ کا جور مقدر کا بگڑنا دیکھا
بہر پابوس وہیں اٹھا غبارِ مجنوں　　وادیٔ نجد میں جو ناقہ لیلیٰ دیکھا
خوب ہے پردہ نشیں وہ ترا کیا کہنا مگر　　جس کو بھی دیکھا ترے حسن کا شیدا دیکھا
عمر بھر رہتے ہیں ناشاد محبت والے　　بزمِ ہستی میں یہ دستور نرالا دیکھا
مٹ گئے تجھ سے محبت میں ہزاروں خادم
ہم نے دنیا میں ہے لاکھوں کا تماشا دیکھا ۴ے

☆

مری تقدیر میں رونا تڑپنا یار لکھا تھا　　ازل سے میرے حصے میں کسی کا پیار لکھا تھا
نہیں مٹتیں یہ تحریریں جو ہیں قسمت کی زنجیریں　　میری آنکھوں کا گویا ان سے ہونا چار لکھا تھا
محبت کا جواب ہنس کر دیا تھا اس نے نفرت سے　　جہاں تحریر تھی گل کی وہاں پر خار لکھا تھا
گلہ مجھ کو نہیں ان سے پڑے پردے تھے آنکھوں پر　　ذلیل ہونا محبت میں سرِ بازار لکھا تھا

Marfat.com

خفا ہونا بجا تیرا جفا سہنا بجا میرا مقدر میں ازل سے یوں مری سرکار لکھا تھا

تمنا ہے کہ محشر تک رہے نظرِ کرم مجھ پر خوشا قسمت کہ سجدے کو ترا دربار لکھا تھا

ہوا افسوس کیوں اتنا تمہیں خادم کے مرنے کا

ازل سے اس کی قسمت میں نشانِ دار لکھا تھا ۵ے۱

ڈاکٹر محمد شریف قیصر

ڈاکٹر محمد شریف المتخلص قیصر ۱۹۱۰ء میں اس وقت کے رواج کے مطابق اپنے ننھیال رسول پور مفتیاں، شادیوال ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدین سرگودھا کے گاؤں چک نمبر ۷۵ جنوبی میں سکونت پذیر تھے۔ آپ کی تعلیم کی ابتداء اسی چک سے ہوئی جو بھاگٹانوالہ سے ہوکر سرگودھا میں میٹرک کا امتحان پاس کرنے پر آ کر ٹھہری۔ بعدازاں آپ نے ایل ایس ایم ایف کیا اور طب کے شعبہ سے منسلک ہو گئے۔ آپ کے والد مفتی محمد فاضل طبیہ کالج دہلی سے فارغ التحصیل تھے۔ آپ نے بھی انہیں سے طب کے اسرار و رموز سیکھے۔

ڈاکٹر محمد شریف قیصر سیاست کے خارزار میں بھی رہے۔ پہلے کانگریس اور پھر خاکسار تحریک میں شامل رہے لیکن جب مسلم لیگ کی مسلمانوں کے لیے الگ مملکت کے حصول کی جدوجہد دیکھی تو مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور پھر پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ آپ نے مسلمان بچوں کی تعلیم کے لیے سرگودھا میں اقبال مسلم ہائی سکول کی بنیاد رکھی۔ آپ نے ۱۹۳۷ء میں ایک ہفت روزہ اخبار ''ہمدرد'' جاری کیا جو اکتوبر ۱۹۳۹ء تک شائع ہوتا رہا۔ آپ نے اپنی ان پڑھ شریکِ حیات کو تعلیم دلوائی اور اپنے گاؤں میں بچیوں کی تعلیم کے لیے ایک سرکاری سکول کھلوا کر اُسے وہاں بچیوں کی تدریس پر مامور کیا۔ اسی طرح طبی شعبے میں بھی غرباء کے لیے مفت علاج کا انتظام کیا۔

ڈاکٹر محمد شریف قیصر نے عین جوانی یعنی ۱۹۴۵ء میں وفات پائی اور چک نمبر ۷۵ جنوبی کے قبرستان ہی دفن ہوئے۔

Marfat.com

ہفت روزہ ''ہمدرد'' میں آپ کی نظمیں جو شائع ہوئیں۔ آپ کے بیٹے طارق مفتی ایڈووکیٹ نے انہیں یک جا کر کے کتابی صورت میں ''دیوانِ قیصر'' کے نام سے شائع کروادیا ہے۔ ان نظموں کے مطالعے سے آپ کی فکری اُپج اور جذبۂ قومی کا صحیح ادراک ہوتا ہے۔ آپ نے اپنی شاعری میں کسانوں، دہقانوں اور دیہات کے غریب عوام کے مسائل پر کچھ اس طرح روشنی ڈالی ہے کہ شعری ذوق کی تسکین بھی ہوجاتی ہے اور اس طبقے کے عوام کو راہِ عمل کے تعین میں رہنمائی بھی مل جاتی ہے۔

درسِ اخوت

اے مسلماں یاد کر تو اپنی کہنہ داستاں — گونجتی دیر و حرم میں تھی تری اونچی اذاں

تھی تمہاری بے گماں کثرت کبھی وحدت میں گم — منتشر وحدت تری کثرت میں ہے اب بے گماں

بھول بیٹھا ہے تو کُلُّ مومنونَ اخوۃ — دل میں وہ باقی نہیں بے تابیاں ہم دردیاں

ایک مومن پر کبھی جب ہو مصیبت کا نزول — اُس پہ گر پتا گرے تجھ پر گرے کوہِ گراں

اس میں کوئی ہو عرب یا مغل یا افغاں ہو — مشترکہ سب مسلمانوں کا ہے سود و زیاں

پھیپھڑا، سینہ، دماغ و چشم اور قلب و جگر — ایک تن کے عضو ہیں گو ہیں جدا ان کے مکاں

سوچ دل میں تو اے مسلم سن کے قیصر کی مثال
پھیکے ہیں پکوان تیرے اونچی ہے تیری دکان

کب تک

کب تلک اے آسماں تیرا بیاں سنتے رہیں — تا بکے اغیار کی ہم پھبتیاں سنتے رہیں

آہ کب تک سہتے جائیں یہ تیرے جور و ستم — تا کجا مظلوم کی آہ و فغاں سنتے رہیں

متحد ہو جائیں گے ہندوستان ایک دن — تا کجا یہ تفرقوں کی داستاں سنتے رہیں

ڈوب کر مرجائیں کیوں نہ شرم سے سب نوجواں — کب تلک یہ طعن و تشنیع بتان سنتے رہیں

کب تلک پہنے رہیں طوقِ غلامی ہم نفس — تا کجا اغیار کی ہم جھڑکیاں سنتے رہیں

Marfat.com

ہو چکا لبریز اب پیمانۂ صبر و شکیب تا کجا تقدیر کی سرگوشیاں سنتے رہیں
ہم نہ قیصر بننے کی ٹھانیں تو پھر بتلاؤ کیا
وعدۂ آزادی ہندوستاں سنتے رہیں ۱۷۶

مرزا ماموں انور

''یہ خاکسار مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۰ء عید الفطر کی صبح لودھیانہ (حال بھارت) میں والدین کی پہلی اولاد بن کر اس دارِ فانی میں وارد ہوا۔ اولادِ نرینہ کی آرزو برآنے پر میرے عالم فاضل بزرگوں نے ماموں انور نام رکھا۔ یہ دونوں الفاظ عربی زبان کے ہیں جن کا لغوی مفہوم ہے وہ خوبصورت شے جس کی امید یا انتظار تھا۔ لیکن رائے عامہ اور ابتدائی درسگاہوں نے اس نام کی بلاغت کو تسلیم و قبول نہ کیا اور غلط العام معمول انور سکولوں کالجوں کے رجسٹروں پر چڑھتا رہا اور شہرت پا گیا۔ ۱۷۷

جناب ماموں انور کی ذاتی تحریر سے ایک تو اُن کے نام غلط العام ہونے کی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ دوسرا ''نقوشِ سرگودھا'' ۱۷۸۔ ''داستان سرگودھا'' ۱۷۹۔ ''سخنورانِ سرگودھا'' ۔۱۸۰ اور ''اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر'' ۱۸۱ میں درج تاریخ پیدائش ۱۱۰ اکتوبر غلط ہونے کا علم ہوتا ہے۔ ابتدائی تعلیم دہلی سے حاصل کی۔ آپ اسلامیہ ہائی سکول لدھیانہ میں آٹھویں جماعت کے طالب علم تھے جب پہلی نظم چاند کے عنوان سے لدھیانہ کے ہفت روزہ اخبار ''الاصلاح'' کے پہلے صفحہ پر شائع ہوئی۔ اس سے حوصلہ بڑھا اور تواتر سے لکھنے لگے۔ میٹرک، ایف اے، ادیب فاضل اور بی اے میں اسی باعث اچھے نمبر نہ لے سکے۔ آپ کے والد مرزا مقبول حسن ملازمت کے سلسلہ میں چونکہ مغربی پنجاب (موجودہ پاکستان) آ گئے تھے۔ لہٰذا ایف اے اور بی اے جھنگ سے کیا بعد ازاں سیشن کورٹ سرگودھا میں بطور ایگزامینر تعینات ہو گئے۔ یہ شاید ۱۹۳۰ء کا زمانہ تھا اور پھر آپ یہیں کے ہو رہے اسی

Marfat.com

سال جب دہلی گئے تو نواب سراج الدین سائل دہلوی کے ہاں ایک مشاعرہ میں پڑھنے کا اتفاق ہوا تو اُن کے مشوروں پر عمل کرتے ہوئے آئندہ ترنم سے پڑھنے لگے۔ اُس دور میں آپ نے سرگودھا، جھنگ، لدھیانہ اور دہلی کے علاوہ بمبئی کے خلافت ہاؤس میں مولانا شوکت علی کی صدرات میں اور انجمن حمایت اسلام لاہور میں علامہ اقبال کی صدارت میں منعقد ہونے والے مشاعروں میں کلام سُنا کر داد وصول کی۔ ۱۵ اگست ۱۹۳۲ء کو آپ نے ہفتہ وار ادبی اخبار ''القالہ'' شروع کیا جس کی تیسری کاپی میرے سامنے ہے اور اس کے پہلے صفحہ پر غزل بعنوان ''شب ماہتاب'' چھپی ہوئی ہے ۔

وہ جوئبار پہ مہتاب کا چٹک جانا　　کشش کے جوش سے امواج کا چھلک جانا
وفورِ درد سے اٹھنا وہ ہوک کا دل میں　　قرار صبر کا پھر لاکھ سر ٹپک جانا
مثالِ ماہ پسِ ابر دیدۂ تر میں　　رخِ نگار کا بے ساختہ جھلک جانا
مسل کے دل کو کلیجے میں چٹکیاں لے کر　　نسیمِ سرد کا جھونکوں سے پھر تھپک جانا

شمیمِ غنچۂ رنگِ خیال سے انورؔ
فضائے باغِ دلِ زار کا مہک جانا [182]

آپ کا شعری مجموعہ ''صحیفہ'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ جس میں سے انتخاب ''بزمِ ادب سرگودھا'' کے ۲۰ دسمبر ۱۹۳۶ء کے غیر طرحی مشاعرہ میں ترنم سے آپ نے سنایا [183] ''داستانِ سرگودھا'' [184] اور ''اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر'' [185] میں ان کی ایک انگریزی شہرہ آفاق کتاب۔ "The law of Equality" کے بارے بھی پتہ چلتا ہے جس کا اردو ترجمہ انہوں نے ''قانونِ مکافات'' لکھا ہے۔ لیکن ''قانون مکافات'' کے نیچے جو انگریزی میں الفاظ درج ہیں وہ ہیں۔ "The Law of Retribution" [186]

جناب مرزا امول انور ۱۹۵۰ء میں ایسٹرن فیڈرل یونین انشورنس کے ڈویژنل منیجر مقرر ہوئے اور ۱۹۷۸ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔ قانونِ مکافات کی اشاعت ۱۹۹۰ء میں ہوئی۔ آپ نے بہت سا تحریری ورثہ چھوڑا جو شاید غیر محفوظ ہاتھوں میں چلا گیا۔ انشورنس کمپنی کے گورنمنٹ

Marfat.com

کی تحویل میں چلے جانے کے بعد آپ نے بچوں کو انگریزی، اردو اور پنجابی پڑھانا شروع کر دیا۔ او رپھر یہ زندگی کو مصروف اور اپنے انداز سے گزارنے والا شخص ۱۱ اپریل ۱۹۹۸ء کو عدم کو سدھار گیا۔

مرزا امول انور نے اگرچہ شاعری میں غزل بھی کہی ہے لیکن آپ کی پہچان نظم بنی۔ جن میں طویل نظمیں بھی بڑے شوق سے مشاعروں میں اُن سے سنی جاتی تھیں۔ بمبئی میں قیام کے دوران تقسیم ہند سے پہلے کہی گئی ایک نظم ''عید نظارہ'' یہاں پیش کی جاتی ہے۔ مطالعہ فرمایئے۔

نہ پوچھ عید کی روداد ہم نشیں خاموش	نہ چھیڑ آج کی صحبت میں داستانِ دوش
وہ خاص و عام کو تکمیلِ انبساط کی دھن	زبانِ پیر و جواں پر پیامِ کوشاں کوش
وہ بزم ہائے تعیش وہ جلوہ ہائے نشاط	وہ ریل پیل، وہ دیوانگی وہ جوش و خروش
وہ مالا بار سے ساحل کا پُر فضا منظر	وہ پست ہو کے بھی ہے آسمان کا ہمدوش
وہ سرگیں سی زمیں اور وہ نیلگوں لہریں	وہ آب و گل کے بے ہمرنگ اور ہم آغوش
اور اس کے مدِ مقابل بلندیوں پہ بچھا	وہ سبزہ زار، گل و لالہ جس کے حلقہ بگوش
اسی بساط کی رنگیں کمین گاہوں میں	نہفتہ راہزنِ دانش و حواس و ہوش
فراز و پست پہ جھرمٹ وہ ثابت و سیار	نگاہِ شوق کے ہر زاویئے سے جلوہ فروش
وہ ایک ہی سا تبسم حسین چہروں پر	اور اس نقاب میں ہر بے نقاب رُو روپوش
لباس ہائے رنگا رنگ، رشکِ عریانی	حریر کے سبک آنچل، مگر وبالِ دوش
وہ آزمائشِ دل، گیسوؤں کا ہر حلقہ	وہ امتحانِ خرد، ہر کھلی ہوئی آغوش
غرض کہ عید، عروس البلاد، کی ہمدم	وہ پُر سُرور کہ اڑ جائیں پر لگا کر ہوش

کسے مجال کہ اس سحر سے نہ ہو مسحور
کجا کہ ایک غریب الدیار خانہ بدوش

مرزا امول انور کا اندازِ تغزل بھی ملاحظہ فرمایئے۔

لبوں سے آہ نکل کر دعا نہ بن جائے	مرا یہ حسنِ طلب بھی خطا نہ بن جائے

Marfat.com

صنم تراش نے تکمیلِ فن تو کر ڈالی — اب اُس کا ترشا ہوا بُت خدا نہ بن جائے
وفا شعار بھی اب تو فریب دینے لگے — فریب ہی کہیں رسمِ وفا نہ بن جائے
جزا بھی جس میں ہو شامل وہی ہے کارِ ثواب — گنہ نہیں ہے جو خود ہی سزا نہ بن جائے
خدا شناس ہی بنا کٹھن نہیں انور
جو خود شناس ہو انساں تو کیا نہ بن جائے ۱۸۷

خواجہ فخر الدین سیالوی

ضلع سرگودھا میں سیال شریف سلسلہ چشتیہ کے رشد و ہدایت کا ایک مرکز ہے۔ جہاں سے علم و نور کی کرنیں چہار سو پھیلیں اور انسانیت کو منور کر گئیں۔ اسی سرزمین میں حضرت خواجہ غلام فخر الدین ۱۹۱۱ء مطابق ۱۳۲۹ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی کے تیسرے صاحبزادے تھے۔ آپ کے والد، دادا، پڑدادا اور بڑے بھائی (خواجہ قمر الدین سیالوی) سلسلہ چشتیہ کے عظیم صوفیاء میں سے تھے۔ ''باب جبریل'' کے مطابق آپ نے:

> ''حافظ کریم بخش صاحب سے قرآن مجید حفظ کیا۔ حضرت خواجہ محمد حامد صاحب تونسوی سے شرف بیعت حاصل کیا۔ ابتدائی تعلیم سیال شریف ہی میں حاصل کی۔ قطبی، میر قطبی، مشکوٰۃ شریف، مقامات حریری، اور سبعہ معلقہ وغیرہ کتابیں مولانا معین الدین اجمیری سے پڑھیں۔'' ۱۸۸

خواجہ غلام فخر الدین سیالوی علم و ادب سے پاکیزہ شغف رکھتے تھے۔ آپ اردو، فارسی، عربی اور پنجابی میں شعر کہتے تھے۔ آپ کا شعری مجموعہ ''باب جبریل'' کے نام سے شائع ہوا۔ جس میں اگرچہ اکثر اصناف شامل ہیں۔ لیکن جو آپ کی پہچان بنی وہ نعت ہے۔

اصغر علی نظامی جو کہ مدینۃ المنورہ میں مقیم ہیں اپنے ایک مضمون فخر نامہ میں رقم طراز ہیں:

''مدینہ طیبہ کی محفلوں میں خواجہ محمد شفیع صاحب، نور محمد جرال

Marfat.com

صاحب، سلطانی صاحب، اصغر چشتی صاحب اور زاہد صاحب نے خواجہ صاحب کا لکھا ہوا سلام بہت دفعہ پڑھا اور درج ذیل شعر ایک سماں باندھ دیتا تھا۔

من فدایت شوم کہ کلفت ما | برتو آمد گراں، سلام علیک

''بسم اللہ شریف، کے اعداد کئی صدیوں سے '۷۸۶' شمار ہوتے آ رہے ہیں۔ لیکن خواجہ صاحب حرف 'الف' کو لفظ 'اللہ' کا حصہ قرار دیتے تھے اور ہمیشہ ۷۸۷ کا عدد بسم اللہ شریف کیلئے لکھا کرتے تھے'' [۱۸۹]

خواجہ غلام فخر الدین کو شاعری کی دیگر اصناف کے علاوہ مادہ تاریخ نکالنے میں بھی قدرت حاصل تھی۔ اس صنف میں اگرچہ آپ نے فارسی زبان کو زیادہ تر برتا لیکن اردو میں بھی آپ کے قطعاتِ تاریخ کتاب کا حصہ ہیں۔ ملک گل زمان کا قطعہ تاریخِ وفات آپ نے یوں لکھا ہے۔

چھپ گیا زیرِ زمیں اک پاک طینت نوجواں | حسرتا جس کے الم میں ہے زمانہ نوحہ خواں

بدھ کی شب تھی اور اٹھائیسویں ماہِ رجب | جب شہادت پا کے حاصل کی حیاتِ جاوداں

خون کے آنسو بہا کر فخر ہاتف نے کہا

رنگ لائے گا کبھی بے ریب خونِ گل زماں [۱۹۰]

''خواجہ فخر الدین سیالوی ایک مرنجاں مرنج اور ہمہ جہت شخصیت کے حامل تھے۔ وہ حلیم الطبع اور منکسر المزاج تھے۔ ان کی شخصیت پر ایک ٹھہری ہوئی شفاف جھیل کا گماں ہوتا ہے۔ جس کا نیلا صاف پانی پاکیزگی کا مظہر ہوتا ہے اور جس کی گہرائی اس کے من کی رفعت کی غماز رہتی ہے۔'' [۱۹۱]

آپ نے ۲۵ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹ جولائی ۱۹۹۸ء کو وفات پائی اور سیال شریف میں دفن ہوئے۔ [۱۹۲] آپ نے ''باب جبریل'' (شاعری) کے علاوہ۔ ''حقوقِ والدین'' اور ''الفقر وفخری'' کے نام سے دو کتابیں حسنِ تحقیق کا مظہر بھی یادگار چھوڑیں۔ آپ کی شاعری کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

میلاد شریف

مرحبا آ گیا پیارا سجن زینت محفل و رونقِ انجمن
بزمِ گلشن میں تجھ سے بہار آ گئی رشکِ گلزار جنت بنے کوہ و بن
لائی بادِ صبا بوئے زلف دوتا بن گئی ہے فضا ساری مشکِ ختن
کیف میں قمریاں گنگنانے لگیں مست بے خود ہوئے طائرانِ چمن
گیت خوشیوں کے سب مل کے گانے لگے نرگس ولالہ و سنبل و یاسمن
تیرے جوبن کی خیرات سب کو ملی پھول کو رنگ و بو، سرو کو بانکپن
سب ترے حسن کی ہیں یہ نیرنگیاں ورنہ پھولوں کے ہیں کاغذی پیرہن
بلبلِ خوشنوا مسکرا کر ذرا
فخر کا کچھ سنا تازہ شیریں سخن

غزل

خیال دلربا کو آج مہماں کر رہا ہوں میں جنونِ وحشت وسودا کا ساماں کر رہا ہوں میں
سجایا باغ دل ایسا ہے داغوں سے تری خاطر کہ نرگس لالہ وریحاں کو حیراں کر رہا ہوں میں
رقیبوں کا ہے گھیرا درمیاں میں رشکِ گلشن ہے حجابِ خار سے سیرِ گلستان کر رہا ہوں میں
بیاد سبز خط فصلِ خزاں بھی موسمِ گل ہے بہارِ فصل کو پامالِ ہجراں کر رہا ہوں میں
شب دیجور و دشتِ بھیگیں اور خوفِ ناکامی فقط امید پر قطعِ بیاباں کر رہا ہوں میں
جفا میں فخرؔ دلبر کے مجھے وہ لطف آیا ہے
کہ صدہا عیش وعشرت اس پہ قربان کر رہا ہوں میں ۱۹۲

حکیم حاجی نور محمد

نور محمد نام اور ابوظفر کنیت کے ساتھ آپ حج کی سعادت سے مشرف ہونے کے باعث

Marfat.com

حاجی اور حکمت (طب) کے مطالعہ کے حوالے سے حکیم کا سابقہ بھی لکھا کرتے تھے۔ کبھی کبھی لاحقے بھی استعمال کرلیا کرتے جو شاہپوری چشتی قادری تھے۔

حکیم حاجی نور محمد ۱۹ جولائی ۱۹۱۱ء کو شاہ پور شہر میں شیر محمد کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ قوم کے کھرل تھے۔ آپ کے بزرگوں کے بارے کہا جاتا ہے کہ بہاولپور کے قلعہ کو آباد کیا۔ وہاں سے ملتان آگئے۔ جہاں سے قسمت نے آپ کو گروٹ میں لاکر آباد کیا اور ان میں سے ایک کنبہ شاہ پور شہر میں مقیم ہوگیا جو زرگری کا کام کرنے لگا اسی کنبے سے حکیم حاجی ابوظفر نور محمد شاہپوری چشتی قادری کا تعلق تھا۔ آپ اپنا سلسلہ نسب راجہ لکھپال سے جاملاتے ہیں جس نے خواجہ حضرت معین الدین چشتی اجمیری کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ حاجی نور محمد اپنے بارے لکھتے ہیں:

> ''بچپن سے حکمت کا شوق تھا۔ مدرسہ سے فارغ ہوکر قرآن شریف پڑھا۔ پھر مولوی غلام احمد مرحوم جلپانوی سے فارسی درسی کتابیں پڑھیں۔ مولوی حافظ حکیم عبدالرسول زبدۃ الحکماء سے میزان طب سے تا مفرح القلوب فارسی میں، موجز سے تا قانون شیخ عربی میں سبقاً پڑھے۔ ساتھ ہی صرف ونحو و منطق کے رسائل پڑھے۔ فقہ، حدیث و تفسیر کا مطالعہ جاری رکھا۔'' ۱۹۴

شعر گوئی کی طرف آنا بالکل حادثاتی تھا۔ آپ کا جواں سال بیٹا محمد ظفر ۱۹ سال کی عمر میں ریل گاڑی کی زد میں آیا اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اس کے غم کو شدت کے ساتھ محسوس کیا اور اسی حالت میں شعر کہنا شروع کر دیا۔ آپ نے اردو، فارسی، پنجابی اور عربی میں شعر کہے۔ اگرچہ فنی حوالے سے وہ اشعار کمزور تھے۔ اور اسقام بھی کچھ زیادہ ہی تھے۔ بس جو خیال ذہن میں آتا موزوں و ناموزوں اسے لکھ لیتے۔ شاید بعد میں کبھی اس جانب غور ہی نہیں کیا۔ یا ممکن ہے کہ شاعری آپ کا مطالعہ ہی نہ رہا ہو۔ لیکن اس کے باوجود بہت سے اشعار یا غزلیں ان میں سے ایسی نکالی جاسکتی ہیں جو فنی حوالے سے ٹھیک قرار پاتی ہیں۔ ''مایہ حیات بوظفر نور محمد'' آپ کا شعری مجموعہ ہے جس میں

Marfat.com

دیوان کے رنگ میں ترتیب دی گئی ہے۔ اس میں حمد، نعت، مناقب اور درد، غم، رفاقت اور جدائی وغیرہ کے مضامین لئے غزلیں شامل ہیں۔ جوان کے دل کی آواز اور آپ بیتی کا بیان ہے۔ حکیم نور محمد نے ۱۹۸۶ء میں شاہ پور شہر میں وفات پائی۔

باقی تھا تن یہ بے دل وہ ہجر سے جلایا　　دزدیدہ آنکھ والے دل کو بھلا چرایا

ہر دم ہے یاد اس کی جس نے مجھے بھلایا　　دیتے خبر نہیں وہ کب دیں گے دل کو واپس

پھر بھی وہ چاند روشن مجھ کو نظر نہ آیا　　بادل سے چاند نکلا روشن فضا ہوئی کل

کیسے زباں کہے وہ کرنے کا ڈھب نہ آیا　　ان کی نظر کی باتیں جاتے جو کہہ گئے تھے

شاید شمع کی مانند ہے عشق نے جلایا　　پہلو میں آگ روشن نہ جانتا ہوں کیوں ہے

اے عشق میرے صادق کر تو ہی رہنمائی

چل ساتھ مل منائیں، جائے جہاں منایا

مگر ہم ہیں وہ جن کو ہر جگہ ہر وقت ہے حسرت　　کسی کو ہے یہاں عشرت کسی کو ہے وہاں راحت

میرے آقا سنوار و اب مری بگڑی ہوئی قسمت　　کہاں تک ٹھوکریں کھائیں کہاں جائیں کہاں پائیں

رہیں ہم منتظر کب تک یہی کہتے ہوئی مدت　　تمنا ہی میں گزرے جو گزارے زندگی کے دن

کسی کے بس نہ پانا تو میری حاجت مری عزت　　برے ہیں یا بھلے ہیں فخر ہے سب تیری نسبت کا

مری یہ عرض ہے ہر دم نہ در سے دور کر دینا

ہوں قرباں نور سے تیرے، تری لجپال ہے فطرت ۱۹۵

حاتم علی حاتم

کچھ لوگ حاتم علی حاتم اور حاتم علی رانجھا کو ایک ہی شخص سمجھتے ہیں۔ جبکہ ایسی بات نہیں ہے۔ حاتم علی رانجھا کا تعلق سیالکوٹ سے تھا جہاں وہ ۱۹۱۴ء کو پیدا ہوئے اور ۱۹۸۸ء میں وفات پائی۔ پنجابی زبان میں شعر کہتے تھے "حسینی وکیل" اور "تاجدار کربلا المعروف علی دا لال" ان کی مطبوعہ کتب

Marfat.com

تھیں جبکہ ''سجاد نامہ'' قلمی شکل میں موجود ہے۔اور حاتم علی حاتم '' یکم اگست ۱۹۱۱ء کو چک نمبر ۲۷ شمالی ضلع شاہ پور میں پیدا ہوئے۔'' ۱۹۶ آپ کے والد چودھری حسن محمد کا آبائی گاؤں ہریہ والا ضلع گجرات اور جاٹ وڑاہا قبیلے سے تعلق تھا۔وہاں زمینوں پر لوگوں نے قبضہ کر لیا تو نقل مکانی کر کے یہاں آ گئے۔

حاتم علی حاتم ابھی بچے ہی تھے کہ والدین کا انتقال ہو گیا۔حالات کے ہاتھوں سرگودھا کو بھی چھوڑنا پڑا اور ہندوستان کے مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے ۱۹۴۵ء میں لاہور آ کر محکمہ تعلیم میں معلمی اختیار کر لی۔بی۔اے تک تعلیم حاصل کر لی تھی۔سو' حاتم ہائی سکول' کے نام سے ایک تعلیمی ادارے کی بھی بنیاد رکھی۔جو ۱۹۷۲ء میں گورنمنٹ کی تحویل میں چلا گیا۔قیام پاکستان کے بعد کچھ عرصہ آپ جہلم میں بھی مقیم رہے۔دوبارہ سرگودھا آئے اور یہاں سے ایک ہفت روزہ اخبار '' حقائق'' کے نام سے جاری کیا۔جو چار سال تک شائع ہوتا رہا۔ایک ماہنامہ ''ادبی جریدہ'' لاہور سے بھی نکالتے رہے۔

حاتم علی حاتم اردو، فارسی، پنجابی اور انگریزی میں شعر کہتے تھے۔آپ کی تخلیقات کئی ماہناموں اور ادبی رسائل میں شائع ہوتی رہیں۔''داستانِ ناتمام'' کے نام سے ایک اردو شعری مجموعہ بھی ترتیب دیا تھا لیکن اسے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے اور ''۱۹۹۵ء'' میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

'' گجرات میں اردو شاعری'' میں حاتم علی حاتم کی تاریخ پیدائش یکم نومبر ۱۹۰۹ء ۱۹۷ درج ہے۔جبکہ ''سخنورانِ جہلم'' میں ۱۹۱۱ء ۱۹۸ تحریر ہے۔

چودھری حاتم علی نے جوانی میں قدم رکھنے کے ساتھ ہی شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔اور خوشی محمد ناصر سے اصلاح لینے لگے تھے۔چونکہ زندگی بھر حالات سے نبرد آزما رہے اور کسی ایک مقام پر ٹک کر بیٹھنا نصیب نہ ہوا اس لئے ان کی شاعری میں ہم انہیں حالات کا پرتو دیکھتے ہیں جو روایتی سا ہے۔لیکن پھر بھی اچھا ذوق اور عمدہ فکر کو خوبصورت لفظوں میں ڈھالنے کا فن جانتے تھے۔

بے کلی آج کی شب لحظہ نہ ٹل جائے گی　　رات فرقت کی غلط بات کہ ڈھل جائے گی
ان کے آنے سے مرے گھر میں چراغاں ہوگا　　میرے ماحول کی تقدیر بدل جائے گی

Marfat.com

یعنی محفل کی ہر اک چیز مچل جائے گی رند تو رند ہے و جام بھی رقصاں ہوں گے
یوں زباں گرمیِ الفاظ سے جل جائے گی توبہ اس آتشِ فرقت کے بیاں سے توبہ
قلبِ سوزاں سے یونہی آہ نکل جائے گی ہو نہ جائے مجھے ڈر ہے کہیں محشر برپا
تیغ ناکردہ گنہگار پہ چل جائے گی جب نگاہوں سے نگاہوں کا تصادم ہو گا

ان کا ہر جور ہے حاتم کو بہر رنگ پسند
ہاں ذرا ان کی طبیعت جو بہل جائے گی [۱۹۹]

☆

تیری گلی کے لوگ بھی پہچاننے پڑے تعظیم کے مقام ہمیں جاننے پڑے
ناکردہ کچھ قصور ہمیں ماننے پڑے منظور تھیں حضور کی خوشنودیاں ضرور
آخر مجھے رقیب کے گن ماننے پڑے اے دوست میری کوششیں سب ہو چکیں تمام
اس جستجو میں دشت و جبل چھاننے پڑے ڈھونڈا کیے ہیں عمر بھر اک سنگِ آستاں

حاتم وفورِ شوق میں ہم کیا سے کیا ہوئے
ٹھانے نہ تھے جو عزم کبھی ٹھاننے پڑے [۲۰۰]

میر عبدالرشید اشک

عبدالرشید نام، اشک تخلص اور میر خاندان کے یہ چشم و چراغ ۲۶ جولائی ۱۹۱۲ء[۲۰۱] کو چونڈہ ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد میر سراج دین تاجر پیشہ تھے اور کشمیر النسل تھے۔ ڈاکٹر خورشید رضوی نے سخنورانِ سرگودھا میں ان کے تعارف میں سن پیدائش ۱۹۱۵ء[۲۰۲] تحریر کیا ہے اور اسی کو نقوشِ سرگودھا میں[۲۰۳] دہرا دیا گیا ہے مجھے ۱۹۱۲ء کے حق میں جو بات لے جاتی ہے وہ یہ کہ میر صاحب نے حصولِ تعلیم کے بعد والد کے ساتھ تجارت میں بھی ہاتھ بٹایا اور پھر ۱۹۳۲ء میں سرگودھا آئے۔ یوں ۱۹۱۲ء سے ۱۹۳۲ء تک ۲۰ سال عمر بنتی ہے۔ جسے ۱۹۱۵ء میں تین سال کے فرق سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

میر عبدالرشید نے والد کی وساطت سے سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے ملاقات کی اور پھر انہیں کے حلقہء ارادت وا ثر میں شامل ہوگئے۔ گیارہ سال کی عمر تھی جب موجی تخلص اختیار کر کے شعر کہنا شروع کیا۔ چونڈہ شاید آپ کو راس نہیں تھا کہ وہاں سے نقل مکانی کر کے سیالکوٹ، لاہور، بہاولپور، لائلپور میں تھوڑا تھوڑا عرصہ قیام کرتے ہوئے ۱۹۳۲ء میں سرگودھا میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ اور سیاست کے خاردار سے ہوتے ہوئے صحافت کے میدان میں آخر قدم جمایا۔

جناب انور سدید لکھتے ہیں:

''سرگودھا سے اک ہندو کانگریسی نے ''سرگودھا سماچار'' کے نام سے اخبار جاری کیا اور ادارت کے لئے نوجوان ادیب عبدالرشید اشک پر نظر جا ٹھہری۔ اور ''سرگودھا سماچار'' کا پہلا پرچہ چھپا تو اُس پر بطور ایڈیٹر عبدالرشید اشک کا نام درج تھا۔ اس زمانے میں اشک صاحب نے مارکسی تحریک کا مقدور بھر مطالعہ کیا۔ سو وہ غیر طبقاتی نظام سے بہت متاثر تھے۔

''سرگودھا سماچار'' کا مالک کٹر کانگریسی تھا لہٰذا ان دونوں کا نباہ نہ ہو سکا۔ اور عبدالرشید اشک اخبار سے علیحدہ ہوگئے۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے پر وہ بہت خوش تھے۔ لیکن بعد کے حالات نے انہیں دل برداشتہ کر دیا۔ اسی زمانے میں انہوں نے ہفتہ وار اخبار 'شعلہ' جاری کیا اور اس کی پیشانی پر جو طغرہ درج تھا:

خودی کو نہ دے سیم وزر کے عوض ہیں دیتے شعلہ شرر کے عوض''۔

''شعلہ'' اخبار جاری کرنے سے پہلے آپ نے الطاف مشہدی سے جہاں شاعری میں بہت کچھ سیکھا وہاں صحافت میں بھی مہارت حاصل کی اور ان کے ہفت روزہ ''خلوص'' میں بھی کام کیا۔

۱۹۵۲ء میں ''شعلہ'' پر پابندی عائد کر دی گئی۔ آپ کو حق گوئی اور بے باکی کے جرم میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ شعلہ بار بار جاری ہوتا اور پابندی کی زد میں آ جاتا۔ لیکن

Marfat.com

میر عبدالرشید کا 'شعلۂ جذبے اور اخبار کی صورت رو بہ عمل رہا۔

میر عبد الرشید اشک نے ۲ جنوری ۱۹۸۶ء کو وفات پائی اور سرگودھا میں ہی دفن ہوئے۔آپ نے عروض کو بڑی دلچسپی اور شوق سے سیکھا اور شعر میں معمولی سا سقم بھی آپ کی برداشت سے باہر ہوتا۔آپ کا اتنا کلام اب بھی موجود ہے کہ اگر ترتیب دیا جائے۔کم از کم ایک شعری مجموعہ شائع کیا جاسکتا ہے۔جبکہ آپ کا بہت سا کلام ضائع ہو چکا ہے۔آپ کے بیٹے ارشد محمود کے پاس صرف ایک ڈائری محفوظ ہے۔خدا کرے اُن کی اولاد کو اسے مستقل محفوظ کرنے کا خیال آجائے۔دوغزلیں ملاحظہ فرمایئے ۔

آنکھوں کو شوخ کوئی جو بھائے تو کیا کروں؟ دل میں برنگِ بُو وہ سمائے تو کیا کروں؟
جس صاحبِ حیا کی ہے فرقت، عذابِ جاں خوابوں کو بھی جو وہ نہ سجائے تو کیا کروں؟
جس نے مذاقِ دشت نوردی سکھا دیا وہ آہو چشم ہاتھ نہ آئے تو کیا کروں؟
ہر بات جس کی غیرتِ قند و نبات ہے غنچہ دہن وہ منہ نہ لگائے تو کیا کروں؟
کوئی دمِ وداع تبسم کی بجلیاں رہ رہ کے طور دل پہ گرائے تو کیا کروں؟
سائے سے بھی جو میرے گریزاں ہے وہ پری غمزوں سے پار افق کے بلائے تو کیا کروں؟
ملبوس جامہ زیب کے دلکش خطوط میں ذوقِ نظر کو نیند سی آئے تو کیا کروں؟
وعدے کی ساری رات یہی طے نہ ہو سکا آئے تو کیا کہوں وہ نہ آئے تو کیا کروں؟
دنیا کو جس کی چاہ میں دشمن بنا لیا ٹکڑا وہ چاند کا بھی ستائے تو کیا کروں؟
انجامِ گل کو دیکھ کے معصوم سی کلی بادِ سحر سے جان چھپائے تو کیا کروں؟
بیٹھا تھا دو گھڑی کبھی زلفوں کی چھاؤں میں جان اب تک اس کی یاد جلائے تو کیا کروں؟
عشقِ بتاں نے حسنِ تغزل عطا کیا دل نازنین وشوں کے اٹھائے تو کیا کروں؟

دیوانہ کوئی شدتِ دردِ فراق سے
تنہائیوں میں اشک بہائے تو کیا کروں؟ ۵۰ء

Marfat.com

کل غیر یگانے تھے، غیر آج یگانہ ہے
اک وہ بھی زمانہ تھا اک یہ بھی زمانہ ہے

نالہ نہ کروں کیونکر، خاموش رہوں کیسے
ہر ترکشِ ظالم کا، دل میرا نشانہ ہے

جب سامنے آتا ہے سِل جاتے ہیں لب اپنے
اس حُسن کے پُتلے کا کیا رعب شہانہ ہے

ہمدرد کوئی آکر یہ راز تو سمجھا دے
رونے پہ میرے آخر کیوں ہنستا زمانہ ہے

مت پوچھ مرے ہمدم سُن کر تو بھی رو دے گا
پامال محبت کا پُر درد فسانہ ہے

پھینکا مرے لاشے کو صیاد نے یہ کہہ کر
پھندے سے نکلنے کا کیا خوب بہانہ ہے

ہر قطرۂ اشک اپنا ہے گوہر لاثانی
پنہاں مری آنکھوں میں انمول خزانہ ہے ۲۰۶

حکیم غلام سرور نعیمی

غلام سرور نام پیشے کے لحاظ سے حکیم تھے۔ نعیمی کا لاحقہ اپنے استاد کی نسبت سے استعمال کیا کرتے تھے۔ آپ بدھوکوٹ تحصیل نارووال ضلع سیالکوٹ کے ایک مذہبی گھرانے میں ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام عبدالحق تھا۔ ابتدائی تعلیم بدھوکوٹ میں ہی حاصل کی۔ بعدازاں مختلف مدارس سے ہوتے ہوئے گجرات میں مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی کی شاگردی میں آگئے دورہ حدیث مکمل کیا اور خود بھی مفتی کے عہدے پر فائز ہوئے۔ کچھ عرصہ طورہ شریف ضلع اٹک میں حضرت دوران بادشاہؒ کے ہاں بھی قیام رہا۔ ۱۹۵۸ء کے لگ بھگ آپ سرگودھا میں منتقل ہو گئے۔ اور حکمت سے شغل فرمانے لگے ساتھ ہی دینی و علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ مدرسہ مدینہ غوثیہ مسجد حامد علی شاہ میں بھی کچھ عرصہ تدریسی اور علمی خدمات ادا کرتے رہے جہاں بہت سے طلبا آپ سے فیض یاب ہوئے۔ آپ سرگودھا میں اہلِ سنت کے سرکردہ شخصیات میں سے تھے۔ آپ کو اردو، پنجابی، عربی اور فارسی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ حکمت میں آپ گولڈ میڈلسٹ تھے۔ آپ طبی فاؤنڈیشن کے بنیادی ممبران میں سے تھے۔ طب کے حوالے سے آپ نے چند ایک کتب تحریر کیں جو فاؤنڈیشن

Marfat.com

کے ارباب اشاعت کے لیے لے گئے لیکن بعد میں اُن کا کوئی پتہ نہیں چلا۔

حکیم مفتی غلام سرور نعیمی نے ۱۴ دسمبر ۱۹۹۴ء کو وفات پائی اور فیکٹری ایریا کے قبرستان میں دفن ہوئے۔۲۰۷ ''احادیث اربعین فی شان انیس الغریبین'' آپ کی مطبوعہ کتاب ہے۔ جس میں چالیس احادیث پاک کا منظوم ترجمہ شامل ہے۔ اور یہ ترجمہ آپ کے پختہ کار شاعر اور عالم دین ہونے کا وضح ثبوت ہے۔ اِس کتاب کا ابتدائیہ بھی مقفّٰی ہے۔ چند سطریں ملاحظہ ہوں:

> ''بفضلِ رحمٰن، خالقِ زمین و زماں و مکین و مکاں و چنیں و چناں و حور و غلماں و جن و انساں، صاحب الایماں، فرحاں و خنداں، مطیعِ فرماں، خواجہ ٔ دوراں، رفیع شاں، حبیب الرحمان، صاحب القرآں کی زبانِ معجزہ بیاں کے قصیدہ خواں اور انبیاء گزشتہ زماں میں رطب اللساں ہیں اور حضرت حسانؓ شاعرِ نبی آخرالزماںؐ کے فعل برداروں سے بندۂ حقیر حکیم غلام سرور نحیف و ناتواں، احادیثِ سید الانس و الجان کا ادنیٰ ترجمان، اشعارِ اردو زباں المسمٰی بہ احادیثِ اربعین فی شانِ انیس الغریبین حصہ دوئم ہدیہء ناظراں ہے''۔۲۰۸

اس طرح یہ تحریر آگے چلتی ہے۔ اس سے پہلے بھی آپ نے احادیثِ اربعین منظوم ترجمہ تحریر کیا۔ جس کے بارے میں آپ کے بیٹے کو علم نہیں۔ اُن کے علم میں یہی حصہ ہے۔ لیکن خواجہ بشیر راجن لکھتے ہیں:

> ''حکیم صاحب حضور نبی کریمؐ کے فرمودات (احادیثِ اربعین حصہ اول) کا ترجمہ منظوم اردو زبان میں چھپوا کر عاشقانِ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کر چکے ہیں''۔۲۰۹

اس کتاب میں ہر حدیث کا ترجمہ، بعدازاں کلام شانِ سید الابرار اور نتیجہء حدیث جیسے مضامین شامل ہیں۔ دو احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

حدیث نمبر۴ مشکوٰۃ صفحہ ۲۶ باب اثبات عذاب القبر ۔ چھاپہ اصح المطابع

روایت یہ ابو داؤد ہیں عثمانؓ سے لائے
نبی اکرمؐ نے احساں جو مسلمانوں پہ فرمائے
ہوئے فارغ جونہی تدفینِ میت سے نبی اکرمؐ
سرِ تربت ہوئے وہ محو و مصروفِ دعا یکدم
رہے ثابت قدم اِس آن یہ وحدت کا شیدائی
نکیرین کے سوالوں کی گھڑی اِس پر ہے اب آئی
باستغفار مانگو مغفرت اپنے برادر کی
گدا بن کے اے سرور چاہو نصرت ربِّ قادر کی

نتیجہ حدیث

حضورؐ پاک سے ہم تک خبر لائے ہیں یہ عثمانؓ
پڑھو تم فاتحہ میت کی خاطر یا پڑھو قرآں
سورہ اِخلاص بھی اور فاتحہ ہم دونوں پڑھتے ہیں
درودِ پاک پڑھتے اور پھر ہم عرض کرتے ہیں
فلاں کو اے خدایا یہ کلامِ پاک پہنچا دے
نہی پھر کس طرح ثابت ہوئی کچھ ہم کو بتلا دے
نہ ثابت کر سکے پھر کیوں جہالت کا پجاری ہے
ہمیں تو یہ حدیثِ پاک بھی دل جاں سے پیاری ہے
کرو تم التجا رب سے کہ پہنچاتا ہے وہ والی
خبر کے فہم سے تو کس لئے منکر رہا خالی
خبر ہے، حرف قرآں کا جو اک وردِ زباں کر لے

Marfat.com

وہی عشرِوا مثالِ حسنہ سے دامانِ دل بھر لے
کہ استغفار سے میت مسلماں مغفرت پائے
اے سرورؔ ہو گیا ثابت وہ بے حد مغفرت پائے ۲۱۰

حدیث نمبر ۲۷ مشکوٰۃ شریف چھاپہ اصح المصابع ص ۵۳۲ باب المعجزات

ہے مولیٰ سلمۃ بن اکوع نے ارشاد فرمایا
نشاں جب سلمہ کی پنڈلی پہ میں نے زخم کا پایا
کہا میں نے کہ اے سلمہ ضرب پنڈلی پہ کیوں آئی
کہا سلمہ نے دن خیبر کے میں نے حرب میں پائی
ہوا مشہور لوگوں میں کہ ہے مارا گیا سلمہ
نبیؐ کی خدمتِ اقدس میں تب لایا گیا سلمہ
نبیؐ نے زخم پہ سہ بارہ مجھ کو دم جو فرمایا
نہیں اس وقت سے اب تک کوئی رنج و الم پایا
نبیؐ محترم کے دم سے سلمہ نے شفا پائی
لکھا مشکوٰۃ یوں سرورؔ، بخاری بھی اسے لائی

نتیجہ حدیث

محمدؐ بے سہاروں کے سہارا بنتے رہتے ہیں
پریشانی میں بے یاروں کے یارا بنتے رہتے ہیں
ہوئے تھے سلمہ جب خیبر میں گہرے زخم سے گھائل
صحابہ دیکھتے ہی موت کے اُن کے ہوئے قائل
وہ روح اللہ تھے آپنے دم سے مردوں کو جلا دیتے
جلی ہوں گر کھجوریں تو تھے احمدؐ پھر اگا دیتے

Marfat.com

بھنی مچھلی خضر کے قرب میں پہنچی ہوئی زندہ
محمدؐ کی غلامی سے خضرؑ کی شاں ہے تابندہ
بنا کر مٹی کے طائر تھے عیسیٰ نے اڑا ڈالے
محمدؐ نے بھی تو کنکر کو تھے کلمے پڑھا ڈالے
کلیم اللہ نے پتھر سے گر چشمے چلا ڈالے
یدِ رحمت سے حضرتؐ نے بھی چشمے تھے بہا ڈالے
سبھی کفار کا منہ ایک مشتِ خاک سے پھیرا
کہیں ادنیٰ اشارے سے کلیجہ چاند کا چیرا
جو تعظیم بتاں میں محو رہتے سر جھکاتے تھے
نگاہِ مصطفیٰؐ پا کر بتوں کو وہ مٹاتے تھے
دیا وافر عرب کے بدوؤں کو علم عرفاں سے
نکالا کفر سے تزئین بخشی نورِ ایماں سے
ثغل کو مرتبہ بخشا ثریا تک پہنچا ڈالا
خدا کی وحدانیت کا سبق اُن کو پڑھا ڈالا
جسے جو چاہیے اس کو وہی کچھ وہ عطا کر دیں
روحانی اور جسدی رحمتِ حق سے شفا کر دیں
نبیؐ کا خاص احساں ہے سبھی کے زخمِ غم بھرنا
مرا شیواہ ہے سرور نعتِ نبویؐ کورقم کرنا[۲۱]

اختر حسین رنگین

رنگین کا تعلق اہلِ سادات سے تھا۔ نام اگرچہ سید اختر حسین تھا لیکن طبیعت کی رنگینی سے

Marfat.com

میل کھاتا ہوا تخلص انتخاب کیا۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۱۲ء کو قاضی واڑہ (انبالہ) میں پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد ہجرت کی اور سرگودھا کو مسکن بنایا۔ چونکہ آپ پینٹر اور خوش نویس بھی تھے۔ لہٰذا انبالہ میں معاشی ضرورتیں خوش نویسی ہی سے پوری کرتے تھے۔ بعد ازاں سرگودھا آنے پر شیشے کا کاروبار کرنے لگے۔ یہ بھی اپنے تخلص کی طرح کا انتخاب تھا۔ آپ نے اپنی شاعری کو سنبھال کر نہیں لکھا۔ طنز و مزاح بھی آپ کے مزاج کا حصہ تھا۔ بس جو کچھ لوگوں کو یاد رہ گئے۔ محمود اسیر نے جو نمونہ کلام پیش کیا ہے۔ درج ذیل ہے۔

اختر حسین رنگین نے ۴ ستمبر ۱۹۸۰ء کو وفات پائی [۲۱۲]

ہم ترستے ہیں ایک چلو کو　　غیر پیتے ہیں ہیں بھر کے پیمانے
چشمِ رحمت سے اس کی اے رنگین　　دوست بھی بن گئے ہیں بیگانے

☆

بعد مرنے کے مری قبر پہ رکھنا تندور　　تاکہ معلوم ہو فاقے سے مرے ہیں یہ حضور

☆

ہم کو منظور نہیں تجھ کو ستانا صاحب　　عرض یہ ہے کہ ہمیں بھول نہ جانا صاحب

سلیم بھٹی

محمد فیروز الدین نام، سلیم تخلص، بھٹی خاندانی لاحقہ اور ابوالخیال کنیت کے ساتھ کبھی کبھی ابوالخیال ایم فیروز الدین سلیم بھٹی بھی لکھ لیا کرتے تھے۔ آپ یکم جنوری ۱۹۱۳ء کو بھیرہ میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ سے پاس کیا۔ ابوشاہین فاروقی آپ کے علمی و عملی کیریئر کے بارے مزید لکھتے ہیں:

''۱۹۳۰ء میں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا اور پورے پنجاب میں اول رہے۔ ۱۹۳۱ء میں الٰہ آباد یونیورسٹی سے فاضل اردو کا امتحان پاس کر کے گولڈ میڈل حاصل کیا۔ پھر ۱۹۳۲ء میں فاضل پنجابی کے امتحان میں

Marfat.com

نمایاں حیثیت حاصل کی۔ آپ لاہور میں سوشیلا کالج کے پرنسپل رہے۔
۱۹۳۸ء میں لاہور سے بھیرہ منتقل ہو گئے۔ یہاں بھی درس و تدریس کے
فرائض انجام دیتے رہے۔ گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ سے ۱۹۷۱ء میں ریٹائر
ہوئے۔'' ۲۱۳

سلیم بھٹی ساری زندگی تدریس کے شعبے سے منسلک رہے۔ گورنمنٹ کی ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد آپ اقبال پبلک سکول بھیرہ کے پرنسپل بھی رہے۔ آپ سکول میں طالب علمی کے زمانے سے شعروادب کا شوق رکھتے تھے۔ منشی فاضل، اردو فاضل اور فاضل پنجابی کے امتحانات پاس کرنا بھی اسی شوق کے باعث تھا۔ آپ نے اخلاق عاطف کو ایک خط میں اپنی چار تصانیف کا ذکر کیا تھا جن کے نام ہیں:

''شعلے''، ''ہوکے''، ''خارِ مغیلاں''، اور ''انگارے'' لیکن ان میں سے کوئی مسودہ کتابی صورت میں منظر عام پر نہیں آیا۔ ان کے علاوہ سلیم بھٹی کے بھانجے فیاض احمد خان کے پاس ایک مسودہ بعنوان ''آرزو سے آرزو تک'' میں نے دیکھا جس میں تقریباً سب غزلیں ہیں۔ اور انہیں کے پاس ایک اخبار کا تراشہ دیکھا جس پر یکم فروری ۱۹۹۲ء ہاتھ سے لکھا ہوا تھا۔ ۲۱۴ اندازہ یہی لگایا گیا کہ ۳۱ جنوری کو آپ کی وفات ہوئی۔ لیکن ماہنامہ شمس الاسلام میں سلیم بھٹی کی تاریخ وفات ۱۴ فروری ۱۹۹۲ء تحریر ہے۔ ۲۱۵ آپ نے سکول میں بھی ایک ادبی انجمن ''بزمِ رنگین'' کے نام سے قائم کر رکھی تھی۔ جس کے صدر مولانا حکیم محمد زبیر نسیم اور سیکرٹری آپ تھے۔ آپ نے ۲۰۰۰ء کے لگ بھگ وفات پائی۔

غزل

میں پستیوں میں بھی اونچائیوں سے گزرا ہوں — ترے خیال کی پرچھائیوں سے گزرا ہوں
تری اداؤں کی مجھ کو نہیں کوئی پرواہ — ہزار بار میں رعنائیوں سے گزرا ہوں
رہا نہ ہوش مجھے دل رہا نہ قبضے میں — میں کس کی انجمن آرائیوں سے گزرا ہوں
تھا جن پہ تکیہ وہی بن گئے عدو میرے — میں خود فریب شناسائیوں سے گزرا ہوں

Marfat.com

رہے ہیں رات کے تارے بھی ہم سفر میرے — شب فراق کی گہرائیوں سے گزرا ہوں
میں کیسے عشق کی بازی کو ہار سکتا ہوں — ترے شباب کی انگڑائیوں سے گزرا ہوں
دیا نہ راستہ ساحل کے ریگزاروں نے — میں بحرِ عشق کی گہرائیوں سے گزرا ہوں

سلیم آج بھی ہے فخر اُن کی قربت کا
یہ اور بات کہ رسوائیوں سے گزرا ہوں [۲۱۶]

☆

اگرچہ راہ میں صدیوں کے فاصلے ہیں ابھی — یہی بہت ہے کہ منزل کے راستے ہیں ابھی
یہ بات سچ ہے کہ رستہ ہے کربلا کی طرح — مگر یہ بات بھی سچ ہے کہ چل رہے ہیں ابھی
وہ رابطہ ہے کہ اب ربط نامکمل ہے — وہ زمستاں ہے جسے ہم بھی سوچتے ہیں ابھی
وہ داستان جو ترے نام سے عبارت ہے — سنا چکا ہوں مگر لوگ پوچھتے ہیں ابھی

وہ رات بھر ہی اندھیروں کے تجزیے میں سلیم
وہ سو چکا ہے مگر لوگ جاگتے ہیں ابھی [۲۱۶]

الطاف مشہدی

سید الطاف حسین مشہدی ولد علی حسین شاہ کی تاریخ پیدائش اور مقام پیدائش میں تذکرہ نگاروں کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ پروفیسر محمد اسلم [۲۱۷] کے مطابق ۱۹۱۷ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے شعری مجموعے ''داغ بیل'' [۲۱۸] اور ''شاخ گل'' [۲۱۹] ''گلہائے رنگ رنگ'' [۲۲۰] ''ہمارے اہل قلم''۔ [۲۲۱] ''اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر''۔ [۲۲۲] ''سخنوران سرگودھا'' [۲۲۳] وغیرہ تمام کتب میں متفقہ طور پر تحریر ہے کہ'' ۱۰ فروری ۱۹۱۴ء کو آلو مہار شریف ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔'' لیکن یہاں میں الطاف مشہدی کی اپنی ایک تحریر کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا۔ وہ رقمطراز ہیں: '' ۱۰ جون ۱۹۱۴ء کو چک نمبر ۱۱۰ جنوبی سرگودھا میں پیدا ہوا۔'' [۲۲۴] اسی تحریر سے ان کے کچھ مزید حالات بھی

Marfat.com

ہمیں ملتے ہیں۔اور وہ یوں:

''بچپن ہی میں والد محترم کا سایہ اٹھ گیا۔ یتیمی کی گود اور والدہ محترمہ کے سایہ میں پل کر جوان ہوا۔ چک نمبر ۱۱۰ جنوبی ضلع سرگودھا، لالیاں ضلع جھنگ، جاکی ضلع سیالکوٹ اور دہلی میں تعلیم حاصل کی۔ ادب برائے زندگی کو ادب برائے ادب کے لباس میں پیش کرنا میرا آرٹ ہے۔۔۔

بہت سے رسائل واخبارات میری ادارت میں مختلف مقامات سے شائع ہوتے رہے ہیں اور حال ہی میں ماہنامہ ''ہم لوگ'' کو ناقدری، احباب کی نذر کر چکا ہوں۔ آجکل سرگودھا میں بیمار ہوں اور موت کا منتظر۔ اگر عزیزان احمد حسین رشک، مظہر گیلانی، صابر گیلانی اور نوازش گیلانی کی محبت کا پھاہا احباب کے عطا کردہ زخموں پر نہ ہوتا تو شاید میں وقت سے قبل ہی اپنی محبوب موت سے جاملتا۔''[۲۲۵]

شاعرِ شباب سید الطاف مشہدی کی اس تحریر سے ان کے حالات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس پر مزید کچھ کہنے کے بجائے ان کے کچھ ہم عصر شعراء اور ناقدین کے حوالے سے چند اقتباسات تحریر کروں گا تاکہ الطاف مشہدی کی شاعری اور رنگ لہجے سے صحیح واقفیت ہو سکے۔

ڈاکٹر عندلیب شادانی کہتے ہیں!

''میں نہایت ذمہ داری کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ الطاف مشہدی معاصرین میں قابل رشک مقام کے مالک ہیں۔''[۲۲۶] عبدالمجید سالک کا کہنا ہے:

''الطاف مشہدی اردو شاعری میں ایسے مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ ان کا تعارف کرانا بے معنی سی بات ہے۔۔۔ اس میں شک نہیں کہ الطاف مشہدی ہمارے شعراء کی صف اول میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں اور رومانی شاعری میں تو ان کی شاید ہی کوئی مثال ہو۔'' علامہ پنڈت برجوہن کیفی دتاتریہ لکھتے ہیں: ''الطاف مشہدی کی ایک ایک نظم ایک ایک دیوان پر بھاری ہے۔'' ڈاکٹر سید محی الدین

Marfat.com

قادری زور نے لکھا تھا کہ: ''ہندوستانی زبان اس وقت تک پوری طرح جلوہ آرا نہیں ہو سکے گی جب تک الطاف مشہدی جیسے شاعر اس کی طرف توجہ نہیں دیں گے۔'' نیاز فتحپوری کے الفاظ ملاحظہ ہوں: ''الطاف کا نام عرصہ سے ہمارے کانوں میں گونج رہا ہے۔ان کی شاعری ہم کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے اور ایک نئے نظام کا پتہ دیتی ہے۔'' ۲۲۷

احمد سرفراز اعوان کا کہنا ہے:

''ایک زمانے میں الطاف مشہدی کی دھوم خیبر سے راس کماری تک تھی اور برصغیر میں ہونے والا کوئی مشاعرہ الطاف مشہدی کے بغیر مکمل نہیں سمجھا جاتا تھا۔اس کی نظم ''اقبال کا پیغام'' ہر شخص کی زبان پر تھی اور اس کا یہ مصرع ۔ پتہ بھی نہیں ملتا بغیر اس کی رضا کے'' تو ضرب المثل کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ریڈیو کی ہر مجلس میں اس کے گیت شامل ہوتے تھے۔اس کے ساتھ ہی رومانی شاعری کا ایک عہد ختم ہو گیا۔'' ۲۲۸

''اردو زبان کے رومانی شاعر شباب حضرت الطاف مشہدی کا کلام ہندو پاک کے ممتاز جرائد میں شائع ہوتا رہتا ہے۔۔۔اور ان میں ان کے بلند پایہ رومانی اشعار، غزلیں، نظمیں اور گیت شائع ہوتے رہتے ہیں۔۔۔

شاعر شباب حضرت الطاف مشہدی گیت لکھنے کا خاص ملکہ اور سلیقہ رکھتے ہیں۔اس صنف شعر میں ان کو امتیازی درجہ حاصل ہے۔'' ۲۲۹

مشاہیر کے یہ حوالے دینے کا مقصد یہ ہے کہ اتنے عظیم شاعر کو ہم لوگوں نے بالکل بھلا دیا ہے۔اگر ڈاکٹر سلیم اختر نے ''مختصر ترین ادبی تاریخ'' میں الطاف مشہدی کو شامل نہیں کیا تو ان سے ہم کیا گلہ کریں۔ہم نے خود بھی تو اپنے اس شاعر کو بھلا دیا ہے۔

ایک اور حوالہ یہاں دینا شاید مناسب ہو کہ حیدر قریشی اور اس کے ماہیا نگاروں نے آج تک اردو ماہیا پر جتنی بھی تحقیق کی ہے اور پہلے ماہیا نگار کو سامنے لانے کی کوشش کی تو ایک ہی نام ان

Marfat.com

کے سامنے آیا اور وہ ہے ہمت رائے شرما کا۔ جب کہ اس میں حقیقت نہیں۔ لیکن آج تک کسی نے بھی الطاف مشہدی کے ماہیے پر غور نہیں کیا۔ افسوس کہ میں ایک مدت سے ''الطاف کے گیت'' کا پہلا ایڈیشن تلاش کرنے میں سرگرداں ہوں۔ لیکن تا حال ناکامی ہے۔ لیکن یہی کتاب جو ۱۹۴۹ء میں دوسری بار شائع ہوئی۔ اس میں ۲۵ ماہیے شامل ہیں۔ فرق صرف ماہیا کے اجارہ داروں کے ماہیوں میں اوزان میں ہیئت کا ہے۔ الطاف مشہدی کے یہ ماہیے ڈیڑھ مصرعی ہیئت میں ہیں۔ جب کہ وہ تین مصرعی ماہیے کے پرچارک ہیں۔ راقم اس موضوع پر تفصیل سے ایک مضمون لکھ چکا ہے جو سہ ماہی دریچہ انٹرنیشنل ۲۳۰ میں شائع ہو چکا ہے۔ بہر حال یہ ایک طویل طلب بحث ہے۔

جناب الطاف مشہدی نے نثر اور نظم میں کئی تصانیف چھوڑیں جو اپنا مقام اور مرتبہ رکھنے کے باوجود گرد کی تہہ میں دب گئی ہیں۔ ان کی جو کتب میرے علم میں آئی ہیں ان میں ''تصویر احساس''، ''الطاف کے گیت''، ''الطاف کے نغمے''، ''ڈگر''، ''ریحانہ''، ''داغ بیل''، ''پریت کے گیت''، ''لذت رنگ و بو''، ''مقامات نظر'' اور ''شاخِ گل'' شامل ہیں۔ ایک عہد پر شعری پہچان رکھنے والا یہ شخص ۲۴ جون ۱۹۸۱ء کو سرگودھا ۲۳۱ میں کسمپرسی کی حالت میں وفات پا گیا۔ مالک رام نے ۱۹۹۱ء سنِ وفات شاید غلطی سے لکھ دیا ہے۔ ۲۳۲

کرم حیدری نے ۱۹۴۵ء کے مری کے ایک آل انڈیا مشاعرہ کی روئیداد بیان کرتے ہوئے الطاف مشہدی کی شاعری کا ذکر ان میں الفاظ میں کیا ہے:

> ''الطاف مشہدی اپنی شاعری میں انگریزوں کے خلاف باغیانہ اور کھلے روس پسندانہ جذبات کا اظہار بڑی شدومد سے کرتے تھے۔ مشاعروں میں وہ اپنی باغیانہ انداز کی نظم ''اپنے دن اور اپنی راتیں'' بڑے جوش و جذبات سے سنایا کرتے تھے۔ آواز پاٹ دار تھی اور پڑھنے کا انداز نہایت عمدہ تھا۔'' ۲۳۳

آپ کے شاعر رومان ہونے میں تو کسی ناقد کو کوئی شک نہیں۔ لیکن مذکورہ نظم کا لہجہ واقعی

Marfat.com

ہٹ کر تھا۔ لہذا رومان اور شباب سے ہٹ کر لکھی گئی یہ نظم ملاحظہ فرمایئے۔

اپنے دن اور اپنی راتیں

خونیں ہے آکاش کی رنگت دھرتی تھر تھر کانپ رہی ہے
دولت کی دیوی راہوں میں سینہ پکڑے ہانپ رہی ہے
بندوقیں کاندھوں پر رکھ کر باغی ہر سو گھوم رہے ہیں
اونچے اونچے میناروں پر سبز پھریرے جھوم رہے ہیں
چاروں جانب پھیل رہا ہے خون کے فواروں کا منظر
خون کے فواروں کا منظر پیلے انگاروں کا منظر
آگ کے شعلے خون کے چھینٹے تیر رہے ہیں سرخ فضا میں
چیخوں کا طوفان بپا ہے بھڑ بھڑ کرتی گرم ہوا میں
جھونپڑیوں نے اونچے ایوانوں کی گردن توڑ کے رکھ دی
مظلوموں نے ظالم انسانوں کی گردن توڑ کے رکھ دی
بھوک کے ماروں کی رگ رگ میں آگ کے طوفاں جاگ اٹھے ہیں
فطرت جن پر نازاں ہے وہ کامل انساں جاگ اٹھے ہیں
مزدوروں کی آنکھوں میں ہیں کڑوی تحریروں کے فقرے
شریانوں میں دوڑ رہے ہیں خونی تقریروں کے فقرے
ابھرے شانوں والے دہقاں شہروں میں چنگھاڑ رہے ہیں
زرداری کے سینے پر افلاس کا پرچم گاڑ رہے ہیں
دوشیزائیں بک نہ سکیں گی عصمت اب نیلام نہ ہو گی
بھوکی بیواؤں کی عزت زرداروں پر عام نہ ہو گی
کالی آنکھیں نیلی آنکھوں کے آگے اب جھک نہ سکیں گی

Marfat.com

سرمایہ کی سانسوں سے مزدور کی سانسیں رک نہ سکیں گی
مزدوروں کے سر پر اینٹوں کو ترجیح نہ دی جائے گی
ابھرے شانوں چوڑے سینوں کی توہین نہ کی جائے گی
پتلے ہونٹوں لمبی آنکھوں کا اب سے بیوپار نہ ہو گا
کاغذ کے ٹکڑوں سے اچھا عسرت کا بیمار نہ ہو گا
باتوں پر اب قید نہ ہو گی لب سینے کا حکم نہ ہو گا
بھورے رنگ کی موت کے سائے میں جینے کا حکم نہ ہو گا
آج سے جیون اپنا ہو گا اپنا دن اور اپنی راتیں
میٹھی بولی، مست ترانے، اُتم نغمے، سندر باتیں ۲۳۴

غزل

سحر جب مسکرا کر اوس کے موتی پروتی ہے ۔۔۔ مناظر سے گلے مل کر بڑی تسکین ہوتی ہے
کسی کی آنکھ میں یوں میکدہ آرام کرتا ہے ۔۔۔ شفق کی گود میں جیسے شعاعِ مہر سوتی ہے
لکھا ہے وقت کے ماتھے پہ اک مردِ قلندر نے ۔۔۔ کہ میخواری کی ہر لغزش بڑی معصوم ہوتی ہے
کہیں پھولوں کے ہونٹوں پر تبسم رقص کرتا ہے ۔۔۔ کہیں کنجِ چمن میں نرگسِ بیمار روتی ہے
وہ آنسو جس کو پی کر آدمی انسان بنتا ہے ۔۔۔ اگر ٹپکے تو قطرہ ہے جو رک جائے تو موتی ہے

مری بیمار آنکھیں رات بھر الطاف روتی ہیں
یہ شبنم دل کے زخموں پر بڑی اکسیر ہوتی ہے ۲۳۵

شمیم بھیروی

خواجہ عبداللطیف نام اور شمیم تخلص تھا۔ ''۱۴ فروری ۱۹۱۴ء کو بھیرہ میں آنکھ کھولی۔'' ۲۳۶ آپ کے والد کا نام خواجہ محمد صدیق سیٹھی تھا جو خود بھی شاعر تھے اور شیدا تخلص کرتے تھے۔ آپ کے

Marfat.com

دادا کرم دین سیٹھی بھی پنجابی زبان کے شاعر تھے۔یوں شاعری آپ کے خون میں سلسلہ بہ سلسلہ چلی آ رہی تھی۔اور علم وادب آپ کی گھٹی میں پڑا تھا۔

اکثر شعراء اور ادباء کی تاریخ پیدائش میں اختلاف دیکھنے میں آتا ہے۔شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل تاریخ پیدائش کچھ اور ہوتی ہے لیکن جب انہیں سکول میں داخل کرایا جاتا ہے تو عام طور پر عمر ایک سال یا چند مہینے کم لکھائی جاتی ہے۔اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب ملازمت کہیں ملتی ہے اور عمر کم ہوتی ہے تو پھر کا غذات میں بڑھا دی جاتی ہے۔لہٰذا اس قسم کے اختلافات دیکھنے میں آئے ہیں یہاں بھی شمیم بھیروی کی ایک دوسری تاریخ ولادت سید محمد عبداللہ قادری نے اپنے مضمون ''قاضی سلطان محمود قادری کی شاعرانہ داخراجِ عقیدت'' میں ۱۳ اپریل ۱۹۱۴ء[۲۳] لکھی ہے۔

شمیم بھیروی نے میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ سے پاس کیا۔طالب علمی کے دوران جبکہ آپ ابھی صرف سات سال کے تھے تو شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔میٹرک کے بعد ہائر ایجوکیشن کیلئے علی گڑھ گئے۔لیکن والد ماجد کے کاروبار میں ہاتھ بٹانے کی غرض سے واپس آ گئے۔اس سلسلے میں ملک کے اکثر بڑے بڑے شہروں میں جانے کا اتفاق ہوا۔لیکن ۱۹۳۲ء میں جب پشاور گئے تو پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔البتہ درمیان میں بمبئی کچھ عرصہ گزارا اور وہاں فلمی دنیا سے وابستہ رہے۔محمد شفیع صابر ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''پشاور میں روزنامہ ''شہباز'' اور دوسرے اخباروں سے وابستہ رہے۔اپنا اخبار بھی ''شیرازہ'' کے نام سے نکالا جو آج تک باقاعدگی سے نکل رہا ہے۔ریڈیو پاکستان سے ان کے فیچر پروگرام اور تقریریں نشر ہوتی رہیں۔مشاعروں میں بھی حصہ لیتے اور ادبی انجمنوں میں بھی پیش پیش رہتے۔دائرہ ادبیہ کے ایگزیکٹو ممبر تھے۔ان کا مطالعہ وسیع تھا۔نظم ونثر قلم برداشتہ لکھتے اور خوب لکھتے۔نثر میں نیاز فتحپوری سے متاثر تھے۔تنقید نگاری کا گہرا شعور رکھتے تھے۔اقبال کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔اپنی بات پر

Marfat.com

ڈٹ جانے والے شخص تھے۔ بحث مباحثہ کیلئے ہمیشہ تیار رہتے۔ فروری ۱۹۸۴ء میں اباسین آرٹس کونسل میں ان کے ساتھ شام منائی گئی تو اہلِ علم نے بڑھ چڑھ کران کے کلام کی تعریف کی۔ تھوڑا عرصہ بعد ۱۲ مئی ۱۹۸۴ء کو فوت ہوگئے۔ دل کا عارضہ جان لیوا ثابت ہوا۔ شیخ جنید بابا کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔'' ۲۳۸

تاریخ ادب میں شمیم بھیروی کا نام ایک اہمیت کا حامل ہے۔ وہ صرف شاعر ہی نہیں تھے بلکہ انہوں نے افسانے بھی لکھے اور مضامین کے تراجم بھی کیے اور تحقیق بھی۔ کالم بھی لکھے اور فیچر بھی۔ ابوشاہین فاروقی پشاور میں ان کی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

''یہاں آ کر اردو کے علاوہ فارسی، پشتو اور ہندکو میں بھی شعر کہنے لگے۔ انہوں نے علامہ اقبال اور خوشحال خان خٹک کے سینکڑوں اشعار نظم میں ترجمہ کیے۔ رحمان بابا پر ''بیان الرحمٰن'' کے نام سے ضخیم محاکمہ لکھا۔ پچاس سال اردو صحافت میں بحیثیت مضمون نگار، اداریہ نویس اور کالم نویس کے حصہ لیا۔ ریڈیو پر سالہا سال تک فیچر، مضامین اور شعر براڈ کاسٹ کرتے رہے۔'' ۲۳۹

شمیم بھیروی نے ساری زندگی پشاور میں گزاری لیکن اپنی جنم بھومی سے یادوں کی حد تک مکمل تعلق قائم رکھا اور وہ ہے نام کے ساتھ بھیروی لکھنے کا۔ بالکل ایسے ہی جیسے اخگر سرحدی نے ساری زندگی سرگودھا میں گزاری لیکن آخری لمحوں تک سرحدی رہا۔

جلیل حشمی نے مرزا محمود سرحدی کا خاکہ جب لکھا تو شمیم بھیروی کا تذکرہ لازمی سمجھا۔ لہٰذا وہ لکھتا ہے کہ:

''ہائے شمیم بھیروی بڑا اچھا یار ہے۔ مرنجاں مرنج۔ سوگالی سن کر دو مسکراتا رہے گا۔ لیکن ظالم ایک ایسی دبی زبان میں کہہ دیتا ہے کہ

Marfat.com

ساتوں کپڑوں میں آگ لگ جاتی ہے۔۔۔

معلوم ہے میں اسے ہندو کیوں کہتا ہوں۔ وہ بہت زیادہ کنجوس

ہے اور وضع قطع کے اعتبار سے بھی وہ ہندو ہے۔۔۔

میں تو یار کو پیار سے ہندو کہتا ہوں۔ دل سے نہیں کہتا۔ الحمدللہ

ایک پکا مسلمان ہے۔'' ۲۴۰

رنگ تابندگیء شام و سحر یاد آیا   کبھی تو اور کبھی اعجازِ نظر یاد آیا
بے نیازانہ صبا جب بھی ادھر سے گزری   مجھ کو ہر نقش سرِ رہگزر یاد آیا
اک تری یاد ہے تسکینِ دلِ زار ہنوز   ورنہ ہر راہ میں انجامِ سفر یاد آیا
روتے روتے شب غم گاہ ستارے ٹوٹے   ہنستے ہنستے کبھی ہر زخمِ جگر یاد آیا
خلشِ چارہ گری تھی نہ کہیں دشتِ جنوں   ہم کو غربت میں نہ بھولے سے بھی گھر یاد آیا
کم نہ تھی ایک خرابے سے تری محفل بھی   دلِ ہنگامہ طلب تشنہء فریاد آیا
شورِ طفلاں ہے نہ پتھر یہ عجب بستی ہے   ہم کو ہر راہ میں ہر موڑ پہ سر یاد آیا

چھین لی دولتِ احساس بھی غربت نے شمیم
نہ ہمیں سایۂ دیوار نہ در یاد آیا ۲۴۱

☆

ہماری عمر بھی گزری تو رائیگاں گزری   وفا مدام دلِ دوست پر گراں گزری
تری نگاہ سے ہم زخمِ دل چھپا کے چلے   تری نگاہ مگر ہم سے بدگماں گزری
وہ ناز کی کہ تصور سے بھی گریزاں ہے   وہ دلبری کہ بہر رنگ گلفشاں گزری
جبین شوق کو اس کی مگر خبر نہ ہوئی   وہ کیفیت کہ سرِ سنگِ آستاں گزری

وہ زندگی جسے سمجھے تھے ہم قیامت ہے
شمیم ان سے ملے جب تو شادماں گزری ۲۴۲

Marfat.com

اخگر سرحدی

۱۹۱۴ء میں نوشہرہ (صوبہ سرحد) میں پیدا ہونے والے محمد شریف سرحدی ہونے کے باوجود پنجاب کے مرکز سرگودھا کا حصہ بن کر رہے۔ بچے ہی تھے کہ نوشہرہ سے پشاور چلے گئے۔ ہوش سنبھالا اور تعلیم کی ابتدا کی۔ بعدازاں والدین کے ساتھ کوہاٹ منتقل ہو گئے جہاں ۱۹۳۱ء میں شعر کہنا شروع کیا۔ اور انقلابی رنگ اپنایا۔

ہر شے کو نئے سانچے میں ڈھلنا ہوگا　　پیوستہء انقلاب پلنا ہو گا
اے محنتِ مزدور پہ جینے والو　　دستور تمہیں اپنا بدلنا ہو گا

☆

پھوٹی ہوئی قسمت کی شکایت کب تک　　لب پر یہ غلامی کی حکایت کب تک؟
اٹھو کہ بدل دیں یہ نظامِ عالم　　ناداری و نکبت کی نہایت کب تک؟

ان کے اس انداز اور لب و لہجے سے ان کا تحریک پاکستان کے لئے ایک سرگرم کارکن اور آزادیِ وطن کیلئے سوچ کا پتہ چلتا ہے۔ سیاست میں وہ کس حد تک داخل تھے یہ بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ راجہ محمد یعقوب حفیظ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> "تحریک آزادی کے دوران اخگر سرحدی کو جلسوں میں حکومت کے خلاف نظمیں پڑھنے پر ۲۶ ڈیفنس انڈیا ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیا گیا اور ڈیرہ اسماعیل خان بھیج دیا۔ جیل میں آپ سخت بیمار ہو گئے اور بچنے کی امید نہ رہی تو ڈاکٹر نے گورنر سے بات کی جس پر گورنر نے رہائی کا حکم دے دیا۔ دوسرے دن ان کے والد لینے آئے ابھی مکمل صحت یاب بھی نہیں ہونے پائے تھے کہ ڈپٹی کمشنر کوہاٹ کی طرف سے صوبہ بدری کا حکم مل گیا۔ آپ راولپنڈی آ گئے اور حکیم عبدالخالق سے علاج کروانے لگے۔ آخر کسی طرح

Marfat.com

وزیر اعلیٰ سردار اورنگ زیب تک رسائی ہوئی اور اسمبلی میں یہ مسئلہ اٹھا کر صوبہ بدری کا نوٹس واپس ہوا۔'' ۳۳

اخگر سرحدی نے رہائی کے بعد کوہاٹ سے اپنا رسالہ ''شرر'' جاری کیا جو صرف دو سال ہی چل سکا اور حکومت کی جانب سے بند کر دیا گیا۔ احمد پراچہ ۳۴ کے مطابق قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۴۷ء میں روزگار کے سلسلہ میں سرگودھا منتقل ہو گئے۔ آپ کے بھائی پہلے سے یہاں موجود تھے۔ آپ نے آ کر گول چوک جامع مسجد کے نیچے سیکنڈ ہینڈ کپڑوں کا کاروبار شروع کر دیا۔ اردو زبان اور ادب آپ کی رگوں میں گردش کر رہے تھے۔ کوہاٹ سے ادبی رسالے کا اجراء، ۱۹۳۹ء میں آل انڈیا اردو کانفرنس دہلی میں عزیز اختر کی معیت میں صوبے کی نمائندگی اور سرگودھا میں آ کر قومی زبان اردو کے فروغ و اشاعت میں سرگرمی، ایک کامیاب اردو کانفرنس کا انعقاد، یہاں سے ہفت روزہ اخبار ''نظامِ نو'' کا اجراء غرض آپ کے بہت سے اقدام اردو زبان کے فروغ کیلئے اہمیت کے حامل ہیں۔ سرگودھا میں آ کر آپ نے ''مجلسِ ختمِ نبوت'' کے نام سے بھی تنظیم بنائی اور اس سلسلے میں بھی دوبارہ آپ کو جیل کی سزا بھگتنا پڑی۔ بقول محمد شفیع صابر ''سرگودھا سکول'' ۳۵ کی بنیاد کا سہرا آپ ہی کے سر آتا ہے۔

۱۹۳۱ء میں شعر گوئی کا جو سلسلہ اخگر سرحدی نے شروع کیا تھا وہ کسی نہ کسی صورت میں آخری عمر تک جاری رہا۔ اگرچہ آپ کی کوئی تصنیف شائع نہیں ہوئی لیکن ''نیا پرانا لہجہ'' میں آپ کے ایک شعری مجموعہ ''صریرِ خامہ'' اور ایک نثری مسودہ ''کارکنانِ تحریکِ اردو'' کے زیرِ ترتیب ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ۳۶ اخگر سرحدی کی شخصیت کے حوالے سے کوئی متضاد رائے نہیں ہے۔ احمد ندیم قاسمی کا کہنا ہے:

> ''یہ شخص جس نے شریفانہ بلکہ عاجزانہ انداز میں زندگی بسر کی۔ علمی لحاظ سے سرگودھا کا محسنِ اول ہے۔ اسے نہ تو زبردستی نمایاں ہونا آتا تھا اور نہ دوسروں کے کاندھوں پر بندوقیں رکھ کر چلانا آتا تھا۔ اسے صرف کام کرنا آتا تھا۔۔۔ مثبت کام۔۔۔ تعمیری کام۔۔۔ نتیجہ خیز کام۔۔۔ اور یہ اس کی

Marfat.com

کارکردگی، اس کی لگن، اس کے خلوص ہی کی روشنی ہے جس سے سرگودھا کی وساطت سے پورے ملک کے ادبی اور لسانی گوشے منور ہیں'' ۲۴۷

یہاں میں چاہتا ہوں کہ ''ادارہ علم وفن'' کے کارکنان کی جو رائے اخگر سرحدی کے بارے میں ہے اس سے بھی آگاہ کیا جائے۔

''اخگر ایک خلیق اور ملنسار انسان، صادق اور مخلص رفیق ہیں۔ پرانے ساتھیوں کو ہر حال میں اپنائے رکھا گو نئے دوستوں سے خوب گاڑھی چھنتی رہی۔ سرحد میں انجمن ترقی اردو سے وابستہ ہوئے اور اب تک اردو کے شیدائی ہیں۔ ملک میں اردو کو سرکاری حیثیت دلانے کی مہم میں سرگرم حصہ دار ہیں۔'' ۲۴۸

جناب اخگر سرحدی اپنی ۷۷ سالہ ادبی، شاعری، صحافتی اور ایک محب وطن کی شہری زندگی گزار کر ۱۲ مئی ۱۹۹۱ء کو ایک طویل علالت کے بعد ہم سے جدا ہو گئے اور سرگودھا کے بڑے قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔

دار ورسن ہی جب ترا دستور ہو گیا — ہر گفتہ اپنا گفتۂ منصور ہو گیا
ظرف نگاہ، حسن سے معمور ہو گیا — کیا حادثہ تھا جو کہ سرِ طور ہو گیا
یہ اختیارِ جبر ہے یا جبرِ اختیار — انساں خوشی سے مرنے پہ مجبور ہو گیا
لایا ہے رنگ دوست کا ربطِ گریز پا — میں جس قدر قریب ہوا، دور ہو گیا

اخگر دلِ حزیں کا نرالا مزاج ہے
ان کی بس اک نگاہ سے مسرور ہو گیا

☆

تری ناکام کوشش چارہ گریوں بھی ہے اور یوں بھی
علاج دردِ الفت، بے اثر یوں بھی ہے اور یوں بھی

Marfat.com

خرابِ جلوہ رنگیں، رہینِ جذبہء تمکیں
محبت میں مرا ذوقِ نظر یوں بھی ہے اور یوں بھی

کسی کے خون کی تہمت سے بچ نکلے تو اچھا ہے
تجھے اے شمع! جلنا تا سحر یوں بھی ہے اور یوں بھی

مآلِ زندگی پر سوچتے رہنا ہے لاحاصل
یہ شیرازہ کسی دن منتشر یوں بھی ہے اور یوں بھی

یہ پھر تقریب جلوہ ہائے رنگا رنگ کیا معنی
کہ حیراں دیدہ حیرت نگر یوں بھی اور یوں بھی

گدائے حسن کو پروائے ننگ و نام کیا اخگر
نیازِ عاشقی، دریوزہ گر یوں بھی ہے اور یوں بھی ۲۳۹

شیر محمد اسیر

شیر محمد نام اور اسیر تخلص تھا۔ آپ ضلع شاہپور، تحصیل خوشاب کے ایک گاؤں ''کنڈ'' کے ایک اعوان گھرانے میں ۱۹۱۵ء ۱۹۱۰ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیم تو واجبی سی تھی لیکن مطالعہ سے آپ نے بہت کچھ سیکھا۔ اور پھر جب اپنے پیرو مرشد مولانا سید امیر چھپڑوی کی نگاہِ لطف و عنایت آپ پر پڑی تو آپ کی زندگی بدل گئی۔ آپ لکھتے ہیں کہ

''آخر میں ایسی شخصیت کا ذکر کرنا چاہوں گا جنہوں نے میری زندگی کا دھارا ہی بدل کے رکھ دیا۔ ایسی ہستی کہ جس نے میرے شعروں میں ایمانی اور وجدانی جذبہ بیدار کیا۔ وہ ہیں میرے مرشد، اللہ کے برگزیدہ اور سرورِ دو عالم محمد مصطفیٰ ﷺ کے سچے غلام جناب محترم مولانا سید امیرؒ چھپڑوی صاحب، جن کی شخصیت اور کرم نوازی نے میرے جیسے حقیر اور ادنیٰ بندے

Marfat.com

سے اتنا بڑا کام کروایا ہے۔ جو آج آپ کے ہاتھ میں ''داستانِ حسرت'' کی شکل میں موجود ہے۔'' ۱۵؎

اپنے پیر و مرشد کے علاوہ آپ کئی دیگر شخصیات سے بھی کافی متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ جن میں بزرگ صوفی شاعر بلھے شاہ، علامہ اقبال، ذوق اور اسد اللہ خان غالب شامل ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اُن سے متاثر ہونا صرف شاعری ہی ہو سکتی ہے لیکن ان کے علاوہ اور شخصیات جن کا ذکر آپ نے بڑی محبت سے کیا وہ آپ کے سکول میں ایک استاد تھے۔ آپ ''حرفِ آغاز'' میں اُس شخصیت کے بارے رقمطراز ہیں کہ:

''جس طرح حکیم الامت ڈاکٹر علامہ اقبال کی زندگی میں ایک انگریز استاد آرنلڈ نے انقلابی کردار ادا کیا، بالکل اسی طرح میری زندگی میں ایک ہندو استاد محترم کنہیہ لال نے بڑا کردار ادا کیا۔'' ۵۲؎

''داستانِ حسرت'' شیر محمد اسیر کا شعری مجموعہ ہے۔ جسے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے فنِ شعر سیکھا نہ ہی کسی سے اصلاح لی۔ جو ذہن میں آیا اسے صفحات پر لکھ دیا۔ لہٰذا اُن کے کلام میں جو اسقام ہمیں ملتے ہیں یہ اس لئے بھی کوئی عجیب بات نہیں کہ ایک زمیندار جو ادبی مراکز سے بہت دور اپنے کام میں مگن ہے۔ دن بھر ہل چلانا رات کو کھیتوں کو پانی دینا۔ یعنی ۲۴ گھنٹے کی مصروفیت کے باوجود اگر وہ شعر کہہ رہا ہے تو وہ تحسین کے لائق ہے اُسے بہرحال ایک عام آدمی سے زیادہ نمبر ملنے چاہیں۔ لیکن اُس نے اخلاقی اور اصلاحی پہلوؤں کو جن الفاظ میں ڈھالا ہے اور جس انداز سے بیان کیا ہے وہ ضرور قابلِ توجہ ہے۔

جناب شیر محمد اسیر نے اردو اور پنجابی دونوں زبانوں کو شعری اظہار کا ذریعہ بنایا اور تقریباً ۸۹ سال اس دنیا میں گزار کر دسمبر ۲۰۰۴ء ۵۳؎ میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آپ نے گاؤں میں ہی وفات پائی اور وہیں (کنڈ) میں ہی دفن ہوئے۔ نمونے کے چند اشعار

میں تو اس دنیا میں بھی اک غم زدہ انسان ہوں — آرزوؤں کی کہانی کا بھرا دیوان ہوں

Marfat.com

خاک سے پیدا ہوا اور خاک میں مل جاؤں گا   بس شرف ملنے سے میں خلقت میں اک پہچان ہوں
بت پرستوں کو دیا ہے حق پرستی کا سبق   کفر کو جس نے مٹایا میں وہی ایمان ہوں
اک بہانہ بن گیا دنیا بسانے کے لئے   ہم کو جنت سے نکالا میں تو وہ ارمان ہوں
یوں تو خلقت گو ناگوں ہے عالمِ دنیا میں اور   بندہ ہونے کے سبب اللہ کا میں احساں ہوں
بحرِ عصیاں میں ہوا ہوں غوطہ زن ایسا اسیر
مل نہیں سکتا کنارہ کیا کروں حیران ہوں ۲۵۴

☆

اے دل ذرا بتا دے تو نے کبھی کہیں بھی   سرسبز ہوتے دیکھی الفت کی سرزمیں بھی
ان کج نگاہیوں میں اور بے وفائیوں میں   الفت کے دائرے میں مقبول ہے نہیں بھی
کوچے میں اُن کے جا کے کوئی پتہ بتا دے   دیکھا کہیں بھٹکتا بے بس دلِ حزیں بھی
غیروں سے دل لگا کے اپنے کیے پرائے
دنیا تو جا چکی تھی اب جا رہا ہے دیں بھی ۲۵۵

عیش بخاری

نام منظور حسین، خاندانِ سادات سے تعلق اور عیش تخلص تھا۔ آپ رسول نگر نزد ملکوال تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا کے باسی تھے اور یہی گاؤں اُن کی جنم بھومی ہے۔ جس کی نسبت سے اپنے نام کے ساتھ کبھی کبھی رسول نگری (عیش رسول نگری) لکھا کرتے تھے۔ آپ کچھ عرصہ سرگودھا شہر میں بھی رہے۔ جس کا اندازہ ہم اُن کے شعری مجموعہ ''دیوانِ عیش'' پر لکھے گئے اُن کے ایڈریس سے لگا سکتے ہیں۔ اور پھر لاہور چلے گئے۔ لاہور کا ایڈریس ان کے ''مجموعہ رباعیات'' پر لکھا ہوا ملتا ہے۔ اس حوالے کے علاوہ اُن کا کوئی تعارف نہیں۔ نہ ہی کتابوں پر کوئی تاریخ وغیرہ درج ہے۔ دونوں کتابیں میں نے مطالعہ کی ہیں۔ کافی پرانی ہیں۔ ''مجموعہ رباعیات'' پر قیمت بھی نہیں۔ لیکن ''دیوانِ عیش''

Marfat.com

۱۳۶ صفحات کے مجموعہ کی قیمت ۴ روپے لکھی ہوئی ہے۔ جو ثنائی پریس سرگودھا سے شائع ہوئی ہے۔

دیوانِ عیش میں اُس دور کی غزلیں ہیں جب غزلوں کو نظموں کی طرح عنوان دیئے جاتے تھے۔ کیونکہ ہر غزل پر عنوان دیا گیا ہے۔ دیوانِ عیش کا دوسرا نام ''کششِ حسن'' ہے۔ جس کی ابتداء وہ ان الفاظ سے کرتے ہیں۔

''اس عوامی دور میں ایک عوامی دیوان کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے یہ حقیر ہدیہ پیش خدمت ہے۔ یہ عام فہم غزلوں، رباعیات، گیتوں اور مختلف موضوعات پر مشتمل ہے۔ اس میں شاعروں کی منطق الجھنیں نہیں ہیں۔ یہ وہ دیوان ہے جسے معمولی پڑھا لکھا آدمی مطالعہ کر کے لطف اندوز ہو سکتا ہے''۔ ح ۵۶

ایک اور دلچسپ بات جو آپ نے آزاد نظم کے بارے کہی ہے

''اب رہا ناقد صاحبان کی تنقید کا سوال۔ جب ان لوگوں نے لنگڑی شاعری کو اپنا لیا ہے۔ اور بڑی صفائی سے اسے شاعری مان لیا ہے جس کی ایک ٹانگ مشرق اور دوسری مغرب میں ہوتی ہے تو اس پر نکتہ چینی کیا کریں گے۔ حافظ اور غالب کی روحیں میری استاد ہیں۔

دل حسینوں کا اک کھلونا ہے　　شاعری کیا ہے اپنا رونا ہے'' ح ۵۷

صبر و قرار

تری نگاہ نے صبر و قرار لوٹ لیا　　مجھے جو دل پہ تھا وہ اختیار لوٹ لیا
یہ آج کل کے بھی ساقی عجیب رہزن ہیں　　پلا کے تھوڑی سی میرا قرار لوٹ لیا
تری نوازشیں بھی مجھ کو بارِ خاطر تھیں　　دکھا کے جلوہ مرا انتظار لوٹ لیا
بس ایک خواہشِ گل کے لئے ہی گلچیں نے　　غضب کیا تیرا حسنِ بہار لوٹ لیا
کسی کے غمزہ و ناز و ادا کا کیا کہنا　　نظر ملاتے ہیں نادیدہ کار لوٹ لیا

Marfat.com

مجھے پلانی تھی ساقی تو دیتا جام پہ جام　　تمھاری دیر نے میرا خمار لوٹ لیا

متاع صبر سے میں مالا مال تھا لیکن

میں کیا کہوں کہ مجھے کس نے یار لوٹ لیا۱۵۸

رباعیات

تجھ کو ہر بات میں پکارا ہے　　تو نے قسمت کو کب سنوارا ہے
لوگ کہتے ہیں گرنے والوں کا　　تو ہی دنیا میں اک سہارا ہے

☆

دل کو تیرے بتوں سے یاری ہے　　جان جو ہے سو یہ تمھاری ہے
خود تہی دست رہ کے دنیا میں　　زندگی اس طرح گزاری ہے

☆

ہجر میں پیچ و تاب ہے ساقی　　دل میں اک اضطراب ہے ساقی
تجھ سے ملنے کی آرزو کیا ہے　　اک سہانا سا خواب ہے ساقی

☆

ہیں غلامی کے جورو استبداد　　ہے رعونت وہی، وہی بیداد
سوچتا ہوں میں محوِ حیرت ہوں　　ملک ہوتے ہیں اسی طرح آزاد؟۱۵۹

احمد ندیم قاسمی

''پتر ہووے تاں احمد شاہ جیہا''۔ یہ پنجابی میں علاقہ سون کا ایک روایتی جملہ ہے۔ جسے لوگ اچھی اولاد کی خواہش یا دعا کیلئے استعمال کرتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ ''اگر بیٹا ہو تو احمد شاہ جیسا''۔۔۔احمد شاہ، احمد ندیم قاسمی کا معروف نام ہے۔لیکن یہ اُن کا اصل نام نہیں جیسا کہ اُن کی ذات پر لکھنے والی شخصیات نے لکھا ہے۔اور یہ بات احمد ندیم قاسمی کو پڑھنے والا ہر شخص جانتا ہے۔

Marfat.com

اس لئے حوالوں سے گریز کروں گا کیونکہ حوالے علیحدہ اُن پر لکھی کتاب میں تو اس قدر دیئے جا سکتے ہیں چند صفحات کے مضمون میں نہیں۔

دراصل ان کا پیدائشی نام احمد بخش تھا۔(۱۰) جس کا اظہار اُن کی حیات میں شائع ہونے والی اُن کی کتاب ''کیسر کیاری'' میں ناشر نے کیا اور اس کی تردید احمد ندیم قاسمی صاحب نے نہیں کی۔ کیونکہ اس کتاب کا پیش لفظ قاسمی صاحب نے ''ایک وضاحت'' کے عنوان سے خود لکھا۔ دوسرا اس کا انتساب ''مرشدِ گرامی حضرت مولانا عبدالمجید سالک کی نذر'' انہوں نے اپنے دستخطوں اور فروری ۱۹۹۹ء کی تاریخ کے ساتھ خود ہاتھ سے تحریر کیا۔ یہی نام اُن کے ہم عمر جناب شریف کنجاہی(۱۱) کی تحریر میں بھی لکھا گیا ہے۔ احمد بخش پر اس لئے بھی یقین کر لینے کو جی چاہتا ہے کہ راقم اسی پٹی کا باشندہ ہے اور اپنی روایات کا ''جانو'' بھی ہے۔ جناب احمد ندیم قاسمی کے بڑے بھائی کا نام محمد بخش تھا۔ لہٰذا والدین نے اُس نسبت سے ان کا نام ''جوڑواں'' احمد بخش رکھا ہوگا۔ چونکہ کچھ لوگ لاعلمی کے باعث ان کے خاندان کو شاہ (سید) خاندان سمجھتے تھے اس لئے احمد شاہ کہنے لگے اور یہی نام اُن کا معروف ہوگیا۔

یہاں آپ کے سنِ ولادت کے بارے بھی شکوک کو دور کرتے ہوئے عرض کردوں کہ جناب احمد ندیم قاسمی کی تاریخ ولادت اسی تواتر سے ہر جگہ ۲۰ نومبر ۱۹۱۶ء درج ہے۔ اور ابتدا سے آجتک یہی چلی آ رہی ہے جبکہ یہاں میں قارئین کی توجہ اُن کی اپنی خودنوشت کی جانب مبذول کرنا چاہوں گا۔ محمد حسن عسکری کو وہ اپنا تعارف کرواتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> ''میں ۱۹۱۵ء میں موضع انگہ تحصیل خوشاب ضلع سرگودھا (پنجاب) میں پیدا ہوا میرے آباؤ اجداد اپنے علاقے اور سیالکوٹ، گجرات اور کشمیر میں پیر مانے جاتے ہیں اس لئے نام کے ساتھ پیرزادہ بھی لکھتا ہوں۔ گو آج کل پیری میرے نزدیک اسلام کے زوال کا سب سے بڑا باعث ہے۔ چار جماعتیں اپنے گاؤں میں پڑھیں۔ والد صاحب ۱۹۲۴ء میں وفات پا گئے۔ اپنے حقیقی چاچا خان بہادر وسیم حیدر شاہ مرحوم افسر مال

Marfat.com

کے زیرِ سایہ اٹک، شیخوپورہ اور بہاولپور میں تعلیم پاتا رہا۔ ۱۹۳۵ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۰ء میں مجھے شعر کہنے کا شوق ہوا اور بغیر کسی راہبر اس میدان میں آگے بڑھتا رہا۔'' ۶۲ ؎

جناب احمد ندیم قاسمی کی اس تحریر سے اُن کی زندگی کے ابتدائی دنوں پر ایک خاص اور واضح روشنی پڑتی ہے۔ طوالت سے بچنے کے لئے مختصراً کہ کچھ عرصہ سرکاری ملازمت کے بعد مستقلاً صحافت اور ادب کی طرف آ گئے۔ سیفٹی ایکٹ کے تحت دوبار ۱۹۵۱ء اور ۱۹۵۸ء میں آپ کو قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ صحافت میں آپ درج ذیل رسائل و اخبارات کے ساتھ وابستہ رہے۔ مدیر ہفت روزہ ''تہذیب نسواں'' لاہور ہفت روزہ ''پھول''۔ ماہنامہ ''ادبِ لطیف'' لاہور۔ ماہنامہ ''سویرا'' لاہور۔ ماہنامہ ''سحر'' لاہور۔ سہ ماہی ''اقبال'' لاہور۔ روزنامہ ''ہلال'' میں کالم موج در موج۔ روزنامہ ''احسان'' لاہور میں کالم مطائبات۔ روزنامہ ''امروز'' لاہور میں کالم قلمی نام عنقا سے اور علمی و ادبی و تنقیدی مضامین تہذیب و فن کے عنوان سے روزنامہ جنگ کراچی میں کالم ''لاہور لاہور ہے''۔ روزنامہ حریت کراچی میں روزانہ فکاہی کالم موج در موج اور ہفتہ وار کالم لاہوریات۔ روزنامہ جنگ میں کالم ''رواں دواں''۔

مرحوم احمد ندیم قاسمی نے افسانہ، شاعری اور تنقید میں بہت سی کتابیں ہمارے درمیاں چھوڑیں۔

شعری مجموعے:

(۱)۔ دھڑکنیں (قطعات) (۲)۔ رم جھم (قطعات و رباعیات) (۳)۔ جلال و جمال (غزل، نظم) (۴)۔ شعلۂ گل (غزلیں، نظمیں) (۵)۔ دشتِ وفا (غزلیں، نظمیں، قطعات) (۶)۔ محیط (غزلیں، نظمیں) (۷)۔ دوام (غزلیں، نظمیں) (۸) لوحِ خاک (غزلیں، نظمیں) (۹)۔ جمال (نعتیہ کلام) (۱۰)۔ بسیط (غزلیں، نظمیں) (۱۱)۔ ارض و سما (غزلیں، نظمیں) (۱۲)۔ انوارِ جمال (نعتیہ مجموعہ) اِس میں آپ کی وفات کے بعد جمال اور اس کے بعد کی نعتیں ناہید

Marfat.com

قاسمی نے ترتیب دیا۔

افسانوی مجموعے:

(۱)چوپال (۲) بگولے (۳)طلوع و غروب (۴) گرداب (۵) سیلاب (۶) آنچل (۷) آبلے (۸) آس پاس (۹) درودیوار (۱۰) سناٹا (۱۱) بازارِ حیات (۱۲) برگِ حنا (۱۳) گھر سے گھر تک (۱۴) کپاس کا پھول (۱۵) نیلا پتھر (۱۶) کوہ پیا (۱۷) پت جھڑ (پت جھڑ میں ایک ناولٹ شامل ہے) کل ۱۸۳ افسانے ان مجموعوں میں شامل ہیں۔

تنقیدی کتب:

(۱) ادب اور تعلیم کے رشتے (۲) تہذیب و فن (۳) پسِ الفاظ (۴) معنی کی تلاش

خاکے:

(۱) میرے ہم سفر (۲) میرے ہم قدم

ترتیب و تدوین:

(۱) انگڑائیاں (مرد افسانہ نگاروں کا انتخاب) (۲) نقوشِ لطیف (خواتین افسانہ نگاروں کا انتخاب) (۳) کیسر کیاری (مضامین، کالم، ڈرامے تراجم) (۴) کیسر کیاری (منتخب فکاہی کالم) (۵) منٹو کے خطوط ندیم کے نام (۶) پاکستان کی لوک کہانیاں (ترجمہ) (۷) نذر حمید احمد خان (ترتیب)

بچوں کا ادب:

(۱)۔ آسمان کے گوشے میں (ڈرامے) (۲)۔ دوستوں کی کہانیاں (کہانی) (۳)۔ نئی نویلی کہانیاں (کہانی) (۴)۔ تین ناٹک (ڈرامے)"

احمد ندیم قاسمی کے فن پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ بہت سے رسائل اور جرائد نے ان کی شخصیت اور فن پر ندیم نمبر شائع کیے۔ جو کتب ترتیب دی گئیں اُن کے نام ہیں:

(۱) ندیم نامہ (محمد طفیل، بشیر موجد) (۲) ندیم کی شاعری (جمیل ملک) (۳) احمد ندیم قاسمی شاعر اور افسانہ نگار (۴) مٹی کا سمندر (ضیاء ساجد)۔ (۵) گل پاشی (منصورہ احمد) (۶) ندیم

Marfat.com

کی غزلوں کا تجزیاتی مطالعہ (ڈاکٹر ناہید قاسمی) (۷) احمد ندیم قاسمی ایک لیجنڈ (ڈاکٹر شکیل الرحمٰن) (۸) اردو کہانی کا احمد ندیم قاسمی (نند کشور وکرم، ہندی میں) (۹) ندیم کے افسانوی کردار (غافر شہزاد) (۱۰) افسانہ نگار احمد ندیم قاسمی (ڈاکٹر افشاں ملک) (۱۱) ندیم نامہ (ڈاکٹر اسلم فرخی)

جن رسائل نے ندیم نمبر نکالے:

(۱) ماہنامہ افکار کراچی جنوری فروری ۱۹۷۵ء (۲) سہ ماہی عبارت حیدر آباد اکتوبر ۱۹۹۶ء تا مارچ ۱۹۹۷ء (۳) احمد ندیم قاسمی عالمی سیمینار و مشاعرہ ۱۹۸۸ء ابوظہبی (۴) جریدہ عالمی اردو ادب ۱۹۹۶ء بھارت (۵) سہ ماہی ادبیات اسلام آباد اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۶ء (۷) سہ ماہی مونتاج لاہور جنوری تا اگست ۲۰۰۷ء۔ جبکہ ان کے علاوہ بھی کچھ نمبر اور کئی رسائل نے گوشے نکالے۔

جناب احمد ندیم قاسمی ایک لیجنڈ تھے اور ساری زندگی ادب کی خدمت میں گزاری سو اتنی طویل عمر میں آپ کو بہت سے اعزازات سے نوازا گیا۔ جن کی مکمل تفصیل تو ناممکن ہے بہر حال چند ایک جو ریکارڈ پر آ سکے اور میرے علم میں آئے وہ تحریر کر رہا ہوں:

(۱) کل پاکستان مقابلہ اردو نظم بعنوان ''پیغام عمل'' ۱۹۳۶ء۔ ۱۹۳۷ء گولڈ میڈل

(۲) اعلان آزادی کے موقع پر ریڈیو پاکستان پشاور نے اپنے پروگراموں کا آغاز ۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء کو آپ کے نغموں سے کیا۔

(۳) ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۴ء تک انجمن ترقی پسند مصنفین پاکستان کے سیکرٹری جنرل رہے۔ ۱۹۵۴ء میں بین لگ گیا۔

(۴) شعری مجموعہ ''دشتِ وفا'' پر ۱۹۶۴ء میں آدم جی ایوارڈ ملا۔

(۵) شعری مجموعہ ''محیط'' پر ۱۹۷۶ء میں آدم جی ایوارڈ ملا۔

(۶) شعری مجموعہ ''دوام'' پر ۱۹۷۹ء کا آدم جی ایوارڈ ملا

(۷) دوحہ ادبی ایوارڈ (یو، اے، ای)

(۸) غالب ایوارڈ (دہلی)

Marfat.com

(۹) پرائڈ آف پرفارمنس، حکومت پاکستان کی طرف سے ۱۹۷۸ء۔

(۱۰) ستارۂ امتیاز، حکومت پاکستان کی طرف سے ۱۹۸۰ء

(۱۱) کمال فن ایوارڈ ۱۹۹۷ء۔۱۹۹۸ء

(۱۲) نشان امتیاز۔۱۹۹۹ء۔

(۱۳) اے۔آر۔وائی گولڈ ادبی ایوارڈ ۲۰۰۲ء

(۱۴) ۲۰۰۱ء میں فیض محمد ٹرسٹ بھکر نے سال کی بہترین تخلیقات پر''احمد ندیم قاسمی ایواڈ'' کا اجراء کیا۔

احمد ندیم قاسمی نے فیچر فلم ''دوراستے'' پر ۱۹۴۰ء اور فلم ''لوری'' پر ۱۹۶۴ء میں بہترین مکالمہ نگار کے ایوارڈ بھی حاصل کیے۔

ٹی وی پر آپ کے متعدد افسانوں کو ڈرامائی صورت میں پیش کیا گیا۔

احمد ندیم قاسمی نے ۱۹۶۳ء میں اپنا رسالہ ''فنون'' جاری کیا جو آپ کی زندگی کے آخری مہینوں تک شائع ہوتا رہا۔آپ نے مجلسِ ترقی ادب کے ناظم کی حیثیت سے زندگی کا بڑا حصہ گزارا او رپھر انہی خدمات کی ادائیگی میں نشیب وفراز سے گزرتے اور زیروزبر ہوتے ہوئے بالآخر ۱۰ جولائی ۲۰۰۶ء کو پنجاب انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی لاہور میں جہاں آپ زیرِ علاج تھے وفات پائی اور شاہ المشائخ قبرستان ملت پارک سمن آباد لاہور میں آپ کو دفن کیا گیا۔راقم کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وفات کی اطلاع ملتے ہی ریڈیو پاکستان سرگودھا سے اُن کی شخصیت اور فن پر پہلا پروگرام پیش کیا۔

یاد

کتنا تاریک ہے اس شب کا گھنا سناٹا
چاند نکلا ہے مگر چاند کی ایک ایک کرن نوکِ نشتر کی طرح دل میں اتر جاتی ہے
اور جب حد سے گزر جاتی ہے سینے کی جلن چاند بجھ جاتا ہے اور چاندنی مر جاتی ہے
دشت دل سے جو نکلتی ہے گزرگاہِ خیال

Marfat.com

اپنے سینے پہ سجائے ہوئے یادوں کے نشاں — آج اک زخم کی مانند ابھر آئی ہے
ایک اک پل میں سمٹ آئی ہیں کتنی صدیاں — ایک اک سانس مرا عالمِ تنہائی ہے
یوں تو ہر دور میں جذبات کی رت آتی ہے
جب تری یاد سے بھر جاتا ہے پیمانۂ جاں — تیری آہٹ امڈ آتی ہے مرے خوابوں میں
سر بسجدہ نظر آتا ہے مرا شعر جواں — تیرے پیکر کی دمکتی ہوئی محرابوں میں
یوں تو کاٹے ہیں کڑے کوس تری فرقت کے
درد میں اب جو چمک ہے کبھی پہلے تو نہ تھی — آج تو تیرے خیالوں سے بھی آنچ آتی ہے
آج تو تیرا تصور بھی ہے گلدستۂ خار — آج تو یاد بھی اک ہوک سی بن جاتی ہے
آج کی شب کہیں وہ شب ہی نہ لوٹ آئی ہو
اٹھ سکی جس میں نہ خود وقت کے قدموں کی صدا — جس میں اک عمر سے گم ہے ترا پیمانِ وفا
جس میں جب چاند بھی ابھرا تو دھواں پھیل گیا — پاس جس کے مری آنکھوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا
۶۳ء

غزل

تو بگڑتا بھی ہے خاص اپنے ہی انداز کے ساتھ — پھول کھلتے ہیں تیرے شعلۂ آواز کے ساتھ
ایک بار اور بھی کیوں عرضِ تمنا نہ کروں — کہ تو انکار بھی کرتا ہے عجب ناز کے ساتھ
لے جو ٹوٹی تو صدا آئی شکستِ دل کی — رگِ جاں کا کوئی رشتہ ہے رگِ ساز کے ساتھ
تو پکارے تو چمک اٹھتی ہیں میری آنکھیں — تیری صورت بھی ہے شامل تیری آواز کے ساتھ
جب تک ارزاں ہے زمانے میں کبوتر کا لہو — ظلم ہے ربط رکھوں گر کسی شہباز کے ساتھ
پست اتنی تو نہ تھی میری شکست اے یارو — پر سمیٹے ہیں مگر حسرتِ پرواز کے ساتھ
عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہلِ وطن
یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کی ساتھ ۶۴ء

Marfat.com

مضطر دھریموی

ہمارے ہاں پنجابی میں ایک مثل مشہور ہے "دھریمہ ہر پاسیوں ۹ کوہ اے" یعنی جدھر سے بھی جائیں دھریمہ ساڑھے چودہ میل کے فاصلے پر ہے۔ خدا جانے اس کے پیچھے کیا منطق ہے۔ لیکن یہاں جس شخصیت کا ذکر مقصود ہے وہ اسی گاؤں دھریمہ میں ۸ جون ۱۹۱۶ء ۲۶۵ع کو پیدا ہوئے۔ اس وجہ سے اپنے تخلص مضطر کے ساتھ دھریموی کا لاحقہ استعمال کیا۔

مضطر دھریموی کا اصل نام کریم بخش تھا اور ادبی شخصیات اور ادبی محفلوں کے علاوہ آپ میاں کریم بخش تنگیانہ کے نام سے ہی پہچانے جاتے تھے۔ آپ تنگیانہ خاندان کے ایک کھاتے پیتے زمیندار تھے اور رئیس دھریمہ اور دھریمہ کے ذیلدار ہونے کے باوجود بھی درویش منش اور صوفیانہ صفات کے مالک تھے۔ آپ کو مطالعے کا بہت شوق تھا اور اسی شوق کے باعث ایک لائبریری اپنے ہاں بنا رکھی تھی۔ یہی مطالعہ آپ کو شاعری کی طرف لایا اور آپ نے حافظ یوسف آزاد کے سامنے باقاعدہ زانوئے تلمذ تہ کیا۔ آپ جہاں سرگودھا کی ادبی محفلوں میں باقاعدگی سے شریک ہوتے وہاں اپنے ہاں دھریمہ میں بھی شعراء کو دعوت دیتے۔ محفلیں سجاتے اور خوب مہمان نوازی کرتے۔

ڈاکٹر خورشید رضوی کہتے ہیں کہ :

> "کردار میں سادگی و بے ساختگی اور محبت و مروت بے مثال ہے۔ دنیا کے علائق سے یکسر منزہ، صرف ادب دوستی کے تحت شعراء و ادباء کو دھریمہ میں پُرتکلف ضیافتیں دینا، آپ کی روایت میں شامل ہے۔ دھریمہ کی اس پرسکون مہمان سرا میں پاکستان کے اکثر نامور شعراء تشریف لا چکے ہیں۔ ایک نعتیہ مجموعہ "سبد گل" کے عنوان سے اور ایک غزلوں کا انتخاب "نسیمِ صبح" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ علاوہ بریں پنجابی میں "سی" اور متعدد نظمیں بھی لکھی ہیں۔ کلام میں سچائی، محبت، سوز و گداز، بے ساختگی اور حسن و خیر کا وہی

Marfat.com

آمیزہ ملتا ہے جو مضطرؔ صاحب کی شخصیت کا جزوِ اعظم ہے"۔۲۶۶

یہ صاف گو، مہمان نواز اور بڑھاپے کے باوجود ادبی ذوق کی راہ میں بنا تھکاوٹ رواں دواں مسافر بالآخر ۳۱ جنوری ۱۹۹۴ء کو اُس نگر چلا گیا جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔ آپ کو دھریمہ کی خاک میں ہی دفن کیا گیا۔

نعت رسول ﷺ

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا مدینے کی نکھری نکھری فضا مدینے کی
دل میں ٹھنڈک سی پڑنے لگتی ہے جب بھی آئے ہوا مدینے کی
شاہِ خیرالامم کی بستی ہے عظمتیں بے بہا مدینے کی
شوق دل میں مرے زیارت کا لب پہ ہے التجا مدینے کی
ہر مرض کا علاج ہے مضطرؔ
خاک ہے کیمیا مدینے کی۲۶۸

غزل

نقش و نگار بزمِ جاناں، شہرِ سخن کی بات چلی
نگری نگری، بستی بستی، رنگِ چمن کی بات چلی
دل کی اجڑی دنیا میں پھر آج کسی کی یاد آئی
صحنِ گلستاں میں پھر جیسے آج پون کی بات چلی
رونقِ محفل جن سے تھی وہ دوست ہمیں یاد آتے ہیں
جب بھی زمین میں ماضی کے اس نقشِ کہن کی بات چلی
گردشِ دوراں سے گھبرا کر لب پہ فسانے آ ہی گئے
اہلِ ستم کی محفل میں پھر دار و رسن کی بات چلی
جب بھی مضطرؔ شعر لکھے ہیں جب بھی گایا گیت کوئی

Marfat.com

شاکرحسین شاکر

شاکرحسین شاکر کا اصل نام عبدالواسع ہے۔ محسن عباس نے ۷۰ میر کا سابقہ ساتھ لگایا ہے جبکہ بدر منیر ۷۱ نے سید کے سابقہ سے نام لکھا ہے۔ میر اور سید کہیں تو یکجا کر دیئے گئے ہیں اور کہیں تاریخ میں ان کو بالکل الگ الگ اقوام کے حوالے سے لکھا گیا ہے۔ نجانے یہ دونوں حضرات میر اور سید کو یکجا کرتے ہیں یا میرو میرزا کے چکر میں ہیں۔ جبکہ شاکرحسین شاکر آپ کا ادبی حوالہ ہونے کے ساتھ مستقل پہچان بن چکا ہے۔

''عبدالواسع ضلع بجنور کے گاؤں حسین پور میں جناب غلام نبی کے ہاں ۱۹۱۶ء میں پیدا ہوئے۔'' ۷۲ آپ نے پرائمری تک ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں سے حاصل کی۔ اس کے بعد بجنور میں داخلہ لیا۔ لیکن مڈل ہی کر پائے تھے کہ والد کی ضعیف العمری آڑے آ گئی اور زمینداری کا سارا بوجھ آپ پر آن پڑا۔ اِس کے باوجود اندر ایک ابال سا تھا اور کچھ کرنے کی خواہش انہیں صحافت کی طرف لے آئی۔ یوں تحریکِ پاکستان کے دوران آپ مسلم لیگ کا لفظوں سے بھی ساتھ دیتے رہے۔ پاکستان جب معرضِ وجود میں آ گیا تو ۱۹۵۲ء میں ایک دن والدین اور بہن بھائیوں کو بتائے بغیر ہندوستان کو خیرباد کہا اور پاکستان آ گئے۔ یہاں آنے کے بعد حالات اگرچہ دگرگوں رہے لیکن آپ گھبرائے نہیں۔ بدر منیر آپ کے ایک خط کا حوالہ دیتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''اگرچہ یہاں آ کر نامساعد حالات سے دوچار رہا لیکن کبھی گھبرایا نہیں''۔ ۷۳ جب تھل ڈویلپمنٹ اتھارٹی نے کام شروع کیا تو شاکرحسین شاکر کو اس ادارے میں بطور پٹواری اشتمال اراضی ملازمت مل گئی۔ اس پورے عرصے میں آپ خاموشی سے شاعری سے لو لگائے رہے اور کبھی کبھی لکھ کر محفوظ کرتے رہے۔ سرکاری ملازمت کی ریٹائرمنٹ ساٹھ سال کی عمر میں ہوتی ہے اس لئے قیاساً یہ کہنا درست ہوگا کہ آپ ۱۹۷۶ء میں ریٹائر ہوئے ہوں گے۔ سو! اس کے بعد اپنے کلام کو یکجا کیا۔ لیکن اس کی اشاعت

Marfat.com

کا مرحلہ آپ کی زندگی میں نہ آ سکا۔ کیونکہ آپ کی زندگی نے ۳ جنوری ۱۹۸۳ء؁ کو آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ۱۹۵۲ء کے بعد آپ نے زندگی جوہر آباد میں ہی گزاری اور یہیں آخری آرام گاہ پائی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کی بیٹی محفوظ آرا نے آپ کے کلام کو ''شاہِ سخن'' کے نام سے ۲۰۰۳ء میں شائع کروایا۔ اس مجموعہء کلام میں صرف اُن کی غزلیں شامل ہیں ممکن ہے باقیات بھی موجود ہوں۔ آپ کی غزل میں تغزل اور رومانیت کا رنگ تو ہے ہی لیکن اخلاقیات، پندونصائح اور جمالیات بھی اس میں نمایاں ہے۔

مرے مرنے کی جا میرے مسیحا کو خبر کر دے
بڑا احسان ہو اس کا کوئی اتنا اگر کر دے

میرے رہنے کو اک چھوٹا سا اپنے دل میں گھر کر دے
مجھے دنیائے فانی چین سے جینے نہیں دیتی

کبھی آوارگی کوچہ بہ کوچہ در بہ در کر دے
نہیں ہے اور کچھ خطرہ فقط ڈر ہے تو اتنا ہے

تصور میں جو روتے روتے اپنے چشم تر کر دے
یقیں کامل ہے یہ مجھ کو دُرِ مقصد بھی مل جائے

دیا ہے عشق شاکر کو تو پھر آہِ رسا بھی دے
یہ تا کہ خود ہی جا کر حال کی اپنے خبر کر دے ۵؎

☆

کو بہ کو پھرتی ہے لے کر چشمِ حیرانی مجھے
ماسوا اس کے نہیں کوئی پریشانی مجھے

جامہ سے باہر نکل آتا کبھی کا ذوق و شوق
بیٹھ جاتا ہے پکڑ کر فرضِ انسانی مجھے

چاند پر اپنے پہنچ کر میں نے کرنا تھا سلام
پر یہیں روکے کھڑا ہے داغ دامانی مجھے

گو کہ سامانِ تعیش ہو چکے ہیں سب بہم
چین سے جینے نہ دے گی فتنہ سامانی مجھے

من میں گر غوطہ لگاتا کیوں نہ پا لیتا مراد
خاک چھنواتی ہے اکثر میری نادانی مجھے

مان سکتا تھا میں شاکر نیم ملا کی بھی بات
کاش سمجھاتا یہ اندازِ مسلمانی مجھے ۶؎

Marfat.com

علامہ یوسف جبریل

محمد یوسف نام، جبریل تخلص اور علامہ اپنی علمی استعداد کے باعث کہلائے جاتے ہیں۔آپ کا ابتدائی نام غلام حسین تھا جسے بعد میں تبدیل کر کے محمد یوسف رکھا گیا۔آپ ۷افروری ۱۹۱۷ء کو موضع کھبیکی وادیٔ سون سکیسر میں اعوان قوم کے ملک محمد خان کے ہاں پیدا ہوئے۔اگرچہ آپ کافی ذہین تھے اور آپ کے والد بھی آپ کو تعلیم دلوانا چاہتے تھے۔لیکن نجانے کیوں اور کن وجوہات کی بناپر ساتویں جماعت سے سکول چھوڑ دیا اور سترہ سال کی عمر میں فوج میں بھرتی ہو گئے۔ اُسی یونٹ میں اُن دنوں ایوب خان (بعد میں فیلڈ مارشل اور صدر پاکستان) بھی لیفٹیننٹ کے عہدے پر فائز تھے۔وزیرستان سے ہوتی ہوئی یہ یونٹ عراق میں پہنچ گئی اور یہیں سے آپ کی زندگی نے رُخ بدلا۔یہ سب کیسے ممکن ہوا؟انہیں کی زبانی سنیے :

> ''وہاں ایک اسلامی مسئلہ درپیش آیا۔ میں نے اپنے آپ کو قربانی کیلئے پیش کیا۔کمان انگریز کی تھی۔الزام میدانِ جنگ میں حکم عدولی کا تھا۔سزا سنگین ہوسکتی تھی مگر اسلام کے لئے سب منظور تھا۔البتہ شہنشاہِ معظم انگلستان کی کمیٹی نے کورٹ مارشل کے ارکان کو جھاڑ پلائی اور میرے لئے نہایت خفیف سزا کا اعلان ہوا''۔۷۷

اس سزا کے بعد آپ نے سوچا کہ تعلیم کا جو سلسلہ منقطع ہو گیا تھا اُس کو جاری کیا جائے۔ اب سکول و کالج کی عمر تو تھی نہیں۔کتابیں پڑھ کر علم حاصل کیا جاسکتا تھا۔جن دنوں آپ کو سزا ہوئی تھی انہیں دنوں آپ کو ایک محیر العقول خواب بھی آیا۔جو آپ کی زندگی کو بدلنے کا محرک بنا۔بہرحال ۱۹۴۲ء کے بعد علم کے حصول کے سلسلے میں آپ لکھتے ہیں :

> ''سالہا سال کی روز و شب کی انتھک اور مسلسل محنت کے نتیجے میں، میں نے اردو میں ولی دکنی سے اقبال تک، فارسی، رودکی، سے عنصری

Marfat.com

تک۔ انگریزی چاسر سے شیلے اور چارلس ڈکنز تک پڑھ ہی نہیں لی بلکہ مشاہیر کی طرز پر طبع آزمائی بھی کر سکتا تھا۔ عربی میں عنتر بن شداد کا معرکہ آرا قصیدہ کویت کی ریت پر بیٹھ کر پڑھنا اور سردی میں ٹھٹھرنا مجھے اب تک یاد ہے۔ یہی نہیں۔ میں نے توریت، زبور، انجیل (انگریزی نسخہ) پڑھے۔ سائنس میں فزکس، کیمسٹری، ریڈیو بائیولوجی، نیچرل سائنس پڑھی۔ سائنس کی تاریخ، فلسفے کی تاریخ، دنیا کی مختلف قوموں کی سیاسی اور ادبی تاریخیں پڑھیں، جملہ مذاہب کو تقابلی نظر سے جانچا۔ تہذیبوں کے تجزیے کیے۔ قرآن حکیم کا خصوصی مطالعہ کیا یہ جدوجہد ۱۹۴۲ء سے ۱۹۸۲ء تک جاری رہی۔ نتیجے میں چودہ جلدیں قرآن حکیم کے لفظ حطمہ کی انگریزی تفسیر اور اتنی ہی جلدیں اردو میں لکھ دیں۔ کئی سو مضامین اردو، انگریزی اخباروں رسالوں میں چھپ چکے ہیں''۔ ۷۸ے

علامہ یوسف جبریل کے بارے راقم نے کئی مقامات پر لکھا اور کئی کتب میں مضامین اس سلسلے میں شامل ہیں۔ اُن سے ملاقاتیں میری زندگی کا حاصل ہیں۔ میں نے خود اُن کی زبانی بہت کچھ سُنا۔ اُن کے بیٹے شوکت محمود اعوان سے بہت کچھ حاصل کیا اور علامہ صاحب کی تحریروں سے بھی بہت کچھ لیا۔ شاید اس وجہ سے میرے لئے یہ امر مشکل ہے کہ میں اُنکے تعارف کو مختصر کر سکوں۔ اسی لئے میں ان کے تعاف کو چھیڑنا ہی نہیں چاہوں گا بس سرسری طور پر ایک واقعہ جو اینی میری شمل سے مناظرہ کی صورت پیش آیا۔ اور ۱۹۶۳ء کے اخبارات میں عرصے تک موضوع بحث رہا۔ اس مناظرے میں علامہ صاحب نے یہ ثابت کر دیا کہ قرآن مجید الہامی کتاب ہے۔ مخلوق نہیں۔ جس پر اینی میری شمل کو منہ لٹکائے واپس جانا پڑا اور دوبارا آنے پر علامہ صاحب سے درخواست گزاری کہ اُسے کلمہ پڑھایا جائے۔ اور دوسرا اہم کام علامہ صاحب کا اسلامی بم کے حوالے سے دیگر ممالک کے مشاہیر کے ساتھ خط و کتابت ہے جن میں بی ایچ بلیک ویلز لمیٹڈ، سویڈش جوہری توانائی انسپکٹریٹ،

Marfat.com

مسٹر جیمس کرین، پوپ جان پال، علامہ اسد، وزیر اعظم جاپان، برٹرینڈ رسل اور دوسرے بہت سے رسائل کے مدیران اور اہم شخصیات شامل ہیں۔

علامہ یوسف جبریل کی اردو اور انگریزی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جن میں سے کئی شائع ہو چکی ہیں اور بہت سی ابھی تشنہء اشاعت ہیں۔ اُن کتب کی اشاعت کا سارا کام اُن کے بیٹے شوکت محمود اعوان انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی کتب میں سے ایک سلسلہ "Gabriel's Extinguishing the Atomic Hell Series, I کے نام سے ہے جن میں درج ذیل کتب شامل ہیں:

Vol-I The First Eruption of Gabriel's Argument against the Atomic Hell.(غیر مطبوعہ)

Vol-2. Quran Predicts, Characterizes and averts the Atomic Hell. (غیر مطبوعہ)

Vol-3 Atomic-energy for peace a curse. (غیر مطبوعہ)

Vol-4.Quran versus Atomism, Ancient and Modern. (غیر مطبوعہ)

Vol-5. An Essay on Bacon's life in reference to his philosophy. (غیر مطبوعہ)

Vol-6. Unscientific Philosophy of the scientist and the Quran. (غیر مطبوعہ)

Vol-7.Democritus enkindles, Abraham Extinguishes the atomic hell. (غیر مطبوعہ)

Gabriel's Extinguishing the Atomic hell Series-II

Vol-1. Quran Sounds its unclear warning about the atomic hell (غیر مطبوعہ)

Vol-2 A Quranic Design of the Neutralizer of the (غیر مطبوعہ)

Vol-3 The case of the atomic hell and my mission there in . atomic energy for peace in the court of lord Justice Sciene.

Marfat.com

(غیر مطبوعہ)

Vol-4. Atomic hell the logical consequence of Baconian philosophy. (غیر مطبوعہ)

Vol-5. Atomic hell, Baconian philosophy, Anti Christ, Quran and Abraham. (غیر مطبوعہ)

Vol-6. Relation between the Quran and the Bible. (غیر مطبوعہ)

Vol-7. The Quran corrects a philosophy confined to the present day Sceince.

Vol-8. The Gabriel's Islamic Bomb. (مطبوعہ)

Different Books

1. Accidental birth of earth (غیر مطبوعہ)
2. Gabriel Trumpets the doomsday (مطبوعہ)
3. Mysterious Universe (غیر مطبوعہ)
4. Atomic hell, Baconian philosophy and Christ. (غیر مطبوعہ)
5. Purspose of creation (غیر مطبوعہ)
6. Quran prescribes the nuclear technology. (غیر مطبوعہ)
7. Gabriel's articles about Hotama. (غیر مطبوعہ) Vol-I
8. Gabriel's articles about Hotama. (غیر مطبوعہ) Vol-II

علامہ یوسف جبریل نے اردو زبان میں کئی کتابیں لکھیں۔ جن میں سے چند ایک شائع ہو چکی ہیں اور باقی منتظر ہیں۔

۱۔ معاشیات جلد اول تا چہارم (مطبوعہ)

۲۔ نشانِ منزل (معاشیات کے بارے مضامین) غیر مطبوعہ

۳۔ ایٹمی آگ کی قرآنی تشریح (مطبوعہ)

۴۔ حرارت (مطبوعہ)

۵۔ مضامین جبریل جلد اول تا ہفتم (تمام مضامین اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں)

Marfat.com

۶۔ جہاد کے اخلاقی اصول (مطبوعہ)

۷۔ فتنۂ دجال (مطبوعہ)

۸۔ طب یونانی سے ہومیوپیتھی تک (رسالہ مطبوعہ)

۹۔ چڑیا گھر کا الیکشن (مطبوعہ)

۱۰۔ بیکن، دجال، علامہ اقبال، امام مہدی، ابرہیم اور ایٹمی جہنم (مطبوعہ)

۱۱۔ یہودیت، عیسائیت اور اسلام کا تقابلی جائزہ (مطبوعہ)

۱۲۔ ایٹمی جہنم بھڑکائے دیموقراطیس اور بجھائے حضرت ابراہیم (غیر مطبوعہ)

۱۳۔ ایٹمی جہنم بجھانے والا قرآنی فارمولا (مطبوعہ)

۱۴۔ قرآنِ حکیم اللہ کی الہامی کتاب نہیں ہے؟ (مناظرہ)(مطبوعہ)

۱۵۔ قدیم و جدید اٹامزم اور سائنس کی مثلث (مطبوعہ)

۱۶۔ علوی اعوان قبیلہ مختصر تعارف (مطبوعہ)

۱۷۔ فقرِ غیور (مطبوعہ)

۱۸۔ رازِ خلیل اور آتشِ فیل (فارسی کلام تحریریں اور خطوط) زیرِ طبع

۱۹۔ مضامین جبریل سیریز حصہ اول (مطبوعہ)

۲۰۔ حطمہ کا ابتدائی اظہار (مطبوعہ)

۲۱۔ سوئے منزل (مطبوعہ)

۲۲۔ ایٹمی جہنم: ایٹمی بم اور قرآن (مطبوعہ)

۲۳۔ اسلامی بم (مطبوعہ)

۲۴۔ فلسفہ تخلیقِ کائنات (مطبوعہ)

۲۵۔ اپنی میری شمل (غیر مطبوعہ)

۲۶۔ جہاد کا اسلامی نظریہ (غیر مطبوعہ)

Marfat.com

۲۷۔ نالۂ جبریل (غیر مطبوعہ)

۲۸۔ اسلام کا معاشی نظام (غیر مطبوعہ)

۲۹۔ جدید سائنس (غیر مطبوعہ)

۳۰۔ ایٹمی سائنس اور قرآن کریم کے معجزے (غیر مطبوعہ)

۳۱۔ یکنی جہنم، ایٹمی جہنم اور قرآن کریم (غیر مطبوعہ)

نثر کی ان کتب کے علاوہ علامہ یوسف جبریل کے چار شعر مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں:

۱۔ نعرۂ جبریل ۲۔ نغمۂ جبریل آشوب ۳۔ خواب جبریل ۴۔ سوزِ جبریل

چند مجموعے زیرِ ترتیب ہیں۔ جن میں سے نالۂ جبریل اشاعت کے لئے تیار ہے۔

علاوہ ازیں علامہ یوسف جبریل کی سوانح کا پہلا حصہ ''علامہ محمد یوسف جبریل حیات وخدمات'' جسے ڈاکٹر تصدق حسین راجا نے ترتیب دیا ہے شائع ہو چکا ہے اور اس کا دوسرا حصہ وہ ترتیب دے رہے ہیں۔ آپ نے ''۵ جنوری ۲۰۰۶ء کو واہ میں وفات پائی اور وہیں آپ کی تدفین ہوئی''۔[۸۰]

علامہ یوسف جبریل کی پوری شاعری قومی، ملی اور اخلاقی حوالے سے ہے اور اُسے اگر حضرت علامہ اقبال کا تتبع کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو۔ نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیے۔

وہ دور جس کا زمانے کو انتظار ہے آج　　طلوعِ شرق کے پردوں میں بے قرار ہے آج
نکل کے 'لا' کے اندھیروں سے بن کے 'الا اللہ'　　ہلال بن کے افق پر وہ آشکار ہے آج
تجھے ہو شوق تو منظر مرے ضمیر میں دیکھ　　زمانہ جس کے تقدس سے گل عذار ہے آج
نہ آئے تجھ کو نظر تو مری نگاہ سے دیکھ　　جہاں نما میری نظروں میں ذوالفقار ہے آج
مری زباں پہ یہ فردا کی بات ہے ورنہ　　زمانہ داغِ جہالت سے داغدار ہے آج
سمجھ رہے ہیں جسے کُل جہاں کے اہلِ گماں　　سمٹ کے میری نگاہوں میں جلوہ کار ہے آج
جہاں ہوا ہے منور جو نورِ مرسل سے　　نبیؐ امی زمانے کا تاجدار ہے آج

Marfat.com

جہاں میں بندۂ مومن کی بندہ ری ہے ہوا — زمانہ اُمتِ مسلم کا ساز گار ہے آج
اذانِ بندۂ مومن میں ہے جلال و سکوں — فغانِ کافر و مشرک میں انتشار ہے آج
جہاں میں جنتِ ارضی کا ہے سماں ہر سو — کہ بحرِ رحم و کرم بحر بے کنار ہے آج
پلٹ گئی ہے جو تقدیر اپنی ملت کی — نصیب دور بھی مسلم کا یارِ غار ہے آج
غریب و سادہ و بدحال تھا جو مردِ فقیر — عزیز و مرشد و سرتاج و نامدار ہے آج
فریب و مکر و امارت سے باوقار تھا جو — ذلیل و خوار و زبوں حال و بے وقار ہے آج
زمیں پہ بن کے جو نمرود دندناتا تھا — اسی زمیں پہ وہ ذلت کا اشتہار ہے آج
بُرے جہاں میں ہیں بدبخت و نامراد و زبوں — جو بندہ نیک ہے خورسند و کامگار ہے آج
جو کل تلک تھے تکبر کے آسماں جبریل — زمیں پہ اُن کے لئے عجز و انکسار ہے آج
مری یہ بات سمجھ لے خلافِ عقل نہیں — ستارہ دیکھ کہ امت کا تابدار ہے آج
جو بے یقیں ہو زمانہ تو کیا قصور مرا — خطا معاف کہ باطن میں شعلہ زار ہے آج
نظر نواز یہ منظر یہ منظرِ فردا — مرے یقیں کی تجلی میں عکس بار ہے آج
یقیں نہ ہو تو ادھر دیکھ معجزے کی یہ شان — کہ پتہ پتہ یہاں چشمِ انتظار ہے آج
ہزار سال یہ عالم رہے بعید اس سے — وہ اتفاق جو ان کے گلے کا ہار ہے آج

اگر عزیز مری بات کا یقیں کر لیں
عجب نہیں کہ ہلال کو انجمیں کر لیں

☆

فلک ہے نوحہ کناں لا الٰہ الا اللہ — زمیں ہے محوِ فغاں لا الٰہ الا اللہ
نہاں رہے ہیں جو اسرار اس زمانے سے — ہوئے ہیں مجھ پہ عیاں لا الٰہ الا اللہ
مرے جگر سے جو قرآں کی ہوک اٹھی ہے — سنیں گے اہلِ بیاں لا الٰہ الا اللہ
تری ہوس کے تلاطم کو پھونک دے شاید — نوائے شعلہ فشاں لا الٰہ الا اللہ

Marfat.com

سمومِ غرب کی آندھی میں مصطفےؐ کا نظام خیال و وہم و گماں لا الہٰ الا اللہ
نظر فریب ہے دجال و سامری کا فسوں طلسمِ جادوگراں لا الہٰ الا اللہ
الٹ رہی ہے جہاں سے تری بساطِ حیات کدھر ہے تیرا دھیاں لا الہٰ الا اللہ
وہ علم جس کا ہو انجام ایٹمی دوزخ وہ علم علمِ قراں؟ لا الہٰ الا اللہ
یہ غورِ سائنس و تسخیرِ کائنات جدید قراں کا فکر کہاں لا الہٰ الا اللہ
ہوس نے زور تو مارا بہت ولے یہ زمیں ہوئی نہ رشکِ جناں لا الہٰ الا اللہ
نمازِ عشق کے طالب سنیں صدائے سروش ہوئی فلک پہ اذاں لا الہٰ الا اللہ
جلا دیا ہے حوادث کی آگ نے جبریلؔ
کہ بن گیا ہوں دھواں لا الہٰ الا اللہ ۲۸۲

صادق ساہنی

محمد صادق ۱۹۱۷ء میں گکھڑ منڈی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق ساہنی خاندان سے تھا جو ہندومت چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ اس خاندان کے لوگ آج بھی گجرات اور سرگودھا میں آباد ہیں۔

صادق ساہنی نے غربت کی آغوش میں آنکھ کھولی۔ اسی باعث تعلیم بھی مکمل نہ کر سکے اور محنت مزدوری کر کے گزر اوقات کرنے لگے۔ عملی زندگی کی ابتداء لڑکپن سے ہی گاؤں سے شروع ہو گئی تھی اور پھر قسمت انہیں سرگودھا لے آئی۔ یہاں محنت مزدوری کی۔ صرافہ بازار میں زیورات کے ڈبے بنانے کا کام شروع کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اندر ہی اندر جو جذبات پل رہے تھے انہیں لفظوں کی زبان دینے لگے۔ چونکہ فرصت کے لمحات کم ہوتے تھے۔ اس لئے اپنے اشعار لکھ کر اپنے پاس رکھتے اور بہت کم کسی ادبی محفل میں دکھائی دیتے۔ شعر کہنے کا یہ سلسلہ خاموشی سے اور زیست گمنامی میں گزارنے کا عمل جاری رہا۔ کام کی نوعیت اور حالات نے انہیں دمہ کا مریض بنا دیا۔ اور اسی بیماری

Marfat.com

میں بالآخر ۲۵ جنوری ۱۹۷۸ء۸۳ کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

آپ نے اپنے بعد کوئی قیمتی اثاثہ نہیں چھوڑا۔ جو شاعری کی وہ بھی خدا جانے کس کے ہاتھ لگی۔ ''سخنورانِ سرگودھا'' میں شائع آپ کی تصویر سے اندازہ ہوتا ہے کہ کہیں جانباز، ''فائر بریگیڈ یا شہری دفاع وغیرہ میں بھی آپ نے کچھ حصہ ڈالا ہوگا۔ محمود اسیر اُن کے بارے لکھتے ہیں کہ:

''آپ جس قدر حساس تھے۔ اس سے زیادہ اپنے شعروں پر بھاری تھے۔ سرگودھا کی ادبی محفلوں میں گو آپ کی شرکت جزوی تھی مگر یہ سب پر عیاں ہے کہ آپ جیسا میزبان شاعر دوستوں کو کم ہی میسر آیا ہے۔ صاف گو، منکسر المزاج، تصنع سے پاک، خوش اخلاق اور اہل قلم کا پُر خلوص مہمان نواز صادق ساہنی آخری عمر میں بھی اپنے شعری ذوق کی آبیاری کرتے رہے''۔۸۴

آپ کے ہاں قدیم رنگِ تغزل کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

آپ نے نعت بھی لکھی اور اس میں تقدس عقیدت اور احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے لفظوں کا چناؤ کیا۔

طوفانِ مکر و فن میں کنارہ تمہیؐ تو ہو — جو ڈوبنے نہ دے وہ سہارا تمہیؐ تو ہو
خود ذاتِ حق نے وصل کی خاطر بصد نیاز — عرشِ علا سے جس کو پکارا تمہیؐ تو ہو
سلطان فرش و عرشِ مشیت کے رازداں — ہر بے نوا کے دل کا سہارا تمہیؐ تو ہو
جولانگہِ حیات کی ہر ایک راہ کو — اپنے لہو سے جس نے سنوارا تمہیؐ تو ہو
تخلیقِ کائنات سے پہلے قریب عرش — جبریل نے جو دیکھا وہ تارا تمہیؐ تو ہو

دریائے رنج و غم سے بڑی مدتوں کے بعد
صادق کو جس نے آج ابھارا تمہیؐ تو ہو ۸۵

Marfat.com

غزل

سونا ہے صحنِ گلشنِ رضواں ترے بغیر
اک عالمِ بسیط ہے ویراں ترے بغیر

تیرے لئے بہار بداماں ہے زندگی
میری حیاتِ عشق ہے ویراں ترے بغیر

اے رمزِ زیست، جانِ بہاراں، سرورِ گل
مثلِ قفس ہے صحنِ گلستاں ترے بغیر

ہر رات لے کے آتی ہے لاکھوں قیامتیں
ہر صبح نو ہے حشر بداماں ترے بغیر

اے ربِ کعبہ مالک دنیائے کُن فکاں
صادق ہے اور کس کا ثنا خواں ترے بغیر ۲۸۶

پروفیسر غلام جیلانی اصغر

''پروفیسر غلام جیلانی اصغر یکم جون ۱۹۱۸ء کو تلہ گنگ ضلع کیمبل پور (بعدہ اٹک۔موجودہ ضلع چکوال) میں شیخ محمد الدین کے ہاں پیدا ہوئے۔میٹرک تک تعلیم تلہ گنگ میں حاصل کی۔گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج کیمبل پور سے ۱۹۳۷ء میں ایف۔اے کیا۔ ۱۹۳۹ء میں اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔اے کی ڈگری لی اور ۱۹۴۱ء میں پنجاب یونیورسٹی سے انگریزی زبان وادب میں ایم۔اے کیا۔آپ اپنے علاقے کے واحد شخص تھے جنھوں نے اس وقت انگریزی میں ماسٹرز کی ڈگری اچھے نمبروں میں لی تھی جس بنا پر آپ کو لیکچرر شپ مل گئی۔اور زمیندار کالج گجرات میں تعیناتی ہوئی۔اکتوبر ۱۹۴۷ء میں ان کا تبادلہ گورنمنٹ کالج سرگودھا میں ہوا۔ ۲۸۷

پھر ساری زندگی سرگودھا میں گزار دی۔اس دوران تھوڑے سے عرصے کیلئے گورنمنٹ کالج جوہر آباد میں بھی تدریسی فرائض انجام دیئے۔ ۱۹۶۹ء میں گورنمنٹ کالج گوجر خان اور ۱۹۷۰ء میں گورنمنٹ کالج تلہ گنگ میں بھی چند مہینے گزارے۔ ۱۹۷۶ء میں گورنمنٹ کالج سرگودھا سے ریٹائرمنٹ

Marfat.com

لے لی۔لیکن انہیں دوبارہ اسی عہدے پر لے لیا گیا جہاں سے ۱۹۷۸ء کو باضابطہ طور پر ریٹائر ہوئے۔

پروفیسر غلام جیلانی اصغر کے شعری وادبی ذوق کے بارے پرویز بزمی رقمطراز ہیں:

''ان کے والد گرامی بہت اچھا شعری ذوق رکھتے تھے۔خود بچپن ہی سے جیلانی صاحب کو مسدس حالی زبانی یاد تھی۔ان کے دادا اور نانا بھی کاروباری ہونے کے باوجود شعری وادبی ذوق وشوق کے مالک تھے۔مگر غلام جیلانی اصغر کی شاعری کا آغاز اس وقت ہوا جب وہ آٹھویں جماعت کے طالب علم تھے۔ان دنوں انہیں ایک جلسہ میں نفیس خلیلی کو سننے کا اتفاق ہوا۔۔۔جیلانی صاحب ان کے اس انداز سے اتنے متاثر ہوئے کہ جلسہ سے واپسی پر انہوں نے نفیس خلیلی ہی کے رنگ میں ایک نظم کہی اور حسن اتفاق سے یہ نظم بہ اعتبار وزن درست تھی۔'' ۴۸

بعد ازاں کیمبل پور میں کالج کے ماحول نے مہمیز لگائی۔لیکن ان کے اس ادبی ذوق کو پذیرائی سرگودھا آمد کے بعد ملی جب ڈاکٹر وزیر آغا نے ''اوراق'' کیلئے انہیں باقاعدگی سے لکھتے رہنے کی ترغیب دی۔اورانہوں نے بھی علمی اور ادبی سرگرمیوں میں توازن سے اپنا حصہ جاری رکھا:

''پروفیسر غلام جیلانی اصغر نے اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ انگریزی ادب کے استاد کی حیثیت سے گزارا۔انہوں نے جہاں ایک استاد کی حیثیت سے عزت پائی وہیں ایک شاعر، ایک انشائیہ نگار، ایک نقاد، ایک مکتوب نگار، ایک خاکہ نگار، اور ایک کالم نگار کے ساتھ ساتھ ایک مقرر کی حیثیت سے بھی اپنی پہچان کروائی۔آپ جب سٹیج پر بول رہے ہوتے تو سامعین کو بوریت کا احساس نہیں ہونے دیتے تھے۔بات سے بات نکالنا، بات میں مزاح پیدا کرنا اور بات کو پر اثر بنانا آپ کی ایک ایسی

Marfat.com

خوبی تھی جسے ان کے جاننے اور سننے والے ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ تقریر وہ فی البدیہہ کرتے تھے بلکہ جب ان کو موضوع کا علم نہ ہوتا تو بہتر بولتے تھے۔ صرف تقریر پر ہی موقوف نہیں روزمرہ کی گفتگو میں بھی وہ الفاظ اور جملوں کا استعمال کرتے اور جس سنجیدگی سے بات کرتے سننے والے اس سے بھی بہت محظوظ ہوتے تھے۔"۲۸۹

آپ کی تصانیف میں دو شعری مجموعے "میں اور میں" اور "اک ذرا شام سے پہلے"۔ انشائیہ میں ایک مجموعہ "زرم دم گفتگو" جبکہ نجمہ منصور کی نثری نظموں کے مجموعے "اگر نظموں کے پر ہوتے" کا انگریزی ترجمہ If Poems Had Wings اور حال ہی میں ان کے انگریزی تنقیدی مضامین کا ایک مجموعہ ان کی وفات کے بعد پروفیسر ڈاکٹر زاہد منیر عامر نے شائع کیا ہے۔ آپ کی شخصیت اور فن کے حوالے سے پرویز بزمی "خوش کلام۔ غلام جیلانی اصغر" اور عابد خورشید ان پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ "باتیں جیلانی جی کی" ترتیب دے چکے ہیں۔ اکادمی ادبیات کی پالیسی کے مطابق "انور سدید بھی اپنی کتاب غلام جیلانی اصغر پر مکمل کر چکے ہیں۔ آپ کو علمی خدمات کے صلے میں حکومتِ پاکستان نے تمغۂ امتیاز سے بھی نوازا۔

پروفیسر غلام جیلانی اصغر نے زندگی کو اپنے انداز سے بڑا پرلطف گزارا۔ آخری عمر میں بڑھاپا اور بیماری نے مل کر انہیں زیر کر دیا اور وہ ۲۶ دسمبر ۲۰۰۶ء کو سرگودھا ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آپ کی میت کو لے جا کر تلہ گنگ میں آپ کے آبائی قبرستان میں دفن کیا گیا۔

پروفیسر غلام جیلانی اصغر کی شاعری میں جہاں "میں اور میں" کا عنصر موجود ہے وہیں ان کی شاعری میں ہم "اک ذرا شام سے پہلے" کا وہ عنصر بھی پاتے ہیں جو "میں اور میں" کی ہی بازگشت ہے۔ غزل اور نظم دونوں میں آپ نے قاری کو متاثر کیا ہے

اس طرح ہوں شہر کے لوگوں میں اب بکھرا ہوا

Marfat.com

اجنبی لوگوں پہ اپنے آپ کا دھوکا ہوا
آنکھ کے نم سے مجھے کچھ غم کا اندازہ ہوا
میں تو سمجھا تھا کہ یہ بادل بھی. ہے برسا ہوا
وہ ترے ملنے کی ساعت خون میں رچ بس گئی
آج تک وہ پھول ہے گلدان میں رکھا ہوا
لوگ تنہائی سے ڈر کر جنگلوں میں آ گئے
شہر کی گلیوں میں اب کے ایسا سناٹا ہوا
وہ ترے آنے کا وعدہ وہ میرے ملنے کا شوق
ایک مدت سے ہے دل کے طاق پر رکھا ہوا
وقت نے دھندلا دیئے کیسے شناسائی کے رنگ
جس طرح یہ خواب ہو پہلے کبھی دیکھا ہوا ۱۹۹۰ء

تکرار

پرانے موسموں کی چادروں کو دھو کے رکھ لینا
کبھی یہ کام آئیں گی
یہی دو چار دن جو روشنی کے ہیں
انہیں ہم اوڑھ کے بازار میں جائیں
دکانوں میں سجی چیزوں کو دیکھیں
ہر اک خوش رنگ چہرے کو
محبت اور حیرت کے ملے جذبات سے آراستہ کر کے
دلوں کے آئینہ خانوں میں رکھ لیں
کسے معلوم کل موسم پہ کیا افتاد پڑنی ہے؟

Marfat.com

دھواں ہے، دھند ہے، گردِ سفر ہے
سنا ہے آندھیاں مغرب سے مشرق کی طرف
پھر چلنے والی ہیں
ہوا بوجھل ہے، بادل شہر پر منڈلا رہے ہیں
لپکتی بجلیوں کے رقص میں کتنے چھلاوے ہیں
وہی لاکھوں زمانوں پر محیط اک خامشی
گھروں میں، جنگلوں میں، راستوں میں
پھیل جائے گی
بس اتنا تم نے کرنا ہے
پرانے موسموں کی چادروں کو دھو کے رکھ لینا
کبھی یہ کام آئیں گی ۲۹۱

صوفی فقیر محمد

ع تیری یاد آئی تیرے جانے کے بعد

یہ مصرع صوفی فقیر محمد کی ذات پر پورا منطبق ہوتا ہے۔ مجھے ذاتی طور پر جب ہندی میں کوئی الجھن پیش آتی ہے تو صوفی فقیر محمد یاد آ جاتے ہیں۔ ''سرگودھا کی وجہ تسمیہ'' کے دوران جب سر اور گودھا کی تفہیم کا مسئلہ پیش آیا تو میں نے میرپور خاص میں مقیم تاج قائم خانی کو ٹیلی فون کیا۔ اگر صوفی فقیر زندہ ہوتے تو تفصیل سے مجھے ان دو الفاظ کا مفہوم سمجھا سکتے تھے۔ تو یہ اتنا باعلم لیکن بے علم شخص ۳ نومبر ۲۰۰۷ء کو ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جدا ہو گیا۔

سنسکرت کا جاننے والا، ہندی اور پنجابی معہ دیوناگری اور گورمکھی کا ماہر، یونانی، ہندوستانی اور اسلامی فلسفہ تصوف کا محقق، ہندو دھرم، سکھ دھرم اور دینِ اسلام کا علم رکھنے والا، اردو اور پنجابی کا

Marfat.com

شاعر، عربی زبان کی شد بدر کھنے والا، فارسی زبان کا جانکار، انگریزی میں اے، بی، سی کی سوجھ بوجھ رکھنے والا، علم عروض پر عبور رکھنے والا صوفی فقیر محمد اتنا "گنی" تھا کہ اسے اس کا خود علم نہیں تھا۔ زندگی اس انداز سے گزاری کہ وہ گزر گئی اور جس کا اندازہ ان کے اس شعر سے لگایا جا سکتا ہے ۔

ہر شہر ہر گلی میں میرا گھر ہے دوستو   جس شہر جس گلی میں گیا گھر چلا گیا

"صوفی فقیر محمد ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو لدھیانہ (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حکیم صوفی نبی بخش ایک عالم و فاضل انسان تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کی تربیت اپنے انداز سے کی۔ جس میں سکولنگ کا حصہ نہیں تھا۔" ۲۹۲

صوفی فقیر محمد نے اپنی محنت اور قابلیت کے بل بوتے پر کئی علوم کا مطالعہ کیا۔ نیز اردو ادب، تاریخ، مذہب، ہندی ادب اور فارسی ادب کو بھی بغور پڑھا۔ آپ علم عروض کے ماہر اور سہل ممتنع کے بادشاہ گنے جاتے تھے۔

صوفی صاحب نے قیامِ پاکستان پر ۱۹۴۷ء میں ہجرت کی اور کچھ عرصہ نور پور تحصیل خوشاب میں گزارا۔ بعد ازاں مستقلاً سرگودھا کو مسکن بنایا۔ سرگودھا قیام کے دوران آپ شعر و ادب کی شخصیات میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ مبتدی شعراء آپ سے رہنمائی حاصل کرتے اور نوآموز شعراء اصلاح اور فن سے آگاہی کے لئے آپ سے ملتے۔ آپ نے اگرچہ شاعری کی تمام اصناف کو برتا لیکن حمد و نعت نگاری آپ کا پسندیدہ موضوع رہا اور آپ کا اکلوتا شعری مجموعہ "آدابِ نعت" حمدیہ و نعتیہ کلام پر مشتمل ہے لیکن کئی پرتیں کھولنے کے ساتھ ساتھ ان کے نظریہ فن کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ اس ضمن میں صوفی صاحب کا نظریہِ فن بالکل واضح ہے۔

ان کے عشقِ رسولؐ اور حضورؐ کے ذکر پاک میں احتیاط اور نعت میں آداب کو ملحوظ رکھنے میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ اقبال کی تصنیف "ارمغانِ حجاز" میں عزت بخاری کا یہ شعر۔

ادب گاہیست در زیرِ مں از عرش نازک تر   نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

Marfat.com

دوالفاظ کی تبدیلی کے ساتھ یوں رقم ہے:

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر   نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

صوفی فقیر محمد کو اگرچہ اس تبدیلی سے اتفاق ہے لیکن وہ مزید بہتری اور ادب کے پیش نظر کہتے ہیں:

''عزت بخاری کے مصرع میں درزیرز میں، کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا تو پھر ''زیرِ آسماں' کیوں کہا جائے کیوں نہ اس زیر کو خارج از بحث کیا جائے اور شایانِ شان ترکیب استعمال میں لاکر مصرع مرصع کیا جائے۔

ادب گاہیست برفرش زمیں از عرش نازک تر '' ۲۹۳

اس نظریہ پر وہ قائم ہیں اور اپنے خیالات کا اظہار وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''نظریہ ادب کو ملحوظ خاطر رکھ کر راقم (صوفی) علامہ اقبال کا مشہور نعتیہ شعر بہ ادنیٰ تصرف یعنی تبدیلی الفاظ سے پڑھنا جائز جانتا ہے۔ یعنی میرے نزدیک علامہ اقبال کے شعر کے مصرع اول کا نصف اول ''نگاہ عشق و مستی، کی جگہ، نظر ہو تو حقیقت میں، پڑھنا اور سنا نسبتاً زیادہ قرینِ ادیب ہے کہ: ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں:

نظر ہو تو حقیقت میں وہی اول وہی آخر

وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

اور اول وآخر بات وہی ہے جو عزت بخاری نے کہی ہے۔

ہم بھی وہی کہتے ہیں جو کہتا ہے بخاری۔

ادب گاہے کہ برفرشِ زمین از عرش نازک تر

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا'' ۲۹۴

آپ کے ادبی مرتبہ سے آپ کے ہم عصر واقف تھے۔ اسی لئے کسی کو آپ کے سامنے کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوتی۔ مقبول جہانگیر کے کئی کالموں میں آپ نے اساتذہ کی غلطیوں کو ظاہر کیا۔

Marfat.com

احسان دانش، عبدالعزیز خالد وغیرہ کو ان کی غلطیوں پر سرزنش تک کی۔ اور انہیں منوایا۔ اور پھر ان سب کا نچوڑ کچھ اشعار کی صورت میں آپ نے حلقہ اربابِ ذوق لاہور کے اجلاس میں تنقید کے لئے پیش کیا۔ وہ اشعار تھے ۔

مصرع نہ ہوا میرؔ سے موزوں میرے آگے — اور غالبؔ و مومنؔ کریں چوں چوں میرے آگے
افسانہ ہوا داغؔ کا افسوں میرے آگے — اور جوشؔ و جگرؔ تھوکتے ہیں خوں میرے آگے
اقبالؔ کی تعریف نہ کریوں میرے آگے — اقبالؔ کے ہیں دجلہ و جیحوں میرے آگے
لکھا نہ گیا کام کا سوداؔ سے قصیدہ — باندھا نہ گیا ذوقؔ سے مضموں میرے آگے
توڑا نہ گیا فیضؔ سے تنکا میرے ہوتے — احسانؔ سے ماری نہ گئی جوں میرے آگے
میں ہوں تو سرِ بزم حفیظؔ آ نہیں سکتا — آئے تو نظر آئے گا مجنوں میرے آگے
خالدؔ کے ہیں اشعار کہ معجون مرکب — مجذوب کی بڑ سے نہیں افزوں میرے آگے
مجہول ہے جو میری فضیلت کا ہے منکر — جاہل ہے جو کرتا ہے اکڑ فوں میرے آگے
خوش بخت ہوں شاگرد زمیندار ہے میرا — چاول میرے آگے کبھی گیہوں میرے آگے
شاعر تو بنا دوں اسے بندہ نہیں بنتا — میں میں کرے بزمیؔ کبھی تو تو میرے آگے
پر قینچ کبوتر ہے کہیں اڑ نہیں سکتا — کرتا ہے ذرا رشکؔ غٹرغوں میرے آگے

صوفیؔ ہوں سمجھتا ہوں تصوف کے مسائل
کیا فلسفہ جھاڑے گا فلاطوںؔ میرے آگے

ان اشعار کے دو رُخ ہیں اور دونوں ہی قابل غور" ۲۹۵

ان اشعار کی تشریح اور ان میں شامل شعراء کے کلام میں صوفی فقیر محمد نے جو خامیاں نکالیں اور جہاں جہاں گرفت کی یہ تحقیق طلب بھی ہے اور مشکل بھی۔ یہ تفصیل زیادہ وقت اور اوراق کی خواہاں ہے۔ صوفی صاحب کے سہل ممتنع اور ادب میں آداب کے علاوہ شائستگی اور شگفتگی کی وضاحت کیلئے ان کی ایک نعت کے اشعار ملاحظہ ہوں ۔

Marfat.com

مجھ کو توفیق یہ من جانب رب ہو جائے — نعت لکھنے کا میسر مجھے ڈھب ہو جائے

میرا موضوعِ سخن میرِ عرب ہو جائے — انؐ کی مدحت میری بخشش کا سبب ہو جائے

سرنگوں ہو کے قلم وقفِ ادب ہو جائے — انؐ کی خدمت میں زباں مہر بلب ہو جائے

انؐ کے روضے کی زیارت مجھے کب ہو جائے — ہونے والی ہے بشارت مجھے جب ہو جائے

وہ جو فرمائیں وہی علم و ادب ہو جائے — اور امی انہیؐ دانا کا لقب ہو جائے

وہ طلب گار مدینے میں طلب ہو جائے — جس کے سینے میں مدینے کی طلب ہو جائے

کیا عجب کرلیں طلب مجھ کو بھی شاہؐ عرب — کیا تعجب ہے کبھی یہ بھی عجب ہو جائے

نام ان کا ہے، نسب ان کا ہے، باقی سب کا — انؐ کی نسبت سے بڑا نام و نسبت ہو جائے

شمس بھی ٹوٹ کے آ جائے قمر بھی شق ہو — انؐ کی انگلی کے اشارے پہ یہ سب ہو جائے

انؐ کا ہو جاؤں ہمیشہ کیلئے میں صوفیؔ
انؐ کی چوکھٹ پہ مرا سر ہو کہ شب ہو جائے ۲۹۶

''یاران نو'' میں تحریر ہے کہ: فنِ شعر میں آپ استادی شاگردی کے قائل ہیں لیکن جہاں تک آپ کی اپنی شاعری کا تعلق ہے۔اس کے فنی پہلو کی تکمیل آپ نے علمِ عروض اور صنائع بدائع کی کتب سے کی ہے۔

کس ستمگر نے بگاڑی ہے یہ گھر کی صورت — نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت

کاش پیدا ہو دعاؤں میں اثر کی صورت — ڈھونڈ پاؤں غمِ دوراں سے مفر کی صورت

بے خطر عشق رہِ دارورسن سے گزرا — عقل ہر گام پہ تکتی تھی سفر کی صورت

شمع جل بجھتی ہے جل مرتے ہیں پروانے بھی — کہ نظر آئے کسی طرح سحر کی صورت

خیر کا کام نہیں نام نہیں نیکی کا — شر کی صورت سے عبارت ہے بشر کی صورت

تیرے اوصاف کا مظہر بھی کئی بار ہوا
کس کی صورت ہے الٰہی یہ بشر کی صورت ۲۹۷

Marfat.com

عبدالغنی جوہر

شاہ پور جب تک ضلع کی حیثیت سے قائم رہا تو اپنی ضلعی اہمیت کو ہر حوالے سے برقرار رکھا۔ یہاں تک کہ ادب کے میدان میں بھی اپنی پسماندگی کے باوجود بہت سے لوگ پیدا کئے۔ انہی لوگوں میں عبدالغنی جوہر بھی تھے۔ انہوں نے پندرہ فروری انیس سو انیس عیسوی (۱۵ فروری ۱۹۱۹ء) میں شاہ پور صدر میں آنکھ کھولی۔ مقامی سکول سے میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور پھر ملازمت اختیار کر لی۔ پاکستان کے مختلف مقامات پر قیام رہا اور پھر ۱۹۷۹ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد سرگودھا میں رہائش اختیار کی۔

عبدالغنی جوہر ایک یار باش اور رکھ رکھاؤ والی شخصیت کے طور پر اپنے ہم عصروں میں اپنی پہچان کا باعث بنے رہے۔ آخری عمر میں بیماری کے باعث گوشہ نشینی اختیار کر لی اور ۱۹۹۰ء کے لگ بھگ وفات پائی۔ محمود اسیر نے اُن کے خدوخال، گفتگو، چال ڈھال اور مہمان نوازی کے علاوہ ان کی شاعری پر بھی بات کی ہے۔ اُن کی غزلوں کو پیش کرنے سے پہلے وہ اپنے تبصرے میں کہتے ہیں:

> ''ان کی غزل داخلی احساسات کے باوجود غمِ دوراں کی تلخیوں سے خالی نہیں بلکہ کہیں کہیں تو ماحول کی بھرپور عکاسی بھی ملتی ہے۔ وہ اپنے اندرونی کرب کو چھپانا بھی چاہتے ہیں اور نہیں بھی۔ اپنی ہی ذات کے گرد گھومتے ہوئے گو انہوں نے ایک عمر صرف کی ہے۔ مگر اس سے جو آگہی انہیں حاصل ہوئی ہے۔ اُسے پا کر وہ مستقبل کی تلخیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے خود کو تیار کر چکے ہیں۔ اُن کی غزل کی زبان جتنی ہلکی ہے اتنی میٹھی بھی ہے۔ جہاں وہ اپنی ذات کے دائرے میں مقید ہیں۔ وہاں اس دائرے سے نکلنے کیلئے بھی پر تول رہے ہیں۔ اُن کی حد سے زیادہ کم گوئی کے اعتبار سے اُن کی شاعری اُن کے احساسات وجذبات سے پوری طرح بیدار ہے''۔۲۹۸

پھر دل میں ایک سوزِ نہاں پا رہا ہوں میں　　پھر جذبۂ جنوں کو جواں پا رہا ہوں میں

Marfat.com

پھر اُن کے سنگِ در پہ جھکی ہے جبینِ شوق　　پھر اُن کا نام وردِ زباں پا رہا ہوں میں
حسنِ نظر سے طور کا عالم نظر میں ہے　　خود رفتگیٔ کون و مکاں پا رہا ہوں میں
فرزانگی میں طے نہ ہوئی منزلِ حیات　　دیوانگی میں دونوں جہاں پا رہا ہوں میں
جوہر جنونِ عشق کہاں لے گیا مجھے
بیگانگی سود وزیاں پا رہا ہوں میں

اپنا بھی تھا فلک پہ گزر کل کی بات ہے　　شاید ہیں اس کے شمس و قمر کل کی بات ہے
پابہ رکاب ہم بھی ہوئے ہیں سوئے قمر　　ہم نے بھی یہ کیا ہے سفر کل کی بات ہے
ہر چیز تھی ہماری پسندیدۂ جہاں　　ہم سے تھا کسبِ علم و ہنر کل کی بات ہے
تھا منتظر جمالِ سحر اپنا بھی ندیم　　ہم بھی تھے نازشِ گلِ تر کل کی بات ہے
جوہر وہ دیکھ صبحِ درخشندہ سامنے
جائے گی کالی رات گزر کل کی بات ہے۔[۷۰]

شبلی پانی پتی

مولانا الطاف حسین حالی کے شہر پانی پت کی شہرت کی وجہ وہاں لڑی جانے والی پانی پت کی لڑائیاں بھی ہیں جو تاریخِ برصغیر کا ایک حصہ ہیں۔ اور پھر اسی نسبت سے پانی پت میں پیدا ہونے والے خواجہ اویس احمد المتخلص شبلی نے اپنی جنم بھومی کو نام کا حصہ بنالیا۔ ''آپ یکم جولائی ۱۹۱۹ء کو خواجہ صوفی اقبال احمد کے ہاں پیدا ہوئے''[۷۱] ابتدائی تعلیم مکتبہ رحمانیہ سے حاصل کی۔ بارہ سال کی عمر میں قرانِ مجید حفظ کیا۔ اگلے ہی سال یعنی ۱۹۳۲ء میں آپ کے والد صاحب وفات پا گئے تو آپ کے تایا خان بہادر خواجہ لطیف احمد انیس انہیں اپنے ساتھ امراؤتی (سی پی) لے گئے وہاں آپ نے مڈل کا امتحان پاس کیا اور دوبارہ پانی پت آ گئے جہاں حالی مسلم ہائی سکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۴ء میں آپ ٹیلی فون کے محکمے میں ملازم ہو گئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ملک کے مختلف

Marfat.com

حصوں میں خدمات انجام دیں۔ ۱۹۷۷ء میں سرگودھا میں مستقلاً رہائش اختیار کی جس کی وجہ سے آپ کے خاندان کے باقی افراد کا ہجرت پر ہی یہاں آ کر مقیم ہو جانا تھا۔'' آپ ۱۹۸۲ء میں بطور اکاؤنٹ اسسٹنٹ اپنی ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔'' ۳۰۲

شبلی پانی پتی نے ۱۹۳۵ء میں شعر کہنا شروع کیا

''آپ کے تایا خواجہ لطیف احمد بھی شاعر تھے اور جریح تخلص کرتے تھے وہ مولانا الطاف حسین حالی کے شاگرد تھے آپ نے ان سے اصلاح لی۔ ۱۹۶۶ء میں آپ نے بزمِ حالی قائم کی اُن دنوں آپ لاہور میں تھے اس کے صدر حمید احمد خان وائس چانسلر اور نائب صدر خواجہ افضال حسین نبیرہ مولانا حالی تھے۔ پھر ڈاکٹر عبادت بریلوی صدر ہوئے آپ جنرل سیکرٹری کے عہدے پر فائز رہے اور جب تک لاہور میں قیام رہا تقریبات منعقد ہوتی رہیں۔'' ۳۰۳

شبلی پانی پتی شاعری کے ساتھ ساتھ نثر نگاری کو بھی وقت دیتے رہے اخبارات میں آپ باقاعدگی سے کالم لکھتے رہے۔ آپ کے قطعات اخبارات میں شائع ہوتے تھے۔ کئی ادبی تنظیموں کی ساتھ بھی وابستہ رہے۔ ''بزمِ حالی'' کو آخری عمر تک جوانوں کے سے جذبے کے ساتھ چلاتے رہے۔'' آپ کی خدمات کے صلے میں انجمن ترقی اردو کی طرف سے آپ کو سرٹیفکیٹ اور سندِ اعتراف سے نوازا گیا۔'' ۳۰۴

خواجہ اویس احمد شبلی پانی پتی نے ۲۷ مئی ۲۰۰۶ء کو سرگودھا میں ہی انتقال فرمایا ۳۰۵ اور دوسرے دن ۲۸ مئی کو مرکزی قبرستان میں دفن ہوئے۔ آپ نے زندگی کے آخری دنوں میں اپنا نعتیہ مجموعہ کمپوز کروالیا تھا لیکن اس کی اشاعت کا موقعہ نہ مل سکا۔ اور تشنہ رہ گیا۔

غزل

ترے آنے کے وعدے اب تو شب بھر رقص کرتے ہیں

Marfat.com

نظر کے سامنے دن کے مناظر رقص کرتے ہیں
کبھی بجھتی نہیں الفت کی چنگاری جو لگ جائے
یوں جسم و روح بھی ہر لمحہ جل کر رقص کرتے ہیں
صراحی، میکدہ، ساقی و ساغر کی ضرورت کیا
پلا دے جن کو نظروں سے وہ پی کر رقص کرتے ہیں
لگاتا ہوں میں یوں غوطہ تلاطم خیز لہروں میں
کہ اس کی نیلی آنکھوں میں سمندر رقص کرتے ہیں
خدا کے جو ولی ہوتے ہیں شبلی مست رہتے ہیں
شراب معرفت پی کر وہ اکثر رقص کرتے ہیں

☆

دل کے گلدان سے نکال کے پھول رکھ لئے میں نے وہ سنبھال کے پھول
میں نے درد و الم کے دھاگوں میں ہیں پروئے ترے خیال کے پھول
باغ الفت سے کتنی چاہت سے چن کے لایا ترے جمال کے پھول
باندھ کر آرزو کے دامن میں دیکھ لایا بڑے کمال کے پھول
یاد میں پھر تری سجاؤں گا یہ ترے حسن اور جمال کے پھول
گلشنِ زندگی سے اب یارو جھڑتے جاتے ہیں ماہ و سال کے پھول
جیسی کرنی ہے ویسی بھرنی ہے
شبلی اپنے ہیں یہ مآل کے پھول ۲۰۰۶ء

خلیل بدایونی

خلیل الرحمٰن، خلیل بدایونی ولد حضور الرحمٰن بدایوں کے مقام پر ۳ نومبر ۱۹۱۹ء/۲۰۰۷ء میں پیدا

Marfat.com

ہوئے۔ آپ کے والد قاضی خاندان سے تھے اور شاعری کو وراثتاً لے کر چل رہے تھے۔ ان کا تخلص مختار تھا۔ اور قصائد مومن (مطبوعہ ۱۹۶۵ء لکھنو) آپ کی تالیف ہے۔ آپ کی والدہ مقبول بیگم بھی شعروسخن کا عمدہ ذوق رکھتی تھیں اور دادا قاضی حسن آثر بدایونی صاحب دیوان شاعر تھے۔ چچا قاضی عطاء الرحمان عطا بدایونی کے علاوہ پھوپھی زاد نجمہ یاسمین یوسف (''دست دعا'' اور ''سیپ سمندر موتی'' کی شاعرہ) نے بھی نام کمایا۔

خلیل بدایونی نے آگرہ یونیورسٹی سے ایم۔ اے کیا اور تدریس کے شعبہ سے وابستہ ہو گئے۔ تقسیم ہند پر ہجرت کی اور لاہور آ گئے جہاں چار سال قیام رہا اور پھر ۱۹۵۱ء میں مستقلاً سرگودھا کو مسکن بنایا۔ اور گورنمنٹ کالج سرگودھا شعبہ اردو سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۹۶۳ء میں جب ایم۔ اے اردو کا آغاز ہوا تو آپ اس کے پہلے شعبہ صدر مقرر ہوئے۔ ۱۹۷۹ء میں آپ نے پنشن پائی اور کالج کے احاطے میں اپنی رہائش کو ترجیح دی۔

خلیل بدایونی نے شاعری کو بچپن ہی سے اپنے اندر بسا لیا تھا۔ جو وقت کے ساتھ ساتھ آپ کے ہمراہ چلتی رہی۔ گورنمنٹ کالج سرگودھا میں بھی آپ نے طلباء میں شعری شعور پیدا کرنے اور اسے ابھارنے کی طرف توجہ دی۔ بزم ادب قائم کی۔ بعد ازاں ''مجلس اردو'' کے نام سے آپ نے ایک تنظیم بنائی۔ جنہوں نے کالج کی سطح پر ابتدائی حوالے سے بہت کام کیا۔ آپ چونکہ خوش گلو بھی تھے۔ آپ کی آواز میں ترنم تھا۔ لہٰذا مشاعروں میں جب کلام سناتے تو مشاعرہ لوٹ لیا کرتے تھے۔ صوفی فقیر محمد نے ان کے اسی انداز کے بارے اپنے الفاظ میں کہا ہے کہ:

''ادیب و عالم و شاعر، طبیب روحانی خلیل نام ہے پیچھے سے ہیں بدایونی
گلے کے زور سے کرتے ہیں سامعین کو ہلاک ''گلا'' دیا ہے خدا نے انہیں بڑا خونی'' ۸۔ج

شاعری، موسیقی، ڈرامہ کے علاوہ آپ کو باغبانی، طب، دست شناسی، نجوم، جوتش، جفر اور رمل سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ جبکہ ای استاد، صحافی اور ادیب بھی تھے۔ آپ نے کچھ عرصہ بیمار رہ کر ۹ مئی ۲۰۰۹ء کو وفات پائی۔ ۹۔ج

Marfat.com

خلیل بدایونی صاحب کے تین مجموعے ''بوستان خلیل''۔ ''گلستان خلیل'' اور ''گلزار خلیل'' شائع ہو چکے ہیں۔ یہ مجموعے بالترتیب غزل، نظم اور حمد و نعت پر مشتمل ہیں۔

آپ کے بیٹے قاضی مجیب الرحمان نے تدریس کے حوالے سے تو آپ کی جگہ یونیورسٹی آف سرگودھا میں لے لی لیکن شاید آپ کی ادبی جگہ خالی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ جو سلسلہ صدیوں سے وراثتاً چلا آ رہا تھا۔ یہاں آ کر دم توڑ دے گا۔

غزل

سانس لینے کی کبھی چین سے مہلت نہ ملی　　یوں تو سب کچھ ہی ملا جینے میں لذت نہ ملی
اس طبیعت سے کبھی اپنی طبیعت نہ ملی　　دل کے بہلانے کی آخر کوئی صورت نہ ملی
ساری چیزیں تو کسی کو کبھی ملتی ہی نہیں　　جس کو صورت ملی اچھی اسے سیرت نہ ملی
ہم تو تصویرِ صنم دل میں لئے پھرتے رہے　　اس کی صورت سے کسی اور کی صورت نہ ملی
کیا کہوں کس طرح یہ عمر گزاری میں نے　　آپ کا حکم بجا لانے کی فرصت نہ ملی
فاتحہ پڑھنے وہ جب قبر پہ آئے میری　　اس کو کہتے ہیں مقدر اسے تربت نہ ملی
طاق جو علم و ہنر میں تھے وہ گمنام رہے　　ان کو دولت نہ سہی عزت و شہرت نہ ملی

دل نہیں ملتا تو ملنے کا مزا کیا ہے خلیل
ان سے مل کر بھی اگر وصل کی لذت نہ ملی (۱۰)

☆

زباں پر حرف مطلب ہم سے اب لایا نہیں جاتا　　سمجھ لیتے ہیں وہ خود، ہم سے سمجھایا نہیں جاتا
ہمیں سننے کی عادت ہے، بہت کچھ سنتے رہتے ہیں　　ہمارے بارے میں کیا ہے جو فرمایا نہیں جاتا
تسلی جھوٹی دے دے کر بہت دھوکے دیئے دل کو　　کسی صورت سے یہ کم بخت بہلایا نہیں جاتا
خموشی میں تکلم ہے، مگر کچھ کہہ نہیں سکتے　　زباں سے کوئی کلمہ اب تو دہرایا نہیں جاتا
نہیں کچھ قدر و قیمت مال کی بازار دنیا میں　　صحیح داموں میں سودا کوئی ٹھہرایا نہیں جاتا

Marfat.com

عجب حالت ہے میری ان دنوں فقدانِ فرصت ہے   کہیں آیا نہیں جاتا، کہیں جایا نہیں جاتا
زمانے سے ملا جو کچھ، سر آنکھوں پر اسے رکھا   کسی کی پیشکش کو ہم سے ٹھکرایا نہیں جاتا
کوئی کچھ بھی کہے لیکن حقیقت پھر حقیقت ہے   حقیقت کو کسی صورت میں جھٹلایا نہیں جاتا
بہت چکر زمانے نے خلیلؔ ہم کو دیئے لیکن
یہ پختہ طبع بہکانے سے بہکایا نہیں جاتا ۱۱۳

افضال ناز گنگوہی

سید افضال احمد ناز گنگوہی ۵ جنوری ۱۹۲۰ء کو گنگوہ ضلع ہوشیار پور ۱۱۴ میں پیدا ہوئے۔ تحریک پاکستان نے جب زور پکڑا تو آپ جوان تھے۔ علامہ اقبال اور قائداعظم سے آپ کو عقیدت تھی۔ اس تحریک میں آپ کے خاموش حصہ لینے کی کئی وجوہات ہیں۔ اور جب پاکستان معرض وجود میں آ گیا تو آپ نے وہاں ٹھہرنا کارِفضول سمجھتے ہوئے بیوی بچوں کو ساتھ لیا اور پاکستان آ کر سرگودھا میں قیام کیا۔ یہاں آپ نے اپنا کاروبار شروع کیا۔

شعر نجانے کب آپ کے اندر وارد ہوا۔ لیکن آپ اگرچہ کم گو تھے پھر بھی یہاں کے چند دوستوں نے جنہوں نے آپ کو تلاش کر لیا تھا شعر و شاعری کی محفلوں میں مصروف کر دیا بلکہ آپ کے گھر میں بھی بیٹھک ہوا کرتی تھی جس میں تمام دوست اکٹھے ہوتے اور ایک دوسرے سے کچھ شعر سنتے اور سناتے۔ یوں شاعری کو بھی فروغ ملا اور مل بیٹھنے کا بھی بہانہ مل گیا۔ آپ نے اپنی کچھ غزلوں کو ترتیب بھی دیا تھا اور ''ناز و بیان'' کے عنوان سے اسے شائع کروانا چاہتے تھے۔ لیکن فرصت نہ مل سکی اور مصروفیت کے اسی عالم میں آپ نے ۱۳ مئی ۱۹۹۸ء ۱۱۵ کو جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

محمود اسیر رقمطراز ہیں:

> ''کلام انتہائی سادہ اور رواں ہوتا ہے۔ وہ فرقت کے لمحات کو اپنے لئے انتہائی مفید سمجھتے ہیں مگر قربت کی آگ بھی انہیں گراں نہیں

Marfat.com

گزرتی۔ اپنے ہم عصر شاعروں میں ان کی مقبولیت کا باعث ان کا انداز بیاں بھی ہے۔ اور شوقِ ترنم بھی۔ نئی نئی تراکیب والفاظ کے ساتھ وہ اپنے قدیم رنگ میں بھی فنِ شاعری کے جوہر دکھاتے نظر آتے ہیں۔ جب تک داد ملتی رہے خوب پڑھیں گے ورنہ دو چار شعروں پر ہی یادداشت کے خاتمے کا علان کردیں گے۔'' ۲۱۴

غزل

کوئی بھولے سے جو راحت کی گھڑی آتی ہے　　وہ بھی تڑپاتی ہوئی سن سے گزر جاتی ہے
آپ سے شکوہِ بیداریء شب کیا کیجئے　　نیند آتی ہے تو کانٹوں پہ بھی آ جاتی ہے
ڈوبنے والا تلاطم تو سکوں بخش گیا　　اب کوئی موج تڑپتی ہے نہ بل کھاتی ہے
امتیازات کے عنوان بدل جاتے ہیں　　آہ جب گنبدِ افلاک سے ٹکراتی ہے
ناز ان کانٹوں کی تقدیس کو تم کیا جانو
جن کے پہلو میں کلی نشوونما پاتی ہے

نہ ہو ہم کو میسر گر سکونِ دل نہیں ہوتا　　بجز گردشِ مہِ نو بھی مہِ کامل نہیں ہوتا
میرے ہمراہیوں کو میری بربادی مبارک ہو　　بلا سے میں اگر آسودہِ منزل نہیں ہوتا
مری ہستی تری ذاتِ گرامی کی شہادت ہے　　جہاں داتا نہیں ہوتا وہاں سائل نہیں ہوتا
کوئی آنسو ہماری آنکھ سے ایسا نہیں گرتا　　کہ جس میں آرزوئے دل کا خوں شامل نہیں ہوتا
محبت موت کا چولا پہن کر رقص کرتی ہے　　غرورِ حسن کا پردہ جہاں حائل نہیں ہوتا
ہر اک الفت زدہ کو قیس کا رتبہ نہیں ملتا　　ہر اک ناقہ برائے صاحبِ محمل نہیں ہوتا
کسی صورت بھری محفل سے ویرانی نہیں جاتی
سراپا ناز جب تک رونقِ محفل نہیں ہوتا ۲۱۵

Marfat.com

دوست محمد محبؔ

دوست محمد نام اور محبؔ آپ کا تخلص تھا۔آپ ۱۶ اپریل ۱۹۲۰ء کو موضع چٹہ (وادی سون تحصیل خوشاب) میں حافظ محمد بخش کے ہاں پیدا ہوئے۔ پرائمری تک تعلیم اچھالی سے حاصل کی۔ ۱۹۳۴ء میں گورنمنٹ مڈل سکول کفری سے مڈل کا امتحان پاس کیا اور پھر غیر تربیت یافتہ مدرس کے طور پر تدریس کے شعبے سے وابستہ ہوگئے۔آپ ۱۹۴۱ء سے ۱۹۵۱ء تک Untrained teacher رہے تاہم بعد میں ۱۹۸۰ء تک جے وی ٹیچر کے طور پر خدمات انجام دیں۔اور ۶۰ سال کی عمر پر پہنچ کر ۱۵ اپریل ۱۹۸۰ء کو ریٹائر ہوئے۔[۱۶]

شعر وسخن سے آپ کی دلچسپی موروثی ہے۔آپ کے والد بزرگوار حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کے قوال تھے۔ دوست محمد محبؔ نے شاعری کا بہت مطالعہ کیا انہیں فارسی شعراء سعدی، حافظ اور جامی کا بہت سا کلام یاد تھا۔دیوانِ غالب بھی انہیں از بر تھا۔بدر منیر کے مطابق:

> ''دوست محمد محبؔ روایت دوست شاعر ہیں۔ان کا کلام کلاسیکی غزل کی روایات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے لیکن بغور مطالعہ سے ان کے ہاں ہم عصر سماجی شعور کا عکس ملتا ہے۔انہوں نے اپنے اسلوب کی تراش خراش اور فنکارانہ باریک بینیوں کی بجائے احساسات کو شستہ اور سلجھے ہوئے انداز میں شعر کا پیرایہ عطا کیا ہے''۔[۱۷]

لیکن علامہ یوسف جبریل اُن کو ایک اور پہلو سے بھی دیکھتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ :

> ''ان کا اتنی نستعلیق اور سکہ بند اردو میں شعر کہنا بڑا تعجب ہوتا ہے۔۔۔محبؔ کی محبتوں کا محور و مرکز حتمی مرتبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ چنانچہ ان کی شاعری کا بیشتر حصہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نذرانہ عقیدت پر مشتمل ہے۔۔۔اُن کے کلام میں متصوفانہ

Marfat.com

افکار بھی جا بجا بکھرے نظر آتے ہیں"۔ ۱۸ہے

ہر ناقد کا اپنا خیال ہوتا ہے جو کسی بھی قلم کار کی نگارشات سے نکال لیتا ہے۔ دوست محمد محبؔ کے کلام میں با قاعدہ حمد و نعت اور مناقب یا متصوفانہ مضامین اگر چہ نہیں ہیں لیکن اُن کی غزلوں میں بہر حال صوفیانہ اور نعتیہ اشعار کافی تعداد میں موجود ہیں۔ اُن کا شعری مجموعہ "عقابوں کا سلسلہ" شاید ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا تھا۔ جس کے ۶۱ صفحات تھے۔ جبکہ اسی کا دوسرا ایڈیشن "کربِ دروں" کے نام سے ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا جس کے ۹۳ صفحات ہیں۔ یوں "عقابوں کا سلسلہ" سے تقریباً ۲۵ غزلیں زائد "کربِ دروں" میں شامل ہیں۔

دوست محمد محبؔ کا ادبی اور زندگی کا سفر یکم نومبر ۲۰۰۰ء کو پورا ہو گیا۔ یہ سفر آپ کا اپنے گاؤں چٹہ میں اختتام پذیر ہوا اور وہیں آپ کو دفن کیا گیا۔

شوقِ بے حد نے آرزو کی ہے جستجو تیری چار سو کی ہے
جستجو میں مٹا کے ہستی کو ہم نے تکمیلِ آرزو کی ہے
کس قدر ناز ہے مصور کو کیسی تشکیل خوب رو کی ہے
لا کے اس شوخ کو تصور میں کس بہانے سے گفتگو کی ہے
ہم تو رسوا ہوئے زمانے میں فکر بس تیری آبرو کی ہے
گلستاں، کے گلوں میں سرگوشی اے حسیں تیرے رنگ و بو کی ہے
چاک داماں ہے جس کے ہاتھوں سے اس نے پھر زحمتِ رفو کی ہے

اُس محبؔ کی حیات کار آمد!
جس نے جاں وقفِ تارِ خو کی ہے

☆

جادو بھری نگاہ سے مسحور ہو گیا دل دامِ زلفِ یار میں محصور ہو گیا
یادِ رُخِ حضور سے پُر نور ہو گیا دل اشکِ کعبہ، مسجد و کوہ طور ہو گیا

Marfat.com

دیر و کلیسا، کعبہ کی عظمت کے باوجود — دل کوئے یار جانے کو مجبور ہو گیا
رازِ انا کے فاش پر بس یہ سزا ملی — ترکِ ادب سے دار پہ منصور ہو گیا
دونوں جہاں میں اس کو ٹھکانہ نہ مل سکا — تیری نگاہ سے جو بھی ذرا دُور ہو گیا
اپنوں کی بے وفائی کے صدمات سے محبؔ
رِس رِس کے زخم دل مرا ناسور ہو گیا ۲۱۹

سیف زبیری

سیف زبیری کا اصل نام حامد حسین تھا۔ آپ یکم دسمبر ۱۹۲۰ء کو ضلع مراد آباد ۲۲۰ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے لیکن اخلاق عاطف کے بقول علی گڑھ ۲۲۱ آپ کی جنم بھومی ہے۔ آپ نے بانس بریلی میں زندگی کا ایک حصہ گزارا۔ آپ ایک کھاتے پیتے گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ اس لئے بچپن اور جوانی بے فکری کے عالم میں گزرے۔ تعلیم اگرچہ میٹرک تک حاصل کی تھی لیکن مطالعہ وسیع تھا۔ آپ نے تحریکِ پاکستان میں بھی حصہ لیا اور علامہ اقبال اور قائداعظم سے ملاقات کا شرف بھی پایا۔ قیامِ پاکستان کے فوراً ہجرت کی اور سکھر میں رہائش پذیر ہوئے۔ جہاں شادی کی اور پھر خیر پور کا رخ کیا۔ اس سیاحتی زندگی کے بارے ہارون الرشید لکھتے ہیں کہ:

> ''خیر پور میں قالین کا کارخانہ بنایا جسے سیلاب بہا لے گیا۔ خیر پور سے پشاور منتقل ہو گئے۔ ان کے برادر اکبر ابرار حسین زبیری شوگر مل کے منیجر تھے۔ بھائی کی بروقت امداد نے وقتی سہارا عطا کیا۔ پشاور کے بعد سیف زبیری فکرِ روزگار کے لئے کراچی چلے گئے۔ کراچی ٹھیکیداری شروع کی۔ پہلا ٹھیکہ ''کوٹری'' میں نہر کی کھدائی اور تعمیر کا حاصل ہوا۔۔۔
> کراچی میں کچھ وقت گزارنے کے بعد سرگودھا میں رہائش پذیر ہو گئے اور پھر اسی شہر سے رسمِ دوستی استوار کر لی۔

Marfat.com

سرگودھا میں ایم ای ایس کے بڑے محکمہ میں آ کشنرزر ہے۔ٹھیکیداری ان کا اضافی کام تھا۔'' ۲۳۲

محمود اسیر آپ کی شاعری پر یوں تبصرہ کناں ہیں :

'' سیف زبیری زندگی کے مسائل پر پوری نظر رکھتے ہیں۔مگر کلام میں قدیم اور روایتی رنگ نمایاں ہے۔ سادگی پسند ہیں۔شعروں میں زیادہ تر سادگی کا عنصر غالب ہے۔مگراس انداز سے کہ انکی شخصیت اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ ابھرتی ہے۔ پختہ گوشاعر ہیں۔اپنے ہم عصروں میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اندازِ بیاں انتہائی شستہ اور خوبصورت ہے۔انسانیت کے دردِ مشترک کوخوب سمجھتے ہیں مگر وہ اپنی شاعری کا رومانی مزاج نہیں بدل سکے۔جگہ جگہ محبت سے محرومی کا احساس ان کی شاعری میں اپنے رنگ بکھیرتا نظر آتا ہےاور یہی چیزان کی شاعری میں سوز وگداز کا سبب بنی ہے''۔۲۳۳

ہوش ہی میں کب ہیں جوشِ اضطرابِ دل سے ہم
منزلِ مقصود پر بھی دور ہیں منزل سے ہم
پھر سمجھ لیں گے کبھی صیاد آدابِ قفس
آ کے بیٹھے ہیں ابھی پھولوں بھری محفل سے ہم
دھجیاں ہے دامنِ ہستی، گریباں تار تار
اک تماشہ بن کے نکلے ہیں تری محفل سے ہم
اب اسے دیوانگی سمجھے کوئی یا مصلحت
ہاں تصور میں ترے کرتے ہیں باتیں دل سے ہم
سیفؔ شاید اس طرح نکلے رہِ آسودگی

Marfat.com

دیکھ لیں بیگانہ ہو کر ہوش کی منزل سے ہم

☆

شمع تجھ کو راز کی اک بات سمجھانا بھی ہے
جلنے والوں کا ترے نام ایک پروانہ بھی ہے
شوق سے پردہ کریں لیکن وہ اتنا سوچ لیں
ایک دن اُنکو ہمارے سامنے آنا بھی ہے
تیری جنت سے ہے زاہد میکشوں کو اتفاق
اتنا تو کہہ دے کہ اس کا نام مے خانہ بھی ہے
سوچنے کا اور سمجھنے کا سلیقہ چاہیے
داستانِ عشق ورنہ ایک افسانہ بھی ہے
میرے ساقی تیرے اندازِ تغافل کی قسم
مجھ کو پینا ہی نہیں، پی کر بہک جانا بھی ہے
دیکھیے کیا رنگ لائے جذبہء دیوانگی
آج فرزانوں میں شامل ایک دیوانہ بھی ہے
یوں تو کہنے کو سخنور لوگ کہتے ہیں مجھے
شاعری میں سیفؔ نامِ چمکانا بھی ہے[324]

نذیر چودھری

نذیر احمد چودھری ولد چودھری فضل احمد ۱۰ جنوری ۱۹۲۱ء کو چک نمبر ۹۵ جنوبی تحصیل و ضلع سرگودھا[325] میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تاریخ پیدائش کے بارے اختلافات موجود ہیں مثلاً زاہد حسین انجم کے مطابق ۱۰ جنوری ۱۹۲۳ء[326] راجا رسالو کے مطابق ۲۱ جنوری ۱۹۲۳ء[327] طارق گجری

Marfat.com

تحریر میں ۱۰ جنوری ۱۹۲۰ء ۲۸؎ اور پروفیسر ریاض احمد شاد کی لکھت میں ۱۰ جنوری ۱۹۲۲ء ۲۹؎ ہے۔ لیکن میں نے جس یقین کے ساتھ بات کی ہے وہ میرے پاس نذیر چودھری کے اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی تاریخ موجود ہے۔

نذیر چودھری کے دادا چودھری سلطان احمد شادیوال ضلع گجرات سے آ کر چک نمبر ۹۵ جنوای میں آباد ہوئے تھے۔ آپ نے بچپن اور جوانی کے دن اسی گاؤں میں گزارے ''میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور پھر فاضل ادیب کی سند حاصل کی'' ۳۰؎ اسی عرصے میں دو شادیاں کیں۔ اور پھر تھل ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے ذریعے آبادکاری کے سلسلے میں چک نمبر ۱۴۳ ٹی ڈی تحصیل لیہ میں آپ نے کچھ زمین حاصل کر کے ۱۹۵۹ء میں لیہ میں جا کر رہنے کو ترجیح دی۔ لیہ میں آپ نے ''ادبی محفل'' کی بنیاد رکھی۔ شہباز نقوی اس کے جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے۔ جس کے تحت ۱۹۶۶ء سے ۱۹۸۷ء تک کئی پروگرام منعقد کروائے اور شعروسخن کیلئے کام کیا۔

نذیر چودھری ۱۲۷کتوبر ۱۹۸۷ء ۳۱؎ کو اس دنیا سے چلتی پھرتی حالت میں رخصت ہو گئے۔ آپ نے اردو اور پنجابی ہر دو زبانوں میں بہت کچھ لکھا۔ پنجابی زبان میں اُن کے شعری مجموعے ''سانجھے دکھ'' ۔ ''چانن دا کھڑکار'' اور ''سوچاں دے انگارے'' شائع ہو چکے ہیں۔ جو شعری مجموعے ترتیب دیے جا چکے تھے۔ اُن کے نام تھے۔

سانجھے روگ (پنجابی)۔ ملٹے سہرے (پنجابی)۔ لوڑاں (پنجابی)۔ صدائے نو (اردو) اور سوز وفا (اردو) لیکن شاید ان میں سے کوئی مجموعہ اشاعت پذیر نہیں ہو سکا۔ سُنا ہے کہ یہ کلام شہباز نقوی کے پاس تھا۔

ڈاکٹر خیال امروہوی اُن کی اردو شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''نذیر چوہدری نے زندگی کے مختلف زاویوں کو بیان کرتے وقت عجز بیاں سے کام نہیں لیا۔ اور نہ ہی پنجاب کی روایتی زندگی کے حوالے سے بات کہی ہے۔ بلکہ وہ شاعری کے میدان میں بے باک اور بے لاگ نقاد کی حیثیت

Marfat.com

سے آتے ہیں اور فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔۔۔

نذیر صرف نذیر نہیں بلکہ عدیم النظیر ہے۔ ان کی پنجابی شاعری کی تشبیہات میں ثریا کی آب و تاب، مشتری کی چمک اور زہرہ و ناہید کا شباب شامل ہے۔ ماہتاب کی خنکی اور خورشیدِ درخشاں کا التہاب ملتا ہے۔'' ۲۳۴

چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ کیجئے ۔

ہر لمحہ انکشاف کی زد میں ہے زندگی
پھر بھی حقیقتوں پہ ہے پردا پڑا ہوا

دنیا نے کسی نام کو رکھا ہی نہیں یاد
سو نام لئے میں نے ترے نام سے پہلے

سلگتی ہیں یقین و عزم کی راہیں تو کیا غم ہے
چمن کے پتے پتے کی حفاظت ہم نہ چھوڑیں گے

چھین لی فطرت نے اس سے پھر متاعِ اختیار
جب کوئی انسان انساں کا خدا ہونے لگا

شاخ پر بیٹھا ہوا غمگین پنچھی دیکھ کر
میرے ہاتھوں سے جو زخمی تھا پرندہ اڑ گیا

اہلِ چمن کو آج بھی ان کی تلاش ہے
جو لوگ آندھیوں میں جلاتے رہے چراغ

غزل

حالات کو اب درد کا احساس پکارے
پھیلے ہوئے ہر سمت ہیں جذبات ہمارے

دیوار کا سایہ بھی جہاں توبہ شکن ہے
اس شہر چلے ہم بھی خدا خیر گزارے

ڈھونڈے گے کسی روز خدا کو بھی یقیناً
انسان کی زد میں ہیں ابھی چاند ستارے

حیراں ہیں انہیں دیکھ کے پھولوں کے طلب گار
جیتے ہیں گلستاں میں جو کانٹوں کے سہارے

یاد ان کو دلانا نہ وفاؤں کے تقاضے
پتھر پہ لگے چوٹ تو نکلیں گے شرارے

یہ اہلِ بصیرت کو بھی سمجھانا پڑے گا
ہیں چشمِ بصیرت میں بھی فطرت کے اشارے

اتری ہے کوئی چیز تو لہروں میں نذیر آج
بیٹھے ہوئے کچھ لوگ ہیں دریا کے کنارے

Marfat.com

اقبال منظر

محمد اقبال المتخلص منظر ۱۱ اگست ۱۹۲۱ء کو انبالہ (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بابو مشتاق تقسیم سے قبل محکمہ ڈاک میں ملازم تھے۔ اقبال منظر نے تقسیم ہند کے بعد ہجرت کی اور سرگودھا شہر میں رہائش پذیر ہوئے چونکہ بالکل واجبی سی تعلیم تھی لہٰذا دکانداری سے گزر اوقات کرنے لگے۔ لیکن گہر مشاہدہ پایا تھا۔ اور ادبی ذوق بھی رکھتے تھے۔ اس پر طرہ کہ آواز بھی اچھی تھی اور ترنم سے مشاعرہ پڑھا کرتے تھے۔ اور اُن کا شعر کہنے کا یہ انداز اپنے استاد حافظ یوسف آزاد سے ملتا تھا۔ مرتبین ''نقوش سرگودھا'' لکھتے ہیں:

''موسیقی سے گہرا لگاؤ ہے۔ اولاد نرینہ نہیں ہے۔ ابھی تک کوئی شعری مجموعہ نہیں چھپا۔ اب آپ کی عمر استاد کہلوانے کی ہے۔ ان کی شاعری میں روایت پسندی زیادہ ہے۔ چھوٹی بڑی بحروں میں خوبصورت شعر کہتے ہیں''۔ ۳۳۳

''نقوش سرگودھا'' ان کے حیات میں شائع ہوئی تھی۔ اور یہاں یہ بتا تا چلوں کہ بڑھاپا استاد ہونے' کی دلیل نہیں ہے۔ احترام کی جاء ضرور ہے۔ آپ سرگودھا رائٹرز کلب کے ممبر بھی تھے۔ اور اجلاسوں میں بھی شریک ہوتے۔ جبکہ بزمِ شبلی کے اجلاسوں میں بھی حاضری دیتے تھے:

''آپ کی اہلیہ ۲۴ نومبر ۱۹۹۹ء کو ساتھ چھوڑ گئیں تو دل برداشتہ ہو گئے۔ چونکہ ایک ہی بیٹی تھی جو شادی کے بعد کراچی منتقل ہو گئی تھی۔ لہٰذا وہیں بیٹی کے ساتھ رہنے لگے۔ جہاں ۳۰ جنوری ۲۰۰۴ء کو جمعہ کے دن اڑھائی بجے سہ پہر وفات پائی۔ عید قربان کا موقع تھا۔ لیکن کوشش بسیار کے بعد رات کو اقبال منظر کی میت اس کی بیٹی۔۔۔ سرگودھا لے آئیں جہاں ۳۱ جنوری ۲۰۰۴ء کو سپردِ خاک کیا گیا''۔ ۳۳۴

Marfat.com

اقبال منظر نے تقریباً ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ نعت، ترانہ، غزل، نظم وغیرہ۔ آپ کی زیادہ تر شاعری سہلِ ممتنع میں تھی۔ خدا جانے اب کچھ کلام مختلف کتب میں شامل کے علاوہ باقی ہے بھی یا نہیں۔

جستجو میں تیری اے دوست یہاں تک پہنچے ہوش اتنا نہ رہا ہم کو، کہاں تک پہنچے
ذات پہ تیری کیا جب سے بھروسہ میں نے وسوسے پھر نہ مرے وہم و گماں تک پہنچے
ظلم سہہ کر بھی مرے صبر کا عالم یہ ہے شکوے میرے نہ کبھی میری زباں تک پہنچے
جب گری برق گلستاں کو جلانے کے لیے کھیلنے موت سے ہم برقِ تپاں تک پہنچے
دشمنی اور عداوت کو مٹانے کے لیے ''میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے''

ان کے دیدار کی حسرت لئے دل میں منظرؔ
کوچے کوچے میں پھرے کوئے بتاں تک پہنچے ۳۳۵

اشارے جب سے ہوئے ہیں تری نظر کے مجھے رقیب کہتے ہیں سب لوگ تیرے گھر کے مجھے
خمار جس کا کبھی عمر بھر نہ اترے گا پلا دیا ہے وہ ساقی نے جام بھر کے مجھے
حسین اُن کے سوا اب کوئی نہیں جچتا نظر جو آئے کچھ ایسے وہ بن سنور کے مجھے
ستم رسیدہ ہوں ڈرتا ہوں اپنے سائے سے تو کیوں ڈراتے ہیں سائے ہی میرے گھر کے مجھے

میں گہری نیند کے عالم میں محو تھا منظرؔ
جگا کے چھوڑ گئے قافلے سحر کے مجھے ۳۳۶

سید واحد حسین نشان

سید واحد حسین نام اور نشان تخلص تھا۔ آپ سید دلاور حسین زیدی کے بیٹے اور سید سجاد حیدر یلدرم کے خاندان میں سے تھے۔ ۱۵ جنوری ۱۹۲۲ء ۳۳۷ کو نہٹور ضلع بجنور (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ریٹائرمنٹ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی پیدائش ۱۹۲۱ء کی ہوگی۔ ابتدائی

Marfat.com

تعلیم آپ نے اپنے گاؤں نہور سے حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان آپ نے ڈیرہ دون سے پاس کیا۔
سید واحد حسین نشان نے تقسیم ہند پر ۱۹۴۷ء میں ہجرت کی اور مانسر کیمپ (اٹک) میں مہاجرین کی آبادکاری میں مصروف ہو گئے۔ ۱۹۵۳ء میں آپ سرگودھا منتقل ہوئے اور یہاں پی۔اے۔ایف کیڈٹ کالج سے وابستہ ہو گئے۔ تھوڑا عرصہ ہی اس ادارے میں کام کیا کہ آپ کو ایئر فورس میں بحیثیت سویلین ملازمت مل گئی۔ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگوں میں آپ نے زمینی اہلکار کے طور پر خدمات انجام دیں۔ ۱۹۸۱ء میں آپ ایک مدت گزارنے کے بعد سویلین گراؤنڈ سپرنٹنڈنٹ کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ تب سے آپ نے خود کو خدمت خلق کے لئے وقف کر دیا۔ ۱۹۹۳ء میں آپ کی کوششوں سے ایدھی فاؤنڈیشن سرگودھا کی بنیاد رکھی گئی اور آپ نے اس میں سماجی کارکن کے طور پر خود کو گم کر دیا۔ لیکن اسکے باوجود ادبی سرگرمیوں کو فراموش نہیں کیا۔ اگرچہ پہلے جس ذوق وشوق سے شعری محفلوں میں حصہ لیتے تھے اس میں کمی آ گئی مگر لکھنے لکھانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ اسی زمانے میں آپ نے اپنا شعری مجموعہ بھی ترتیب دیا۔ جس کا نام ''درد دل'' رکھا۔ لیکن بوجوہ وہ اشاعت پذیر نہ ہو سکا:

> ''واحد حسین نشان کی مادری زبان اردو تھی اور یہی زبان آپ نے اظہار خیال کے لئے استعمال کی۔ ادب آپ کی گھٹی میں پڑا تھا۔ آپ کی گفتگو میں سے بھی اس کے اثرات جھلکتے تھے۔ آپ بڑی شائستہ اور نستعلیق اردو بولتے تھے۔ خلق ومروت سے آپ ہمیشہ پیش آتے اور پھر۔۔
> ایک دن یہ شیریں مزاج اور خدمت خلق میں خود کو مشغول رکھنے والا شخص اس دنیائے فانی سے کوچ کر گیا۔'' اس دن ۱۷ مئی ۲۰۰۰ء کی تاریخ تھی۔''۳۲۸

غزل

تم ابر کرم بن کے بھی اب آؤ کسی دن مقصد ہی برسنا ہے برس جاؤ کسی دن
اتنا ہی نہ دو دکھ کہ نہ ہو جس کا مداوا ایسا بھی نہ ہو بعد میں پچھتاؤ کسی دن

Marfat.com

ایمان سے مانوں گا محبت کو تمہاری	اک بار مرے سر کی قسم کھاؤ کسی دن
بحرِ غمِ ہستی کے تھپیڑے میں بہت تیز	یہ ڈوب ہی جائے نہ بھری ناؤ کسی دن
میرا بھی جہاں میں ہو کوئی ہمدم و دم ساز	اللہ کرے تم مرے بن جاؤ کسی دن

کس کس کو نشاں اپنا بتاؤ گے جہاں میں
یہ مفت کا غم ہے اسے نمٹاؤ کسی دن

کوئی خواہش تو ایسی ہے کہ جس کو پال رکھا ہے	عجب سے مخمصے میں دل کو اس نے ڈال رکھا ہے
پنپ سکتی نہیں نسلیں ہماری رہتی دنیا تک	کہ ان کا باندھ کر قرضے میں اک اک بال رکھا ہے
ہزاروں الجھنوں نے رکھ دیا ہے مجھ کو الجھا کر	خرد کا نام میں نے اس لئے جنجال رکھا ہے
کبھی سوچا بھی ہے تم نے وطن کو لوٹنے والو	فنا کا ہر طرف کس نے بچھا کر جال رکھا ہے!
پگھل جاتا ہوں میں ہر آنچ پر تم جانچ کر دیکھو	ہر اک سانچے میں میں نے زندگی کو ڈھال رکھا ہے

نہ چھوڑا صبر کا دامن نشاں اس دارِ فانی میں
ہمیشہ خرمی سے دل کو مالا مال رکھا ہے [339]

بشیر احمد بشیر

بشیر احمد المتخلص بشیر "۸ مارچ ۱۹۲۲ء کو کالرہ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔" [340] پاکستانی اہلِ قلم کی ڈائریکٹری نے ۸ مئی [341] کی جو تاریخ لکھی ہے۔ اسے "معشرِ غزل"۔ [342] "ہمارے اہلِ قلم" [343] اور راقم کے نام لکھے گئے جناب قمر حجازی نے اپنے ایک مکتوب [344] میں بھی رد کر دیا ہے۔ اور سب سے بڑا حوالہ مرحوم بشیر احمد بشیر کا شعری مجموعہ "بات تری ورق ورق" [345] ہے۔ آپ کا آبائی وطن ساہیوال ضلع سرگودھا ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کالرہ سے حاصل کی۔ قمر حجازی اس سلسلے میں کمال مہربانی سے راقم (شاکر کنڈان) کو آگاہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ :

"آپ نے تین کلاسیں اپنے گاؤں سے اور چوتھی منٹگمری

Marfat.com

(ساہیوال) سے کی۔اس کے بعد گورنمنٹ ہائی سکول منٹگمری میں داخل ہو گئے۔ ۱۹۳۹ء میں میٹرک کیا۔ میٹرک کا آخری سال تھا کہ اس سکول میں ممتاز مفتی بحیثیت ٹیچر آ گئے۔ اُن سے انگریزی پڑھی۔ ایف ایس سی پری میڈیکل گورنمنٹ ڈگری کالج فیصل آباد سے کیا اُن دنوں وہاں سری کرشن کپور پرنسپل تھے۔ یہاں پروفیسر رام بھیجا مل سیٹھ، پروفیسر مسٹر دتہ اور پروفیسر دارووالا جیسے قابل استاد میسر آئے۔ ایف ایس سی کرنے کے بعد نائب تحصیل دار منتخب ہو گئے۔ ادھر Joining سے قبل کمشن (آرمی) کیلئے Select کر لئے گئے۔ بعد میں سرکاری ملازمت کا خیال چھوڑ کر اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لے لیا جہاں دل محمد پرنسپل تھے۔ لاہور میں دل نہ لگا تو پھر فیصل آباد گورنمنٹ ڈگری کالج میں آ گئے اور یہاں سے ۱۹۴۳ء میں بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔ اکنامکس میں آپ کے استاد پروفیسر پنڈت سریندر موہن دتاتریہ تھے جو کہ مشہور شاعر پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی کے بیٹے تھے''۔ ۶۳

جناب بشیر احمد بشیر نے گریجوایشن کے بعد ذاتی کاروبار کئے اور پھر آبادکاری کے سلسلے میں آپ کے دادا سلطان احمد کو چک نمبر ۶۔آر/۸۲ میں جو زمین ملی تھی اور جسے آپ کے والد عطا محمد نے بڑی محنت سے آباد کیا تھا آپ نے اسی جائیداد کو مزید بہتر بنانے میں اپنی صلاحیتیں استعمال کرنا شروع کر دیں۔

۱۹۵۰ء میں آپ نے شاعری شروع کی۔اس سے قبل ۱۹۴۶ء میں آپ حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہو چکے تھے اور حاجی آپ کے نام کا حصہ بن چکا تھا۔ جب شعر کہنا شروع کیا تو پہلے امراؤ مرزا فیروز پوری اور پھر مولانا عطا اللہ جنون کی شاگردی اختیار کی۔ کچھ عرصہ سیاست کا حصہ بھی رہے اور مولانا بھاشانی کی نیشنل عوامی پارٹی کے ضلعی صدر رہے۔ ۱۹۶۰ء میں آپ نے شاعری کی طرف بھر

Marfat.com

پورتوجہ دی اور اجل کے آنے یعنی جولائی یا اگست ۲۰۰۲ء تک اس شغف کو برقرار رکھا۔ آپ کے چار شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ اور ان چاروں کتابوں کو یکجا کر کے کلیات بھی شائع ہو چکا ہے۔ آپ کے چاروں مجموعہ ہائے کلام کے نام ہیں۔ قوسِ خیال، بات تری ورق ورق، اور رختِ نوا، اردو کلام اور اپنے ساہ دا سیک بزبانِ پنجابی ہے۔

غزل

کوئی فقیر بھی کنجِ رضا میں رہتا ہے پتہ اُسے بھی ہے اپنی ہوا میں رہتا ہے
ہتھیلیوں پہ ہی آ کر شفق کھلاتا ہے حنا کا رنگ جو برگِ حنا میں رہتا ہے
بدل رہی ہیں یہاں موسموں کی ترتیبیں تجھے خبر ہی نہیں۔ کس خلا میں رہتا ہے؟
ملے فراغ تو کرتا ہے سو افق تخلیق وہ اک خیال سا جو ابتدا میں رہتا ہے
نہ لا سکے تری خوشبو ہی اُس طرف سے اگر تو کیا صبا سے غرض، کیا صبا میں رہتا ہے؟
کہیں بھی جائے کوئی اُس سے بدگماں ہو کر اسی کے حلقہء قدرو قضا میں رہتا ہے
نہیں زبان پہ لاتا بشیر حرفِ طلب
غریب سادہ ہے بس چپ حیا میں رہتا ہے ۲۴۷

بجا تھا خوف دلوں کا ہوا ہی ایسی تھی نہ گھر بچے نہ گھروندے بلا ہی ایسی تھی
بتا دیا تھا تجھے شہرِ صبر کا انجام تجھے تو آپ خبر ہے بنا ہی ایسی تھی
طلسم تھا نہ وہ جادو مگر کشش تھی عجب رہا گیا نہ کسی سے صدا ہی ایسی تھی
مری نظر میں تھی نا محکمی تعلق کی میں غیب داں تو نہیں ابتدا ہی ایسی تھی
افق سے تا بہ افق دشتِ جاں میں جل تھل تھا جو رات روح پہ بری گھٹا ہی ایسی تھی
شفا ہوئی نہ ہمیں کچھ پتہ نہیں چلتا مرض ہی ایسا تھا یا پھر دوا ہی ایسی تھی
یہاں تو بے گنہی بھی ہے لائق تعزیر
بشیر تیری تو پیارے خطا ہی ایسی تھی ۲۴۸

Marfat.com

ڈاکٹر وزیر آغا

وزیر آغا ابن آغا وسعت علی خان ۱۸ مئی ۱۹۲۲ء کو وزیر کوٹ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ پاکستانی اہل قلم کی ڈائریکٹری میں ۱۹۲۳ء کا سن جو تحریر کیا گیا ہے وہ اس لئے بھی غلط ہے کہ کسی بھی اور تحریر میں یہ سن پڑھنے میں نہیں آیا۔ اور نہ ہی ڈاکٹر وزیر آغا نے کبھی غلط تاریخ پیدائش بتائی ہے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم چک نمبر ۳۴ جنوبی میں حاصل کی۔ جو سکھوں کا گاؤں تھا۔ کچھ عرصہ منٹگمری میں زیر تعلیم رہے۔ واپس آئے تو سرگودھا شہر کا سفر کرنا پڑا جہاں گورنمنٹ ہائی سکول سے ۱۹۳۷ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور گورنمنٹ کالج جھنگ میں داخلہ لے لیا۔ جہاں سے انٹر کیا۔ اسی دوران آپ کی ادبی سرگرمیوں کا آغاز ہوا کالج کے مجلّہ ''چناب'' کی ادارت سے حوصلوں کو مزید تقویت ملی۔ ۱۹۳۹ء میں آپ لاہور چلے گئے اور گورنمنٹ کالج سے ۱۹۴۳ء میں معاشیات میں ایم اے کی ڈگری لی۔ ۱۹۵۶ء میں آپ نے ''اردو ادب میں طنز و مزاح'' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ آپ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۴ء تک ماہنامہ ''ادبی دنیا'' کے شریک مدیر رہے۔ مولانا صلاح الدین احمد کے انتقال کے بعد آپ نے ادبی دنیا کی ذمہ داری چھوڑ دی۔ اور پھر ۱۹۶۶ء میں ''اوراق'' کا اجراء مولانا صلاح الدین احمد کی یاد میں کیا۔ جو تقریباً ۴۰ سال تک جاری رہا۔ اور وفات سے چند سال پہلے اُن کی بیماری کے باعث تعطّل کا شکار ہوا اور پھر دو بارانہ شائع ہو سکا۔ آپ نے ۷ ستمبر ۲۰۱۰ء/۲۸ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ رات بوقت ساڑھے گیارہ بجے لاہور کے ایک ہسپتال میں وفات پائی جبکہ آپ کی میت کو اپنے گاؤں وزیر کوٹ میں لاکر دوسرے دن دفن کیا گیا۔

ڈاکٹر وزیر آغا کی بہت سی ادبی جہات ہمارے سامنے ہیں۔ وہ محقق، نقاد، انشائیہ نگار، مدیر، مئولف، مترجم، مضمون نگار، اور شاعر تھے۔ ان تمام جہات میں وہ ایک Trend Setter کے طور پر سامنے آئے آپ کا مطالعہ بھی ہر موضوع کے حوالے سے بہت وسیع تھا۔ اور آپ نے مطالعہ کو ضائع بھی نہیں ہونے دیا۔ اسے استعمال کیا ہے۔ اردو، انگریزی اور پنجابی پر سہ زبانوں میں آپ کی خدمات

Marfat.com

اہل ادب پر عیاں ہیں ۔ آپ کی شخصیت اور فن کے بارے بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے ۔ لیکن یہاں میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اُن کی تصانیف اور اُن پر کئے جانے والے کام پر روشنی ڈالوں ۔ آپ سے ایک انٹرویو میں جب میں نے آپ کی کتب کے بارے پوچھا تو فرمانے لگے کہ چالیس سے زائد کتب ہو جائیں تو یاد نہیں رہتیں ۔ بہر حال آپ کی تصانیف کی فہرست ملاحظہ فرمایئے:

انشائیہ

(۱) خیال پارے (۱۹۶۱ء) (۲) چوری سے یاری تک (۱۹۶۶ء)
(۳) دوسرا کنارہ (۱۹۸۲ء) (۴) سمندر اگر میرے اندر گرے (۱۹۸۹ء)
(۵) پگڈنڈی سے روڈ رولر تک (کلیات) (۱۹۹۵ء)

تنقید

(۱) اردو ادب میں طنز و مزاح (۱۹۵۹ء) (۲) نظم جدید کی کروٹیں (۱۹۶۳ء)
(۳) اردو شاعری کا مزاج (۱۹۶۵ء)
(۴) تنقید اور احتساب (۱۹۶۷ء) (۵) تخلیقی عمل (۱۹۷۰ء)
(۶) نئے مقالات (۱۹۷۲ء) (۷) تنقید اور مجلسی تنقید (۱۹۸۱ء)
(۸) تصوراتِ عشق و خرد، اقبال کی نظر میں (۱۹۷۷) (۹) نئے تناظر (۱۹۷۹ء)
(۱۰) دائرے اور لکیریں (۱۹۸۶ء) (۱۱) تنقید اور جدید اردو تنقید (۱۹۸۹ء)
(۱۲) انشائیہ کے خدوخال (۱۹۹۰) (۱۳) مجید امجد کی داستان محبت (۱۹۹۱ء)
(۱۴) ساختیات اور سائنس (۱۹۹۱ء) (۱۵) غالب کا ذوقِ تماشا (۱۹۹۷ء)
(۱۶) معنی اور تناظر (۱۹۹۸ء) (۱۷) امتزاجی تنقید کا سائنسی اور فکری تناظر (۲۰۰۷ء)
(۱۸) کلچر کے خدوخال (۲۰۰۹ء) (۱۹) اردو ادب میں عورت کا سماجی کردار

متفرق کتب

(۱) مسرت کی تلاش (فکر و فلسفہ (۱۹۵۳ء) (۲) شامِ دوستاں آباد (یادنگاری) (۱۹۷۴ء)

Marfat.com

(۳) شام کی منڈیر سے (خود نوشت) (۱۹۸۶ء)

(۴) دستک اس دروازے پر (فکر و فلسفہ) (۱۹۹۳ء)

(۵) تین سفر (سفرنامہ) (۱۹۹۶ء)

(۶) The Symphony of existence (۱۹۹۵ء)

ترتیب/تدوین/انتخاب

(۱) ۱۹۵۸ء کی بہترین نظمیں
(۲) ۱۹۵۹ء کی بہترین نظمیں
(۳) ۱۹۶۰ء کی بہترین نظمیں
(۴) ۱۹۶۱ء کی بہترین نظمیں
(۵) عبدالرحمٰن چغتائی۔ شخصیت اور فن (۱۹۸۰ء)
(۶) انتخاب جدید نظم (۱۹۸۱ء)
(۷) مولانا صلاح الدین احمد شخصیت اور فن (۱۹۹۰ء)
(۸) پوئٹری اوراق انتھالوجی (اردو، انگریزی) تین حصے (۱۹۹۶ء۔ ۱۹۹۸ء۔ ۱۹۹۹ء)

شاعری

(۱) شام اور سائے (نظمیں) ۱۹۶۴ء
(۲) دن کا زرد پہاڑ (نظمیں۔ غزلیں) ۱۹۶۹ء
(۳) غزلیں (۱۹۷۳ء)
(۴) نردبان (نظمیں) ۱۹۷۹ء
(۵) آدھی صدی کے بعد (طویل نظم) ۱۹۸۱ء
(۶) گھاس میں تتلیاں (نظمیں) ۱۹۸۵ء
(۷) اک کتھا انوکھی (نظمیں، غزلیں) ۱۹۹۰ء
(۸) چہک اٹھی لفظوں کی چھاگل (کلیات نظم) ۱۹۹۱ء
(۹) یہ آواز کیا ہے (نظمیں) ۱۹۹۵ء۔
(۱۰) عجب اک مسکراہٹ (نظمیں) ۱۹۹۷ء
(۱۱) چہک اٹھی لفظوں کی چھاگل (غزلیں) ۱۹۹۸ء
(۱۲) چنا ہم نے پہاڑی راستہ (نظمیں) ۱۹۹۹ء
(۱۳) ہم آنکھیں ہیں (نظمیں) ۲۰۰۱ء۔
(۱۴) دیکھ دھنک پھیل گئی (نظمیں) ۲۰۰۳ء
(۱۵) جگنی میں روشنی (نظمیں) ۲۰۰۵ء
(۱۶) ہوا تحریر کر مجھ کو (۲۰۰۹ء)
(۱۷) کاسۂ شام (۲۰۱۱ء)
(۱۸) چھج تاریاں دا (پنجابی شاعری) ۲۰۰۰ء
(۱۹) واجاں باجھ وچھوڑے (پنجابی شاعری) ۲۰۰۳ء

Marfat.com

آپ کی نگارشات کے دوسری زبانوں میں تراجم

۱۔ Selected Peoms of Wazir Agha (انگریزی) ۱۹۷۸ء

۲۔ آدھی صدی کے بعد از: ش۔ک۔نظام (ہندی) ۱۹۸۳ء

۳۔ Half a Century Later از: راجندر سنگھ ورما (انگریزی) ۱۹۸۹ء

۴۔ A Tale so strange از: ڈاکٹر وزیر آغا (انگریزی) ۱۹۹۲ء

۵۔ A Tale so strang از: ڈانے پاپاسیٹر انٹو (سویڈش) ۱۹۹۴ء

۶۔ A Tale so strang از: ایوا۔ ایم۔ ایلینڈر (سویڈش) ۱۹۹۵ء

۷۔ اردو شاعری کا مزاج از: سیمانت پرکاش (ہندی) ۱۹۸۷ء

۸۔ بارہواں کھلاڑی مترجم: موہن لال (ہندی) ۱۹۸۵ء

۹۔ ادھی صدی پچھوں مترجم: راز سنتو کھسری (پنجابی) ۱۹۹۴ء

۱۰۔ چونڑویاں نظماں سرائیکی ۱۹۸۰ء

۱۱۔ Winds of Fire مترجم: مظفر اے غفار (انگریزی) ۱۹۹۴ء

۱۲۔ Seven Poems of Wazir Agha مترجم آزاد گلاٹی (انگریزی) ۱۹۹۵ء

۱۳۔ Mild and Mellow مترجم: ستیہ پال آنند (انگریزی) ۱۹۹۷ء

۱۴۔ Selected Light Essay مترجم: جے رتن (انگریزی) ۱۹۹۵ء

۱۵۔ Peoms and Haiku Poems از: وزیر آغا (انگریزی) ۱۹۹۹ء

۱۶۔ Is any one out there، از وزیر آغا (انگریزی) ۲۰۰۰ء

۱۷۔ Half a century Later مترجم: نصیر ملک (ڈینش) ۱۹۹۸ء

۱۸۔ Lat the Strings Vibrate از وزیر آغا (انگریزی) ۲۰۰۱ء

۱۹۔ Haiko از زوسوینا (یونانی) ۲۰۰۲ء

۲۰۔ Siserive از برنو رومی (اطالوی) ۲۰۰۲ء

Marfat.com

۲۱۔Late Showers از وزیر آغا (انگریزی) ۲۰۰۳ء

۲۲۔Selected Poems & Haiko از افضل عباس/ پال ایرک نارتن (نارو تجین) ۲۰۰۴ء

۲۳۔Qnros از زوسوینا (یونانی) ۲۰۰۵ء

۲۴۔Babilonia از برنو رومی (اطالوی) ۲۰۰۵ء

تخلیقات پر مرتبہ کتب

۱۔وزیر آغا کے دیباچے مرتبہ: ڈاکٹر احسن زیدی (۱۹۹۰ء)

۲۔پہلا ورق (اوراق کے اداریے) مرتبہ: حیدر قریشی، راغب شکیب (۱۹۹۰ء)

۳۔وزیر آغا کے خطوط مرتبہ: ڈاکٹر انور سدید (۱۹۸۵ء)

۴۔مکالمات (وزیر آغا سے) مرتبہ: ڈاکٹر انور سدید (۱۹۹۱ء)

۵۔منتخب نظمیں مرتبہ: ڈاکٹر غلام حسین اظہر

۶۔وزیر آغا کے خطوط اکبر حمیدی کے نام مرتبہ: اکبر حمیدی (۱۹۹۵ء)

۷۔ڈاکٹر وزیر آغا کے تنقیدی مضامین مرتبہ: سجاد نقوی (۱۹۹۵ء)

۸۔اوراق کے اداریے مرتبہ: اقبال آفاقی (۲۰۰۰ء)

۹۔میراجی بحوالہ ڈاکٹر وزیر آغا، طارق حبیب (مشمور ماہنامہ شبیہہ خوشاب جنوری تا جون ۲۰۰۷ء)

۱۰۔کشفِ ذات کی آرزو کا شاعر، طارق حبیب (۲۰۱۰ء)

۱۱۔نئے مکالمات، شاہد شیدائی/ عابد خورشید (۲۰۱۰ء)

فکروفن پر مبنی کتب و رسائل

۱۔وزیر آغا ایک مطالعہ از ڈاکٹر انور سدید (۱۹۸۲ء)

۲۔شام کا سورج۔مرتبہ: ڈاکٹر انور سدید (۱۹۸۹ء)

۳۔اردو شاعر کا مزاج معاصرین کی نظر میں۔مرتبہ: سجاد نقوی (۱۹۸۷ء)

Marfat.com

۴۔دن ڈھل چکا تھا(نظموں کا تجزیاتی مطالعہ)ناصر عباس نیر(۱۹۹۳ء)

۵۔ڈاکٹر وزیر آغا اور ہمارا عہد۔رشید نثار(۱۹۹۸ء)

۶۔وزیر آغا کی امتزاجی نظریہ سازی از مناظر عاشق ہرگانوی(۱۹۹۶ء)

۷۔ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت۔حیدر قریشی(۱۹۹۶ء)

۸۔Presented to Wazir Agha (۲۰۰۱ء)

۹۔بیاضِ شب و روز(نظموں کا تجزیاتی مطالعہ)ارمان نجمی(۲۰۰۱ء)

۱۰۔امتزاجی تنقید کی شعریات۔رفیق سندیلوی(۲۰۰۳ء)

۱۱۔آفتابِ ادب، پروفیسر ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم(۲۰۱۱ء)

۱۲۔وزیر آغا اہل قلم کی نظر میں، گل بخشالوی(۱۹۹۷ء)

۱۳۔وزیر آغا شخصیت اور فن، رفیق سندیلوی(۲۰۰۶ء)

۱۴۔وزیر آغا کی بائیس نظمیں، مرتبہ: عابد خورشید(۲۰۰۷ء)

۱۵۔تنقید اور وزیر آغا کی تنقید، شازیہ عمر(۲۰۱۰ء بھارت)

۱۔الزبیر(وزیر آغا نمبر)بہاولپور

۲۔آوازِ جرس(وزیر آغا نمبر)لاہور

۳۔تخلیقی ادب مرتبہ مشفق خواجہ(خصوصی گوشہ)

۴۔ سکائی لارک انٹرنیشنل(انگریزی)وزیر آغا نمبر۔انڈیا

۵۔طلوعِ افکار۔کراچی(خصوصی گوشہ)

۶۔چہارسو۔راولپنڈی(خصوصی گوشہ)

۷۔تسطیر، لاہور(یہ آواز کیا ہے)خصوصی گوشہ

Marfat.com

۸۔تسطیر، لاہور (خصوصی مطالعہ۔نظم)

۹۔ادبِ معلیٰ (وزیر آغا نمبر) لاہور

۱۰۔کاغذی پیرہن (وزیر آغا نمبر) لاہور

۱۱۔شعروسخن، مانسہرہ

۱۲۔اخبارِ اردو، اسلام آباد (گوشہ)

۱۳۔کاغذی پیرہن، لاہور

۱۴۔مخزن، لاہور (خصوصی گوشہ)

۱۵۔اسالیب، سرگودھا

۱۶۔ادبِ معلیٰ، لاہور

۱۷۔نالۂ، بھیرہ

۱۸۔جدید ادب، جرمنی

۱۹۔تجدیدِ نو، لاہور

۲۰۔قومی زبان، کراچی (گوشہ)

۲۱۔سمبل، راولپنڈی

۲۲۔اجراء، کراچی (خصوصی گوشہ)

۲۳۔الحمراء، لاہور

۲۴۔رنگ و بو، حیدر آباد (بھارت) (گوشہ)

جامعات میں خصوصی تحقیقی کام

(۱)۔وزیر آغا کا فن۔بہار یونیورسٹی بھارت (پی ایچ ڈی کا مقالہ)

(۲)۔وزیر آغا کی انشائیہ نگاری۔مارواڑی کالج بھاگلپور بھارت (پی ایچ ڈی کا مقالہ)

Marfat.com

(۳)۔وزیر آغا کی تنقید۔ پٹنہ یونیورسٹی۔ بھارت (پی ایچ ڈی)

(۴)۔وزیر آغا کی تنقید نگاری۔ جے پور بھارت (ایم فل)

(۵)۔وزیر آغا کا اسلوب نثر۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ (ایم۔اے)

(۶)۔وزیر آغا کی شاعری۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ (ایم۔اے)

(۷)۔وزیر آغا کی تنقید۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور (ایم اے)

(۸)۔وزیر آغا کی مضمون نگاری۔ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور (ایم۔اے)

(۹)۔وزیر آغا کے انشائیے۔ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور۔ (ایم۔اے)

(۱۰)۔وزیر آغا کی انشائیہ نگاری۔ پشاور یونیورسٹی (ایم۔اے)

(۱۱)۔وزیر آغا کی اقبال شناسی۔ اسلامیہ یونیوسٹی بہاولپور۔ (ایم۔اے)

(۱۲)۔وزیر آغا کی نظم نگاری، نمل اسلام آباد (ایم فل)

(۱۳)وزیر آغا بحیثیت نقاد، پنجاب یونیورسٹی لاہور (ایم اے)

(۱۴)ڈاکٹر وزیر آغا بحیثیت شاعر، پنجاب یونیورسٹی (ایم اے)

(۱۵)وزیر آغا کی نظموں کے انگریزی تراجم، پنجاب یونیورسٹی (ایم اے)

(۱۶)ڈاکٹر وزیر آغا کی تنقید جہات، یونیورسٹی آف سرگودھا (ایم اے)

(۱۷)ڈاکٹر وزیر آغا کی علم وادبی خدمات، نمل اسلام آباد (پی ایچ ڈی)

ان کے علاوہ ہندوستان اور پاکستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں سکالرز کو مقالے دے دیے گئے ہیں۔ جن پر وہ کام کر رہے ہیں۔

دراصل ڈاکٹر وزیر آغا ایک ایسی شخصیت ہے جس نے ساری زندگی ادب کے لئے گزار دی۔ ادب کی خدمات میں نئے خیالات اور نئے رجحانات میں انہوں نے خود بھی کام کیا اور کام کرنے والوں کی پذیرائی بھی کی۔

Marfat.com

وزیر آغا نے شاعری میں زمین سے اپنے تعلق کو اور فطرت سے قرب کو بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔نظم کو اگرچہ آپ نے ترجیح دی لیکن غزل میں بھی خود کو کمزور ثابت نہیں ہونے دیا۔اُن کی غزل کے بارے مصور سبزواری کا کہنا ہے کہ

''یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے کہ وزیر آغا ذات کی گم شدگی اور اس کی بازیافت کے سراب کی زد پر بالکل نہیں آئے۔خارجی مظاہر سے جو تشخص انہوں نے اپنی نئی غزلوں سے برآمد کیا ہے وہ داخل اور خارج کے غیر منقسم نقطۂ تقسیم کا ایک قبول ترین عمل ہے۔۔۔

ان غزلوں کے بین السطور میں سب سے بڑا وصف یہ نظر آتا ہے کہ شدید فکری، ذہنی اور اعصابی تناؤ کی فضا ہوتے ہوئے بھی موضوع، مواد، ہیئت اور فطرت پرستی کا روحانی نظام قائم رہتا ہے۔کسی حس کو اس طرح جگانا کہ تمام تار ایک ساتھ بج اٹھیں اور آوازوں کے وجدان کا سماں پیدا ہو جائے معرکے کا کام نہ سہی مشکل ضرور ہے''۔۹؎

اِسی طرح ڈاکٹر وزیر آغا کی نظم میں ایک ایسی زندگی ہے۔جو خود بول اٹھتی ہے۔اور قاری اس کی قرأت نہیں کرتا بلکہ وہ نظم خود پڑھانے پر اکساتی ہے۔اور کائنات کے راز اور دانش کی گتھیاں سامنے آتی جاتی ہیں۔اور جب آدمی ان پر فرصت نکال کر غور کرے تو وہ حیران رہ جاتا ہے کہ ان تہوں سے آج تک پردہ کیوں نہ سرکا۔بہر حال غزل اور نظم بطور نمونہ حاضر ہے۔

آنسو بھری مسکان

بس اک
آنسو بھری مسکان ہے

Marfat.com

جس کے سہارے جی رہے ہیں
وگرنہ چھت پہ کنکر بھی گرے
تو اک دھماکہ
سارے تن کو کپکپی کا دان دیتا ہے
سحر دم، دودھیا اخبار کے پرتوں
کے ٹکرانے سے
خبریں چیتاں بن بن کے گرتی ہیں
''تبرک'' مٹھیوں میں بھر کے
خالی جھولیوں میں دم بہ دم
تقسیم کرتی ہیں
ہوا جھونکوں میں بٹ کر
شہر کی گلیوں میں
ہم کو ڈھونڈنے نکلی ہوئی ہے
مقفل کھڑکیوں پر دستکیں دیتی
ہماری کھوج میں پاگل ہوئی ہے
نہ جانے کس جگہ ہم آ گئے ہیں
جہاں خوشیاں
زدِ جاروب کھاتی پھر رہی ہیں
بس اک آنسو بھری مسکان ہے
جس کے سہارے جی رہے ہیں ۱۹۵۰ء

☆

Marfat.com

غزل

کل رات میری چاند سے پھر گفتگو رہی
اک جوئے غم ہمکتی ہوئی سُو بہ سُو رہی

کانٹی گلوں کی سیج پہ کب ہم نے زندگی
میٹھی سی اک چبھن تھی، سدا مشکبو رہی

اک عمر ہم بندھے رہے خوشبو کی ڈور میں
تلوار بن کے موجِ ہوا روبرو رہی

اے گل بدن سحر یہ بتا کس کی یاد میں
آنسو کی گرم بوند میں محصور تو رہی

ہم خود کو برف ہوتے ہوئے دیکھتے رہے
سینے میں سانس روکے ہوئے گرم لُو رہی

پلکوں سے کیسے پھوٹیں گی خوابوں کی پتیاں
آنکھوں میں یوں ہی خشک اگر آبجو رہی

بادِ شمال کچھ تو مرا بھی خیال کر
کیا میں رہوں گا تُو جو مرے چار سو رہی ۳۵۱

محمد انور گوندی

سرگودھا شہر میں ادب کے فروغ میں ادبی رسالے اور مشاعرے کے حوالے سے جس شخص نے ابتداءً بہت اہم کردار ادا کیا وہ تھے محمد انور گوندی۔

> ''محمد انور گوندی ۸ ستمبر ۱۹۲۲ء کو متراں والی سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔۔۔آپ شیخ امام دین گوندی کے بڑے بیٹے تھے۔ بچپن میں انور پاشا کے نام سے مشہور تھے''۔ ۳۵۲

ابھی آپ بچے ہی تھے کہ والدین کے ساتھ سرگودھا آ گئے۔ کچہری بازار میں آپ کے والد کی تین دکانیں تھیں۔ انور گوندی نے واجبی تعلیم حاصل کی اور والد کے ساتھ کاروبار میں شریک ہو گئے۔ سکول کے زمانے میں آپ کو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ موسیقی کی شدبد حاصل کی، فوٹوگرافی کا شوق اپنایا۔ آپ ۱۹۴۰ء میں خاکسار تحریک میں شامل ہوئے اور بڑے جوش و خروش سے اس میں حصہ لیتے رہے لیکن تحریک پاکستان نے جب زور پکڑا تو مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔

Marfat.com

محمد انور گوئندی نے ۱۹۴۰ء میں مشاعروں کی ابتداء کی۔ مقامی اور دیگر شہروں کے شعراء اِن مشاعروں میں بھرپور حصہ لیتے اور سامعین بھی ٹکٹ خرید کر مشاعرہ سننے کے لئے آتے جو ایک بالکل الگ روایت تھی۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۷۰ء تک یہ سلسلہ جاری رہا اور انہیں کامران مشاعروں کا نام دیا گیا۔ جن شعراء نے اس سارے عرصے یعنی تیس سال میں یہاں شرکت کی۔ اُن میں محمد حسین شوق۔ الطاف مشہدی۔ پروفیسر غلام جیلانی اصغر۔ علامہ رشک ترابی۔ مولانا اخگر سرحدی۔ خواجہ محمد حنیف۔ میر عبدالرشید اشک۔ اصغر مشہدی۔ حافظ محمد یوسف آزاد۔ میاں محمد انور۔ سید عابد علی عابد۔ رشید قیصرانی۔ پیر فضل حسین فضل۔ ظہور نظر۔ رابعہ نہاں۔ محمودہ سوز۔ خورشید راٹھور۔ اکرام اللہ شرر۔ مشتاق اسلام آبادی۔ سرور مجاز۔ شفقت بٹالوی۔ حشمت آرا حجاب۔ طالب جالندھری۔ اظہر جاوید۔ اختر واصفی۔ جعفر طاہر۔ محترمہ حفصہ طور بہار۔ جوہر نظامی۔ عبدالحمید عدم۔ منظور احمد منظور۔ شیر افضل جعفری۔ غلام حسین عادل۔ مرزا ماموں انور۔ غلام حسین قیصر۔ رفعت سلطان۔ عبدالغنی جوہر۔ جمیل اطہر۔ مصطفیٰ صادق۔ مظفر حسن منصور۔ راجہ علی گوہر۔ محسن احسان۔ مرزا محمود سرحدی۔ محترمہ نجم السحر۔ بسمل صابری۔ رشیدہ سلیم سیمیں۔ ادا جعفری۔ حفیظ جالندھری۔ احمد ندیم قاسمی۔ وزیر آغا۔ جگر مراد آبادی۔ سیماب اکبر آبادی۔ شاکر نظامی۔ خدا سوز۔ منور سلطانہ لکھنوی۔ قمر لدھیانوی۔ نکہت پروین رعنا۔ مظفر وارثی۔ مس صنوبر مصور۔ شارب انصاری۔ بشیر احمد تارڑ۔ خورشید رضوی۔ فیض لدھیانوی۔ حافظ لدھیانوی۔ بیدل پانی پتی۔ کنول فیروز۔ نسیم سید۔ میاں کریم بخش مضطر۔ ضامن علی حیدری۔ خاور لدھیانوی۔ شریف کنجاہی۔ عصمت علیگ اور انور گوئندی (میزبان) کے علاوہ کئی دیگر شعراء کے نام شامل ہیں۔

محمد انور گوئندی کا دوسرا بڑا کارنامہ ایک ادبی مجلّے ''کامران'' کا اجراء تھا۔ یہ پرچہ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۷۰ء تک باقاعدگی سے جاری رہا۔ ۱۹۷۰ء میں انہیں دل کی بیماری لاحق ہوئی تو یہ پرچا بھی بند کرنا پڑا۔ ۱۷ مئی ۱۹۷۱ء کو ان کے بہت ہی قریبی دوست محمد حسین شوق فوت ہوئے تو تین دن بعد انہیں دل کا دورہ پڑا اس سے بچ گئے لیکن کچھ عرصہ بعد فالج ہوا اور بائیں حصہ کو مفلوج کر گیا۔

Marfat.com

بالآخر اسی حالت میں ۱۰ ستمبر ۱۹۷۴ء کو وہ خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ شاعری سے آپ کو محبت تھی۔ جس کا اظہار اُن کے منعقدہ مشاعروں اور کامران رسالے سے ہوتا ہے۔ خود بھی لکھا لیکن وہ جمع نہ کر سکے۔ آپ کی وفات کے کافی عرصہ بعد ہارون الرشید تبسم نے اُن کے حالاتِ زندگی اور اُن کے کچھ کلام کو ''نوائے انور'' کے نام سے ترتیب دیا۔

غزل

میں رندِ خرابات ہوں رہتا ہوں نشے میں   سن غور سے وہ بات جو کہتا ہوں نشے میں
اللہ رے تری مست نگاہی کا یہ افسوں   پُر کیف سی اک لہر پہ بہتا ہوں نشے میں
واعظ کا ہے اندازِ بیاں مصلحت آمیز   لیکن میں جو دل میں ہو وہ کہتا ہوں نشے میں
کچھ غم بھی غلط ہوتے ہیں مینا و سبو سے   کچھ دکھ بھرے لمحات بھی سہتا ہوں نشے میں

سہتا ہوں میں انور بڑی ہشیار ہے دنیا
اور میں ہوں کہ ہر وقت ہی رہتا ہوں نشے میں

غزل

میں رازِ فنا وبقا پا گیا ہوں   جہاں سے چلا تھا وہیں آ گیا ہوں
میں اب زندگی کو سمجھنے لگا ہوں   میں اب موت کے راز کو پا گیا ہوں
نظر بھی حجابِ نظر بن گئی ہے   میں اس درجہ تیرے قریب آ گیا ہوں
نہیں رغبتِ ماسوا مجھ کو لیکن   تری آرزو سے بھی اکتا گیا ہوں
میر زندگی جس نے ترتیب دی تھی   اسی جذبۂ دل سے گھبرا گیا ہوں

فریب نظر کو سمجھتے ہوئے بھی
میں انور فریب نظر کھا گیا ہوں ۳۵۲

☆

Marfat.com

عزیز انبالوی

عزیز انبالوی کا نام عبدالعزیز اور ولدیت محمد صدیق تھی۔ آپ مارچ ۱۹۲۳ء میں موضع جگادھری ضلع انبالہ (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ ۴ جماعت تک تعلیم اپنے گاؤں سے حاصل کی۔ پھر حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر تعلیم کو خیر باد کہہ دیا اور محنت مزدوری کرنے لگے۔ قیامِ پاکستان کے تین ماہ بعد یعنی نومبر ۱۹۴۷ء میں ہجرت کی اور خوشاب ضلع سرگودھا میں رہائش پذیر ہوئے۔ لیکن چند دنوں بعد آپ کا خاندان سرگودھا شہر میں منتقل ہو گیا۔ یہاں خلیل چکوالی سے آپ کی ملاقات ہوئی جنہوں نے آپ کے ذوق کو دیکھتے ہوئے آپ کو شعر و سخن کی طرف راغب کیا۔ اور یہی ذوق آپ کو حافظ یوسف آزاد کے ہاں لے گیا۔ جن کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ تہ کیا اور باقاعدہ شعر کہنے لگے۔ چونکہ دکانداری کرتے تھے۔ جس مصروفیت کے باعث آپ کی زندگی محدود رہی جسے گوشہ نشینی کا نام دیا گیا۔ اس کے باوجود کبھی کبھی کسی مشاعرے میں حاضری دے دیتے۔ بزمِ فکرِ اقبال سرگودھا کی جانب سے آپ کو ادبی ایوارڈ بھی دیا گیا۔ آپ انقلابِ نو، اوراق، شعلہ اور اردو زبان میں کبھی کوئی غزل بھیج دیتے جو شائع ہو جاتی تھی لیکن زیادہ تر گمنامی میں رہے۔

عزیز انبالوی سے ۲۰۰۳ء میں میری ملاقات ہوئی جس پر آپ نے اپنی بیاض بھی دکھائی اور نثر میں آپ نے کچھ یادیں بھی اکٹھی کر رکھی تھیں وہ بھی دکھائیں۔ بیاضِ شاعری اور یادداشتیں دو کتابوں کی صورت میں شائع کی جا سکتی ہیں۔ جو آپ کی زندگی میں تو نہیں ہو سکیں۔ اگر آپ کی اولاد یہ کام کر دے تو خاص طور پر نثری کام ایک عمدہ اضافہ ہو گا۔

جناب عزیز انبالوی جو ضلع انبالہ کی نسبت سے انبالوی لکھتے تھے ورنہ ہجرت سے پہلے ساری زندگی جگادھری میں اور ہجرت کے بعد سرگودھا میں گزاری (خوشاب کے چند دن نکال کر)۔ آپ شریف النفس، تنہائی پسند اور کم گو شخص تھے۔ آخری عمر میں بینائی بہت کم ہو گئی تھی۔ اور لکھا ہوا نہیں پڑھ سکتے تھے۔ آپ نے ۸۱ سال کی عمر میں ۲۴ مئی ۲۰۰۴ء کو سوموار کے دن، سہ روزہ بیماری کے

Marfat.com

بعد سول ہسپتال سرگودھا میں وفات پائی۔

بڑی پر پیچ راہوں سے ہیں اپنے رابطے اب بھی
نظر کے سامنے ہیں کوہِ غم کے سلسلے اب بھی
اگرچہ سوچ کے دریا کا طوفان تھم گیا لیکن
نکلنے ہی نہیں دیتے بھنور کے دائرے اب بھی
وہ آنکھوں کے مکاں میں رہ رہے ہیں ایک مدت سے
سمٹنے میں نہیں آتے دلوں کے فاصلے اب بھی
مرے قلب و جگر سے کھیلتے ہیں کھیلنے والے
مرے خوں کے اڑاتے ہیں فضا میں بلبلے اب بھی
عزیزؔ اہلِ بصیرت نے مجھے دیکھا تو فرمایا
لگے ہیں تیرے دل میں رنج و غم کے جمگھٹے اب بھی ۳۵۵

☆

وابستہ سازِ دل سے ہے سارے جہاں کا رقص
جب دل ہی ٹوٹ جائے تو کیسا کہاں کا رقص
آ تو ہی دیکھ لے مرے دردِ نہاں کا رقص
قابل ہے دیکھنے کے ترے نیم جاں کا رقص
شعلے بھڑک رہے ہیں گلستاں میں آج تک
اک بار ہو گیا تھا جو برقِ تپاں کا رقص
پہلے تو آشیانہ جلا ڈالا برق نے
اب دیکھتی ہے جلتے ہوئے آشیاں کا رقص
اس دردِ دل نے خون کا پانی بنا دیا

Marfat.com

پلکوں پہ دیکھیے مری اشکِ رواں کا رقص
یہ وقت جاں کنی ہے ذرا ٹھہر جائیے
ہونے کو ختم ہے مری عمرِ رواں کا رقص
اک برق سی گرا گیا دل پر مرے عزیزؔ
ہنس ہنس کے، مسکرا کے وہ جادو بیاں کا رقص۵۶؎

مرزا محمد منور

ممتاز ماہر اقبالیات، ادیب، شاعر، ماہرِ تعلیم، دانشور، مزاح نگار، سابق استاد، چیئرمین شعبہ اقبالیات جامعہ پنجاب لاہور، ڈائریکٹر اقبال اکادمی لاہور اور بہت سی کتابوں کے مصنف پروفیسر مرزا محمد منور کی تاریخ پیدائش تاریخ بھیرہ،۵۷؎ ہمارے اہل قلم،۵۸؎ روزنامہ نوائے وقت،۵۹؎ وفیاتِ ناموران پاکستان،۶۰؎ سخنورانِ سرگودھا،۶۱؎ اور نعت گویانِ سرگودھا،۶۲؎ میں ۲۷ مارچ ۱۹۲۷ء درج ہے۔ لیکن اخبارِ اردو،۶۳؎ نے ان سے ہٹ کر ۲۷ مارچ ۱۹۲۳ء کا جو فیصلہ لکھا ہے میرے خیال میں یہ درست ہے۔ کیونکہ پروفیسر محمد منور نے جناب اخلاق عاطف کو ایک خط میں جو تاریخ و مقام پیدائش لکھا ہے وہ ۲۷ مارچ ۱۹۲۳ء۶۴؎ بھیرہ ہے۔ آپ کے والد مرزا ہاشم الدین ایک باعلم اور باعمل شخصیت تھے۔ اِس گھر کا ماحول ایسا تھا کہ گھر میں کتابوں کی، علم کی اور پڑھنے کی باتیں ہر وقت دہرائی جاتی رہتی تھیں۔ اور اس کا اثر تھا کہ ''چار پانچ سال کی عمر میں مرزا محمد منور نے یوسف زلیخا، کونج وچھوڑا، معراج نامہ وغیرہ سن سن کر یاد کر لئے تھے۔ ابھی تیسری جماعت کے طالب علم تھے کہ شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔''۶۵؎ چونکہ پنجابی شاعری آپ کے ذہن میں چپکے چپکے جگہ بنا چکی تھی لہٰذا آپ نے پنجابی میں ہی شعر کہنے کی ابتدا کی۔ جماعت نہم کے امتحان میں ایک مضمون '' تیری غفلت سے چمن وقفِ خزاں ہوتا ہے'' لکھنا تھا۔ آپ نے مقررہ وقت میں تمام سوالات کے جوابات بھی دیئے اور دو صفحے کا یہ مضمون نظم میں لکھا۔

Marfat.com

مرزا محمد منور نے چھ سال کی عمر میں مولانا ظفر علی خان کی تقریر سنی تو تمام عمر اُن کے کہے پر عمل کرتے گزار دی۔ علامہ اقبال کو پڑھا تو انہیں پڑھتے ہی رہے اور فرصت ملی تو لکھنا بھی شروع کر دیا۔ یوں آپ نے سکول کے زمانے سے مضامین وغیرہ لکھنے شروع کر دیئے تھے لیکن باقاعدہ اس میدان میں داخلہ ایم اے کی کلاسز کے دوران ہوا۔ آپ علامہ اقبال کے علاوہ قائداعظم کے بھی بڑے مداح تھے اور گھنٹوں اُن پر بلا تھکن بولا کرتے تھے۔ پاکستانیت آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ ایسی جامع العلوم شخصیت تھے کہ ان کے ہم عصر ان کی فکر یا سوچ اور علم تک نہیں پہنچ سکتے۔ وہ شعروادب، تاریخ وتہذیب، فلسفہ، فکر، تصوف، سیاست، تفسیر، پاکستانیت، اقبالیات، وغیرہ پر بہت گہری نظر رکھتے تھے۔

بہرحال اقبال شناسی میں اُن کی ادبی حیثیت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ ڈاکٹر محمد صدیق شبلی کا یہ کہنا حرف بہ حرف صحیح ہے کہ:

> ''مرزا صاحب کی تمام علمی حیثیتیں اپنی اپنی جگہ مسلم ہیں لیکن ان کی غالب حیثیت بطور اقبال شناس ہی ہے انہوں نے اپنی بیشتر توانائیاں فکر اقبال کو عام کرنے میں صرف کی ہیں۔ اس موضوع پر اردو، انگریزی اور تراجم کی شکل میں فارسی میں متعدد مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ انہوں نے اقبال کا مطالعہ فکرِ اسلام کے وسیع تناظر میں ذہنِ مستقیم اور قلب مسلم کے ساتھ کیا ہے اور اسلام کو درپیش مسائل کا حل بھی فکرِ اقبال کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ وہ اقبال کو حالاتِ حاضرہ سے مربوط رکھتے ہیں اور اسی طرح اس کی تازگی کو برقرار رکھتے ہیں۔ مرزا صاحب اقبال سے ساتھ حد درجہ عقیدت رکھتے تھے۔ میں ۴۸ سال ان کی خدمت میں رہا لیکن ایک بار بھی انہیں اقبال کہتے نہیں سُنا وہ عام طور پر حضرت علامہ اقبال کہتے یا حضرت علامہ''[۲۶]

پروفیسر محمد منور نے ۱۹۵۰ء میں ایم اے اردو، ۱۹۵۳ء میں ایم اے عربی اور ۱۹۶۷ء میں

ایم اے فلسفہ کی ڈگریاں حاصل کی تھیں جبکہ آپ کو اردو، عربی، فارسی، انگریزی اور پنجابی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ اور ان زبانوں میں لکھا کرتے تھے۔ آپ کی جو تصانیف منظرِ عام پر آئیں اُن میں سے چند ایک کے نام ہیں۔

(۱)۔ برہانِ اقبال (۲)۔ میزانِ اقبال (۳)۔ ایقانِ اقبال (۴)۔ دیوار برہمن

(۵)۔ حصارِ اسلام (۶)۔ علامہ اقبال کی فارسی غزل (۷)۔ مشاہدہ حق کی گفتگو

(۸)۔ قرطاسِ اقبال (۹)۔ ہندو ذہنیت (۱۰)۔ الاخبار الطوال (ترجمہ)

(۱۱)۔ الفتنہ الکبرٰی (ترجمہ) (۱۲)۔ اولادِ آدم (مزاحیہ مضامین) (۱۳)۔ انتخاب غزلِ آتش

(۱۴)۔ سیاست نامہ نظام الملک طوسی (ترجمہ) (۱۵)۔ تین مسلمان فیلسوف (ترجمہ)

(۱۶)۔ غبارِ تمنا (شعری مجموعہ) (۱۷) تحریک پاکستان: تاریخی خدوخال

(۱۸)۔ پاکستان: حصارِ اسلام (۱۹)۔ انتخاب کلیاتِ آتش معہ مقدمہ

(۱۹)۔ انتخاب کلیاتِ آتش معہ مقدمہ (۲۰) ادیب (ترجمہ)

Dimension of Iqbal(۲۱)

Iqbal Poet Philospher of Islam(۲۲)

Dimension of Pakistan Movement(۲۳)

Iqbal and Quranic Wisdom(۲۴)

Iqbal on Human Perfection. (۲۵)

کتابچے

۱۔ دیوار برلن اور دیوار برہمن

۲۔ بابری مسجد

۳۔ دفاعِ پاکستان اور ہندو مسلم مفاہمت

۴۔ تحریکِ پاکستان اور خالصہ سیاست

۵۔ بندے ماترم کا شاخسانہ

۶۔ ہندو معاشرے میں اچھوتوں کا حالِ زار

۷۔ ہندو ذہن

۸۔ نظریۂ پاکستان کا ارتقاء

Marfat.com

۹۔Hindu Mentality ۱۰۔The Sikh

وہ کتب جو مسودوں کی صورت موجود تھیں

۱۔تجزیے اور جائزے (تنقیدی ادبی مضامین) ۲۔کرم فرما (احباب کی شخصیات)

۳۔حفیظ جالندھری (فن اور شخصیت) ۴۔حمید نظامی

۵۔انتخاب کلامِ بیدل ۶۔تاریخِ اسلام اور اخلاقیات کے موضوع پر مقالات

۷۔تحریکِ پاکستان اور معاشرتی احوال پر مبنی مضامین

۸۔تحریکِ پاکستان اور دیگر موضوعات (انگریزی میں مضامین)

۹۔غالب کی فارسی غزل

منور مرزا کو ان کی علمی و ادبی خدمات پر کئی اعزازات سے نوازا گیا۔ ستارہ امتیاز اور قومی اقبال ایوارڈ بھی آپ کے حصے میں آئے۔

آپ کی وفات کے بارے میں بھی دو تاریخیں سامنے آئیں۔ ماہنامہ اخبارِ اردو نے ۲فروری ۲۰۰۰ء،۶۷؎ وفات کی تاریخ لکھی ہے جبکہ ماہنامہ سیارہ نے ۷فروری۔۶۸؎ رقم کی ہے اور سات فروری اس لئے درست تسلیم کی جاسکتی ہے کہ ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ ۶۹؎ نے یہی تاریخ روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی کی ۸فروری ۲۰۰۰ء کے اخبار سے نقل کی ہے۔ جو صاف ظاہر ہے کہ وفات کے دوسرے دن ہی اخبار میں شائع ہوئی تھی۔

مرزا محمد منور کی شاعری کا اگرچہ صرف ایک مجموعہ شائع ہوا ہے لیکن اُن کا کلام رسائل و جرائد میں اتنا بکھرا پڑا ہے کہ اُسے یکجا کر کے منظرِ عام پر لانے کی ضرورت ہے۔

کس کس کے لئے جانئے کس کس نے دُعا کی آجاتی ہے آخر گھڑی پاداش و سزا کی
جب ضرب لگاتی ہے دکھائی نہیں دیتی آواز بھی ہوتی نہیں لاٹھی میں خدا کی
ہو جب بھی پکڑ ہے میرے مولا کی بڑی سخت تنبیہ قدیمی ہے یہ قرطاسِ بدی کی
ذروں میں بکھر جاتی ہے بندوں کی خدائی نمرود بھی خاکی ہے تو فرعون بھی خاکی!

Marfat.com

جب تک نہ مدد خاکِ لحد کی ہو میسر بھرتی ہی نہیں آنکھ کبھی حرص و ہوا کی
اک ذرۂ زر کے لئے چاہے جو زمیں کو وہ لالچی کیا جانے ہے کیا آن انا کی
اک بازی عجب اہلِ خیانت نے جمائی جو حق کی ہے دشمن تو عدو صدق و صفا کی
اس طرح کی نکبت سے خداوند بچائے جب وارثِ قرآں ہی سے قرآن ہو شاکی
ہر دیدۂ اربابِ یقیں دیکھ رہا ہے لاتی ہے ابھی مژدہ کوئی موج ہوا کی
ایماں کے سوا منزلِ ایماں کا خضر کون
بیشک کسی انساں میں ذہانت ہو بلا کی ۱۹۷۰ء

قطعات

زیست کا ذوق رکھنے والوں کو حسرت آشامیوں نے مار دیا
عاقلوں کو بنا کے دیوانہ عقل کے حامیوں نے مار دیا
سوزِ غم حاصلِ حیات سہی ہاں یہی میری کائنات سہی
مسکراؤں تو دل سے کہتا ہوں یہ بھی مجبوریٔ حیات سہی

O

بے صدا دل نظر اداس اداس اک سکوں ہے مگر اداس اداس
ولولہ ماند راہ بے پایاں زندگی کا سفر اداس اداس

O

آرزو سے ہے گرمیٔ خاطر آرزو ہے چراغ سینے کا
آرزو خام ہی سہی اے دوست
آرزو آسرا ہے جینے کا ۱۹۷۲ء

☆

Marfat.com

سید محمد حسین نیلوی

سید محمد حسین ولد سید گل محمد ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء کو بمقام نیلہ ضلع جہلم (حال ضلع چکوال) میں پیدا ہوئے۔ آپ نے دینی تعلیم اپنے چچا مولانا سید محمد شاہ جہلمیؒ کے علاوہ مولانا ولی محمد انھی شریف اور مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی سے حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ امینیہ دہلی میں سات سال پڑھایا۔ اس دوران مطالعہ کے علاوہ فتویٰ نویسی، تجوید وقرأت اور کتابت کا فن بھی سیکھا۔ آپ کی شادی بھی وہیں ہوئی۔ آپ کی پہلی کتاب ''انوار المطالع'' ۱۹۴۰ء میں شائع ہوئی۔ اسی طرح صرف، نحو، منطق، میراث، معانی، اور عقائد کے شجرہ جات بھی دہلی میں شائع ہوئے۔ آپ اپنی کتابوں کی کتابت بھی خود کیا کرتے۔ اتفاقاً ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کو جب تراویح میں قرآن مجید ختم کر چکے تھے اسی روز پاکستان معرض وجود میں آیا۔ آپ پندرہ دن کی چھٹی پر بھگوال (ضلع جہلم) عید ملنے آئے اور واپس نہ جاسکے۔ آپ کے سسر حافظ محمد حسین قریشی کا دہلی سے میانوالی تبادلہ ہو چکا تھا۔ جن کی کوشش سے گورنمنٹ ہائی سکول موچھ میانوالی میں عربی ٹیچر ہو گئے۔ سات سال کے بعد اپنے استاد اور چچا مولانا سید محمد شاہ جہلمی کے حکم پر سکول چھوڑ کر کچھ عرصہ اشرف المدارس لائلپور، اور مدرسہ سراج العلوم سرگودھا میں تدریسی خدمات انجام دیں اور پھر مدرسہ دار الہدیٰ چوکیرہ (ضلع سرگودھا) چلے گئے۔ جہاں گیارہ سال تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۶۵ء میں دوبارا سرگودھا شہر میں آ گئے۔ اب آپ بمعہ اہل وعیال سرگودھا میں منتقل ہوئے۔ اور جامعہ ضیاء العلوم میں عرصہ ۳۸ سال تک شیخ التفسیر والحدیث اور مفتی کے مناصب پر فائز رہے۔

مولانا سید محمد حسین نیلوی نے سو سے زائد کتب تحریر کیں۔ جن میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں:

انوار المطالع، فیض المغیث فی اصول الحدیث، فتح الرحمان فی قیامِ رمضان، شفاء الصدور (عربی)، رق منشور فی احکام الموتیٰ والقبور، ندائے حق (تین جلد)، تبیین القرآن (قرآن مجید کا

Marfat.com

مربوط وتشریحی ترجمہ۔کل چار حصے)،مرآۃ القرآن(مضامین قرآن کی فہرست)،خلاصۃ البیان من کلام الرحمن،مواہب رحمانی در مسائلِ قربانی،تفسیر بدرِ منیر بر حاشیہ تفسیر بے نظیر،الفجر المستطیر،الادلتہ المنصوصہ فی صفات اللہ المخصومہ،الکلمات الصادقہ فی حکم الزنادقہ،الصراط المستقیم،اعدل الکلام فی حکم الفاتحہ خلف الامام،خیر الکلام فی تقبیل الابہام،ردِ منکرات حیات الاموات،القول المرعی فی القبر الشرعی،القول الاتم فی حیات عیسیٰ ابن مریم،قدرت الرب فی ولادت عیسیٰ من غیراب۔۔عید میلادالنبیؐ کی شرعی حیثیت،معراج النبیؐ قرآن وحدیث کی روشنی میں،المعارف فی تحریم المزامیرو المعارف،الرائی الصائب فی الصلوۃ علی الغائب،عقدالعقیان فی عنق جواہرالقرآن،التعبیر لمن اجاز التصویر،عورتوں کا سر کے بال کٹوانا،کلمہ طیبہ اور نماز کا تشریحی ترجمہ،رسالہ درودوسلام،رفع الاشتباہ عن آیتہ ،مااہل بہ لغیر اللہ،غسلِ رجلین،حق الاظہار فی تحقیق معنی اشغار،اظہار الزین فی المصافحتہ بالیدین،عورت کی سربراہی،الکیسہ فی تحقیقات النفیسہ،شفاء العی فی بیان خبر من صلِ علیٰ،رسالہ بشریت نبوی،فی المستغاث فی حکم الطلقات الثلاث،القائض فی الدعاء بعد الفرائض،الطیب الکلام فی نکاح یوسف۔وغیرہ۔

آپ کی غیر مطبوعہ کتب کی تعداد بھی درجنوں کے حساب سے ہے جن میں سے چند ایک کے نام ملاحظہ ہوں:

نظم اللغات فی مسلک الابیات(عربی اردو منظوم لغت)،ظریف اللغات،وفیات المشاہیر،الاظہار الناظرہ فی فروق المتناثرہ۔۔القائد فی العقائد(عربی)تفسیر تسہیل التنزیل۔۔فتح المغیث شرح تحریراتِ حدیث،تحقیق معانی القرآن،دفع اوہام الباطلہ،ردمذاہب باطلہ،مناسک حج، فتاویٰ حسینیہ۔۲۷ع

"ردمذاہب باطلہ کے موضوع پر آپ کی ایک تقریر اور بعض غیر مرتب یادداشتیں"مظلوم شہیدِ کربلا۔امام نافی الدین سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ" کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوئی۔جس میں کمپوزر کے

Marfat.com

سہو وتساہل کو ان کے سر دے دیا گیا۔ اور انہیں حضرت امام حسینؓ کی شان میں بے ادبی کا مرتکب قرار دے کر کتاب ضبط کر لی گئی اور آپ کو مع مرتب و ناشر جو کہ آپ کے بیٹے (مولانا حافظ سید احمد حسن واسطی) ہیں کے ساڑھے چار سال قید کی سزا ہوئی۔ انہیں سرگودھا جیل اور بعد ازاں اڈیالہ جیل (راولپنڈی) میں قید رکھا گیا۔ جہاں ۲۰ محرم ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۸ فروری ۲۰۰۶ء کو دورانِ قید ہی بیماری کی حالت میں سول ہسپتال راولپنڈی میں زیرِ علاج ہونے کی صورت میں وفات پائی۔ آپ کی نمازِ جنازہ دارالعلوم تعلیم القرآن راجا بازار راولپنڈی میں پڑھی گئی۔ جس میں ملک بھر سے آپ کے ہزاروں معتقدین اور شاگردوں کے علاوہ کثیر تعداد میں علماء و مشائخ نے شرکت کی اور وہیں عیدگاہ قبرستان میں مدفون ہوئے"۔ ۳۰۲

آپ کے بیٹے سید محمد حسن واسطی نے تاریخ وفات لکھی۔

نیلوی شہ خادم الوحیین مفتی باعمل
چل دیئے دارالبقا کو چھوڑ کر دارالعمل
فروری کی تھی اٹھارہ (۱۸) عیسوی سن تھا وہ چھے (۲۰۰۶ء)
اور محرم کی تھی بیس ہجری ستائیس (۱۴۲۷ھ) سن بنے
درمیانی رات تھی وہ ہفتہ و اتوار کی
توڑ کر زنجیرِ ظالم روح نے پرواز کی
جیل سے اٹھا جنازہ شاہ جی کا جس گھڑی
دائیں بائیں ساری خلقت ایک دم سے رو پڑی
تھا جنازہ آپ کا مسجد غلام اللہ میں

Marfat.com

دین کی خاطر ہی دی ہے جاں خدا کی راہ میں ؎

مولانا سید محمد حسین نیلوی نے عربی، اردو، فارسی میں بہت کچھ لکھا۔ جن میں منظوم کتب بھی شامل ہیں ان میں سے ایک طویل نظم شانِ صحابہ کرامؓ سے چند اشعار اور بعد ازاں ''سبحان اللہ تعالیٰ کے تشریحی معنی حاضر ہیں۔

شانِ صحابہ کرامؓ (سے اقتباس)

نبیؐ سورج صحابہ سب ستارے
وہ ہادی رہنما رہبر ہمارے

اٹھائیں دین کی خاطر تکالیف
نہ تھی مقصود ان کو اپنی تعریف

چلے پیدل تو کی دیں کی اشاعت
پہاڑوں کی اٹھائی سب نے کلفت

سمندر اور دریا اور جنگل
سفر دشوار کرتے تھے وہ چل چل

منادی دین کی، کی کونے کونے
چلے آئے وہ مسلم تھے جو ہونے

نہ تھا ان میں ریا، بخل و تکبر
نہ تھا کینہ عداوت اور تہور

صحابہ سب ہدایت یافتہ تھے
وہ اقلیمِ ہدیٰ کے بادشہ تھے

حقیقی متبع تھے وہ مصطفیٰؐ کے
جو دیکھا وہ بنا، معمول لیتے !

امین و صادق و معیارِ حق تھے
وہ راشد، مومن و مختارِ حق تھے

شہید و صالح و صدیق ان میں
نہ تھا مرتد نہ تھا زندیق اُن میں

خدا نے اُن کے ایمان و وفا کی
شہادت دی قسم مجھ کو خدا کی

رسول اللہ کے ایسے ہیں اصحابؓ
جنہیں رب نے دیئے ہیں اونچے القاب

قرآں میں ''مومنین حقا'' کہا ہے
لقب ''خیرالبریہ'' کا دیا ہے

کہا ''خیرالامم'' اور ''متقیں'' بھی
''مصلیں'' ''صابریں'' و صادقیں'' بھی

خدا نے ''فائزیں'' ان کو کہا ہے
خدا نے ''راشدیں'' اُن کو کہا ہے

کہا ''مستغفریں'' و ''قانتیں'' بھی
''مزکیں'' ''خاشعین'' و ''صائمیں'' بھی

Marfat.com

قسم، رب نے ہے قرآں میں اٹھائی — صحابہ کی خطا ہر ہر مٹائی
خدائے پاک کے ہیں سب پیارے — ہیں "حق کل یار" حزب اللہ سارے ۵ے۷

سبحان اللہ تعالیٰ کے تشریحی معنی

اونگھ، غفلت، نیند، جہل و سہو، نسیان و خطا
ظلم و کذب و عہد شکنی، انکساری و بداء
بخل و حسرت، فقرومکر و مسخری، ٹھٹھا، حیا
نیز بیماری، پریشانی سے ذاتِ کبریا
والدین، اولاد، جورو، اور وزیروں سے ہے پاک
رشتہ، ناتا، احتیاجی، اور ظہیروں سے ہے پاک
ہے شریکوں سے، معینوں سے، نظیروں سے بھی پاک
منشیوں سے اور وکیلوں سے، مشیروں سے بھی پاک
خورد و نوش و حرص و لالچ، جلد بازی سے بھی پاک
عجز و موت و خوف و سستی، عشق بازی سے بھی پاک
دکھیا ہونے، دھوکا کھانے اور ندامت سے بھی پاک
گمرہی، مغلوبی، غالب کی شفاعت سے بھی پاک
وہ نہیں ہے عرض و جوہر، جسم اور محدود بھی
پاک ہے ہر عیب سے سبحانہٗ رب النبیؐ ۷۶ے

صاحبزادہ رفعت سلطان

خانوادہ حضرت سلطان باہوؒ کے چشم و چراغ صاحبزادہ رفعت سلطان یکم مارچ ۱۹۲۴ء کو دربار حضرت سلطان باہو ضلع جھنگ کے مقام پر صاحبزادہ سلطان احمد بخش کے ہاں پیدا ہوئے۔ بی

Marfat.com

اے تک تعلیم حاصل کی اور ۱۹۵۲ء میں ملازمت اختیار کرلی۔ ۲۸ سال تک اس خدمت پر مامور ہے اور پھر ۱۹۸۰ء میں ڈسٹرکٹ فوڈ کنٹرولر تھے جب کہ ریٹائرمنٹ لے لی اور جھنگ میں رہائش اختیار کی۔ ملازمت کے دوران تین سال تک فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں سرگودھا میں مقیم رہے۔ آپ کے بھائی عاقل شاہ تحصیل شاہ پور میں رہائش پذیر تھے۔ وہ یہیں فوت ہوئے صاحبزادہ رفعت سلطان کی اکلوتی بیٹی کی شادی عاقل شاہ میں ہی ہوئی تھی۔ لہٰذا آپ نے ۲۸ دسمبر ۲۰۰۷ء بروز جمعہ کو جب وفات پائی تو آپ کے دوہتے صاحبزادہ ثمن سلطان آپ کی میت جھنگ سے عاقل شاہ لائے اور اُسی دن عشا کے وقت تدفین ہوئی۔

صاحبزادہ سلطان احمد المعروف رفعت سلطان نے ۱۹۴۰ء میں شعر کہنا شروع کیا اور سڑسٹھ سال تک اس ذوقِ شعروسخن میں مصروف رہے۔ اس دوران آپ کے کئی شعری مجموعے شائع ہوئے۔ جن میں ایمن، آواز، اظہار، انداز، آفاق، الفاظ، ارمان، انتخاب اور التماس شامل ہیں۔ آپ کے تمام شعری مجموعوں کے نام الف کے حرف سے شروع ہوتے ہیں اور الف کا مفہوم کسی نے پوچھنا ہو تو منصور حلاج سے پوچھے۔ جس نے الف پڑھنے کے بعد ب پڑھنے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن یہاں یہ تمام نام اپنے جدِ امجد حضرت سلطان باہوؒ کے مصراع: ع ''الف اللہ چنبے دی بوٹی میرے من وچ مرشد لائی ہو'' کی نسبت سے ہیں۔

خیرالدین انصاری نے پوری ذمہ داری سے جناب رفعت سلطان کی غزل کو اردو ادب میں نہایت دلکش اور دلپذیر اضافہ لکھا ہے۔ اُن کا کہنا ہے:

> ''جہاں رفعت سلطان کی غزل کے بارے میں اتنی خوبصورت اور حوصلہ افزا آراء ملتی ہیں وہاں نجی محفلوں میں اُن کے خلاف باتیں بھی سنی جاتی ہیں۔ کسی کو اس کے شخصی رویوں پر اعتراض ہے اور کسی کے نزدیک اس کے شعر میں فکری گہرائی نہیں ہوتی۔ جہاں تک اس کی ذات کا تعلق ہے میں اس کا جواب دینے کا حق نہیں رکھتا لیکن جہاں تک اس کے شعر میں فکری عنصر

Marfat.com

کی موجودگی کا تعلق ہے اس کے بارے میں صرف اتنا کہوں گا کہ وہ میر کے اسلوبِ سخن کو پسند کرتا ہے۔ جس طرح میر کے ہاں فکری عنصر موجود ہے اُسی طرح رفعت سلطان کے ہاں فکر کی گہرائی موجود ہے۔ نیز عصری حسیت بھی اُس کے ہاں ملتی ہے۔ رفعت سلطان بڑے لوگوں کو خوش کرنے کے لیے شعر نہیں کہتا اُس کی نگاہ میں ہمیشہ وہ لوگ رہتے ہیں جن سے زندگی اچھا سلوک نہیں کرتی۔'' ۷۷؎

کیا خبر اُن کو جو بیٹھے ہیں گھنی چھاؤں میں　　کس قدر گرم ہوا چلتی ہے صحراؤں میں
سبز کھیتوں کی جگہ دھول ہے تاحدِ نظر　　اور پہلی سی روانی بھی ہے دریاؤں میں
واپس آیا تو بہت دور سے دیکھا میں نے　　ہر طرف آگ کے شعلے تھے مرے گاؤں میں
اٹھ کہ اب وعدۂ فردا پہ یقیں باطل ہے　　توڑ دے جو بھی ہے زنجیر ترے پاؤں میں
اب تو ہر صاحب زر یوسفِ کنعاں کہلائے　　اب کہاں حسن کی توقیر زلیخاؤں میں
یہ مرا حسنِ سماعت ہی تو ہے ربِ حرم　　گونجتی ہے تری آواز کلیساؤں میں
گرنے والا ہی نہ ہو خاک پہ ہر کاخِ بلند
ذکر آیا ہے غلاموں کا جو آقاؤں میں ۷۸؎

☆

سو پشت سے فقیر ہوں یہ جانتے ہیں لوگ　　میں آج بھی امیر ہوں یہ جانتے ہیں لوگ
مرعوب کر سکا نہ مجھے کوئی آج تک　　میں صاحب ضمیر ہوں یہ جانتے ہیں لوگ
دولت مری نگاہوں میں کمتر ہے خاک سے　　اخلاص کا اسیر ہوں یہ جانتے ہیں لوگ
جھک کر سلام کرتا ہے سورج مجھے تو کیا　　میں ذرۂ حقیر ہوں یہ جانتے ہیں لوگ
میں نے کبھی کسی کا سہارا نہیں لیا　　آپ اپنا دستگیر ہوں یہ جانتے ہیں لوگ
میں نے محبتوں کے خزانے لٹا دیے　　میں کس قدر امیر ہوں یہ جانتے ہیں لوگ

Marfat.com

میں کہہ رہا ہوں عہد مسرت قریب ہے　　میں وقت کا بشیر ہوں یہ جانتے ہیں لوگ

رفعت ہے قتلِ نوعِ بشر منصب یہود

میں امن کا سفیر ہوں یہ جانتے ہیں لوگ ۷۹؎

سید مہدی مدنی

اردو زبان میں ماہیا کا باقاعدہ کتابچہ (کتاب) جو شائع ہوا وہ مسعود ہاشمی (راولپنڈی) کا ''ساقیا'' ۸۰؎ ہے اس کتابچے میں ۹۷ ماہیے شامل ہیں۔ دوسری کتاب یا کتابچہ بعنوان ''اردو ماہیا'' ۸۱؎ سید مہدی مدنی کا ہے لیکن ماہیا کے محققین کو آج تک اسے تلاش کرنے کی نہ ہمت ہوئی نہ توفیق۔

''ساقیا'' پر بہت سے مضامین لکھے گئے شاید وجہ یہ ہو کہ مسعود ہاشمی نے اسے سہ مصرعی ہئیت میں دوبارہ پیش کیا اور اوریجنل کاپی جو ڈیڑھ مصرعی ہیئت میں تھی اُسے چھپا دیا۔ جبکہ مہدی مدنی کے ''اردو ماہیا'' کی ہیئت ڈیڑھ مصرعی برقرار ہے۔ اس میں اگرچہ پورا سو ماہیا ہے لیکن چونکہ ماہیا کے اجارہ دار سہ مصرعی ہیئت کے فروغ میں مصروف ہیں اس لئے ادھر توجہ دینا گوارا نہ کیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے پاس ''اردو ماہیا'' کی کاپی ہے بھی سہی تو وہ سانپ بنے بیٹھے ہیں۔ بہر حال یہ تو چلتے چلتے بات نکل آئی۔ کیونکہ یہ ایک الگ موضوع ہے۔ اصل۔۔۔ بتانا تو یہ ہے کہ

> ''مہدی مدنی کا اصل نام سید غلام حسین ہے۔ آپ سید فرزند علی کے ہاں ۱۹ ستمبر ۱۹۲۵ کو چک نمبر ۱۰۔ ایم ایل (مین لائن) تحصیل بھلوال میں پیدا ہوئے۔ جماعت ششم تک اپنے گاؤں سے تعلیم حاصل کی۔ اور پھر بھلوال میں داخلہ لیا۔ دسمبر ۱۹۴۳ء میں والد کی وفات پر ساتویں جماعت سے ہی سکول چھوڑنا پڑا اور زمینداری شروع کر دی''۔ ۸۲؎

سید مہدی مدنی اگرچہ زمینداری کر رہے تھے۔ لیکن اُن کا مطالعہ کا شوق ماند نہیں پڑا تھا۔ انہوں نے اپنی ذاتی لائبریری بنا رکھی تھی۔ پھر پڑھے لکھے لوگوں سے تعلقات تھے۔ جن سے بہت

Marfat.com

کچھ سیکھنے کی کوشش کرتے۔تاریخ سے بھی آپ کو واقفیت تھی۔مطالعہ کے علاوہ گاؤں میں جو کھیل ہوتے ہیں اُن میں بھی دلچسپی لیتے تھے۔جن میں والی بال، کبڈی، گھڑ سواری ان کے مشاغل تھے۔حاجی شاہ سلطان (ہچکے والی) کی ایک نیزہ بازی کی ٹیم تھی۔جو ایک کلب کی صورت میں تھی۔ اس کلب کا نام شاہین حیدر یہ کلب تھا اور مہدی مدنی اس کے جنرل سیکرٹری تھے۔آپ کے دو بیٹے ہیں۔بڑے بیٹے اختر حسین جو درویشانہ اور فقیری لائین اختیار کر چکے ہیں اور لاہور میں مقیم ہیں۔ چھوٹے بیٹے ظفر گل ہیں۔جسے سید مہدی مدنی نے سرگودھا شہر میں الیکٹرونک اشیاء کی ایک دوکان بنا دی تھی اسے وہ ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۶ء تک چلاتے رہے۔مہدی مدنی نے بھی اس دوران زمین بیچ دی اور سرگودھا منتقل ہو گئے تھے جہاں آپ نے اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں شعری حوالے سے نام کمایا۔انہیں دنوں میں ابیاتِ مدنی (پنجابی)۔بارہ ماہ مہدی (پنجابی) اور اردو ماہیا (اردو) آپ کے مجموعے شائع ہوئے۔

> ''۲ جنوری ۱۹۸۵ء کو آپ اپنے ایک دوست حکیم ہمدانی کے ہاں ملکوال میں مقیم تھے کہ وہیں ۳ جنوری کو یعنی دوسرے دن آپ کی موت واقع ہوئی۔آپ کے خالہ زاد بھائی محمد یوسف بھی ملکوال میں مقیم تھے۔آپ کی میت کو وہ اپنے گاؤں ۱۰۱ ایم ایل میں لائے اور ۴ جنوری کو دفن کیا گیا۔'' [۳۸۲]

سید مہدی مدنی کے بارے مشہور ہے کہ بہت حاضر جواب تھے۔پھبتی کہنے میں مہارت رکھتے تھے۔پنجابی اور اردو دونوں زبانوں میں اپنے احساسات اور جذبات کے بڑے سادہ انداز میں اظہار کا بھی انہیں ملکہ تھا۔شوکت راز اُن کے گہرے دوست تھے جب اُن سے بات ہوئی تو کہنے لگے:

> ''سید مہدی مدنی محفل کا آدمی تھا۔دوستوں کا دوست تھا۔جس محفل میں ہوتا وہ زعفران زار بن جاتی۔گفتگو میں بھی برجستگی تھی۔بذلہ سنج شخصیت تھے۔لطیفے انہیں بہت زیادہ یاد تھے۔مشاعرہ میں ترنم سے پڑھتے۔ چونکہ عوامی شاعر تھے اس لئے انہیں محبت اور پیار سے سنا جاتا تھا۔وہ حسین

Marfat.com

و جمیل الفاظ میں بات کرتے اُن کے لہجہ میں نشتر کی چبھن اور تلوار کی کاٹ تھی۔۔

باغباں مل کر باہم سرگوشیاں کرتے رہے — اور گلچیں باغ میں من مانیاں کرتے رہے
بے مثال ایسی کوئی تاریخِ انسانی کے پاس — جو کرم ہم پر ہمارے مہرباں کرتے رہے" ۸۴؎

مہدی مدنی کے عوامی پن کی ایک مثال اُن کی اردو میں ماہیا نگاری ہے جسے انہوں نے لوک صنف کے طور پر متعارف کرایا۔

جب باد صبا آئی — بسری ہوئی کچھ یادیں وہ ساتھ اٹھا لائی
جب زلف کو سرکایا — تب کالی گھٹاؤں سے اک چاند نکل آیا
ہم اشک جو پی لیتے — رسوائی سے بچ جاتے آرام سے جی لیتے
گر آپ چلے آتے — بگڑے ہوئے بھی میرے حالات سنور جاتے
جب یاد وہ آتے ہیں — ارمان مچلتے ہیں ہم اشک بہاتے ہیں
چہرے پہ نکھار آیا — دل والوں کی دنیا میں اپنا بھی شمار آیا ۸۵؎

غزل

حقیقت اپنی جب تک اس سے پہچانی نہیں جاتی — یقیناً تب تلک انساں کی ارزانی نہیں جاتی
تمھاری بزم میں اک شب تمھیں دزدیدہ دیکھا تھا — نظر کا جرم ہے دل کی پشیمانی نہیں جاتی
اسے تضحیک سمجھوں طنز سمجھوں یا کرم سمجھوں — تمھاری مسکراہٹ مجھ سے پہچانی نہیں جاتی
گلستاں ہو کہ ویرانہ قفس ہو دام ہو یارو — مگر رنگیں نواؤں کی خوش الحانی نہیں جاتی
غزالوں اور دیوانوں نے رونق بخش دی ان کو — سُنا کرتے تھے صحراؤں کی ویرانی نہیں جاتی

غم و آلام میں محصور ہے مدنی مگر پھر بھی
جب آ جاتا ہے محفل میں دُر افشانی نہیں جاتی ۸۶؎

☆

Marfat.com

انور حیدری

ادبی دنیا کے انور حیدری طب کے میدان میں اپنے اصل نام سید منور حسین سے پہچانے جاتے تھے۔ آپ ۸ جنوری ۱۹۲۶ء کو دوساہا ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے شہر سے حاصل کی کچھ عرصہ لکھنؤ میں زیرِ تعلیم رہے اور پھر لاہور سے طب کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد نوجوانی میں ہی پریکٹس شروع کر دی۔ آخر کار سرگودھا میں اقامت اختیار کی اور بلاک نمبر ۲۳ میں ''سادات بیت الشفاء'' کے نام سے اپنا مطب بنایا۔

اوائل عمری میں ہی آپ نے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ عاشقِ اہلِ بیت ہونے کی وجہ سے اُن کے کلام میں سلام اور مرثیہ بہ نسبت دیگر اصنافِ فکر سے زائد ہے۔ لیکن آپ نے حمد، نعت اور غزل بھی کہی۔ آپ کے سلام پڑھنے کا انداز بھی بقول ہارون الرشید تبسم اپنے ہم عصر شعراء سے منفرد تھا۔ محافلِ نعت اور محافلِ مسالمہ میں باقاعدگی سے شریک ہوتے تھے۔ پروفیسر ہارون الرشید تبسم کا کہنا ہے کہ

> ''انور حیدری کے کئی مریض اُن کے روحانی کلام سے ہی صحت یاب ہو جایا کرتے تھے۔ جن احباب نے انہیں نہیں دیکھا وہ چشمِ تصور سے اُن کی شخصیت کا احاطہ یوں کر سکتے ہیں کہ وہ شاعرِ اہلِ بیت اور محبت کا برگد تھے۔ مسکرانا، سنجیدہ ہونا، پُرنم ہونا، حیران ہونا اور دوسروں کے لئے بے چین ہونا کوئی اُن سے سیکھے۔'' ۲۸۷

انور حیدری بڑی شستہ زبان استعمال کرتے تھے۔ روایات کے پابند تھے اور کلام میں پختگی تھی۔ سرگودھا کی ادبی محافل میں شرکت کرتے تھے۔ فی البدیہہ بھی کہتے تھے۔ اُن کی غزل میں بھی رثائی رنگ پایا جاتا تھا۔ آپ نے ۱۹۸۵ء میں وفات پائی اور دوستوں کا ایک بہت بڑا حلقہ پیچھے چھوڑ گئے جن میں سے اکثریت ایک ایک کر کے وہیں چلی گئی ہے جہاں وہ گئے۔

رکھی ہے برق پر بنیاد آشیانے کی   میں خود جلوں گا نہ کوشش کرو جلانے کی

Marfat.com

تمہارے نام کی تاثیر کا ہے یہ اعجاز — بڑھی ہے اور بھی شہرت میرے فسانے کی
کسی کے جور و تغافل کا کیا گلہ کیجیے — فلک نے ٹھان ہی لی ہے ہمیں ستانے کی
فضول آپ نے اس کو مَسل کے پھینک دیا — کلی سے خو نہ گئی پھر بھی مسکرانے کی

طفیلِ نسبتِ حضرات پنج تن انوؔر
مٹا سکیں نہ مجھے گردشیں زمانے کی ۳۸۸

☆

تری طلب کے سوا کوئی آرزو نہ رہی — سوائے تیرے ہمیں کوئی جستجو نہ رہی
ریاضِ دہر میں اک مردِ حق کی آمد سے — شکوہِ محفلِ باطل کی آبرو نہ رہی
جمالِ یار میں جب سے ہوئے ہیں غوطہ زن — نظر میں رونقِ ایوانِ رنگ و بو نہ رہی
ہمیں تھے باعثِ توقیرِ محفلِ رنداں — ہمارے بعد خمستاں میں ہاؤ ہو نہ رہی
ہمارے دم سے ہی تھا حسن تیری محفل میں — ہمارے بعد تیری بزم خوبرو نہ رہی
بجا ہے خون تیرا پاک و صاف ہے واعظ — تیرے لہو میں مگر سرخیٔ لہو نہ رہی

مکانِ دل میں اُسے دیکھ کر مکیں انوؔر
نظر میں منظرِ تفریقِ ماؤ تو نہ رہی ۳۸۹

راجن ادیب

خواجہ محمد بشیر نام اور راجن تخلص ہے جبکہ راجن ادیب قلمی نام ہے۔ لیکن بشیر راجن ادیب بھی کبھی کبھی لکھا کرتے تھے۔ آپ کی قبر پر جو کتبہ لگا ہے۔ اُس پر بسم اللہ شریف اور کلمہ پاک کے بعد درج ذیل تحریر ہے:

''معروف شاعر و ادیب
خواجہ محمد بشیر راجن

Marfat.com

ایڈووکیٹ سرگودھا

پیدائش ۸ جون ۱۹۲۶ء بروز منگل

۲۶ ذیقعد ۱۳۴۴ھ

وفات ۱۲ دسمبر ۱۹۹۴ء بروز پیر

۸ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ ۸ بجکر ۱۵ منٹ صبح" ۳۹۰

اس سے نیچے دو شعر درج ہیں جو اس کے اپنے نہیں ایک علامہ اقبال کا ہے اور دوسرا عام سا شعر ہے۔

کتبہ تحریر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ زاہد حسین انجم نے جو تاریخ پیدائش لکھی ہے وہ ۱۸ اکتوبر ہے ۳۹۱۔ جبکہ پروفیسر ہارون الرشید تبسم نے صرف سن ۱۹۲۶ء پر گزارا کیا ہے۔ ۳۹۲

آپ نے بھیرہ میں جنم لیا۔ آپ کے والد کا نام خواجہ محمد سعید تھا۔ میٹرک کرنے کے بعد فوج میں بھرتی ہو گئے اور ۱۹۴۶ء میں ریٹائرمنٹ لے لی۔ بعد ازاں محکمہ آبپاشی میں ملازمت اختیار کر لی اس دوران اردو فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۷۰ء میں بی اے اور ۱۹۷۲ء میں پنجاب یونیورسٹی سے نجی حیثیت میں ایم اے اردو کیا۔ ۱۹۸۲ء میں ایل ایل بی کرنے کے بعد وکالت شروع کر دی اور آخری سانسوں تک اس شعبے سے منسلک رہے۔

بشیر راجن ادیب شاعری اور افسانہ نگاری دونوں سے شغف رکھتے تھے۔ زاہد حسین انجم نے آپ کی تین تصانیف کے نام گنوائے ہیں جو

"۱۔ اردو نامہ ۲۔ عورت کے آنسو ۳۔ نشاط غم" ۳۹۳ ہیں

لیکن ان میں سے شاید On ground کوئی تصنیف بھی نہیں۔ بلکہ پروفیسر ہارون الرشید تبسم کے مطابق آخری افسانہ "عورت کے آنسو" تھا۔ ۳۹۴

آپ انجمن ترقی اردو کے رکن تھے۔ مطالعہ بہت وسیع تھا۔ اور اساتذہ کے بے شمار اشعار یاد تھے اور اسی زور پر شعر کہہ لیا کرتے تھے۔ آپ کو "نشان سپاس" سے بھی نوازا گیا۔ پروفیسر ہارون

Marfat.com

ارشید تبسم لکھتے ہیں:

''ان کی شاعری عموماً اُن کی طبیعت کی عکاس تھی۔ یعنی بہت خشک شعر کہتے۔ اخگر سرحدی کی طرح اُن کے شعر بھی رومانیت کی فضا سے دور ہوتے۔ غزل کے علاوہ ملی شاعری میں اُن کی دلچسپی بہت زیادہ تھی۔''۹۵

آپ کی زیادہ تر شاعری موضوعی ہے اور اس میں آپ کو ملکہ بھی حاصل تھا۔

پرچم

نہ ہوگا ہم نشیں نیچا کبھی ایماں کا پرچم — خدا نے کر دیا اونچا جو پاکستان کا پرچم
نہیں طاقت کہ لائے تاب کفرستان کا پرچم — یہ ہوگا ضوفشاں جس دم تو دنیا تھرتھرائے گی
کہ لہرائے گا باعظمت خدا کی شان کا پرچم — مسلماں روزِ محشر تک رہیں گے شان و شوکت سے
مسلماں کا تو ایماں ہے یہ پاکستان کا پرچم — ہے کس کی آنکھ میں ہمت جو دیکھے نظرِ بد سے بھی

بشیر اس روز کے ہم منتظر ہیں سارے پنجابی
کہ جب دنیا میں لہرائے گا یہ قرآن کا پرچم ۹۶

تغیر

ماہ و انجم ہیں بے نور سے آج بھی — شب ہے تاریک تر، مضمحل چاندنی
جانے سوجھی ہے قدرت کو کیا دل لگی — ظلمتیں ہی بڑھی جاتی ہیں ہر گھڑی
ہر شب و روز ہے اجنبی اجنبی

سرخ پھولوں کا گلشن میں ڈیرا نہیں — اب شب غم کا اپنی سویرا نہیں
اور سکوں کا میسر بسیرا نہیں — گھر میں پہلی سی خوشبو کا پھیرا نہیں
ہم نشیں آج بے کیف ہے زندگی

اور راہوں میں روشن دیا بھی نہیں — کارواں بھی نہیں رہنما بھی نہیں
اہلِ دل بھی نہیں دلربا بھی نہیں — زندگی کی کرن کی ضیاء بھی نہیں

Marfat.com

مشعلِ دل بجھی کی بجھی رہ گئی

ہائے مجبوریاں اشک پیتے ہیں آج　　کچے تاگوں سے زخموں کو سیتے ہیں آج
بیسیوں رنج و غم ہم پہ بیتے ہیں آج　　جان باقی نہیں اور جیتے ہیں آج

کس مپرسی کے عالم میں ہے زندگی ۹۷ء

میاں محمد اکرم بھٹی

میاں محمد اکرم مشرقی پنجاب کے ضلع ہوشیار پور کے قصبہ دسوہا میں پیدا ہوئے۔آپ کا سنِ ولادت ۱۹۲۶ء ہے۔آپ کا گھرانہ دینی حوالے سے نمایاں تھا۔اور علمی حوالے سے بھی اپنی پہچان رکھتا تھا۔تعلیم کے حصول کے بعد اپنے خاندانی پیشے زرگری سے وابستہ ہو گئے اور قیامِ پاکستان کے بعد جب ہجرت کر کے سرگودھا میں قیام پذیر ہوئے تو اپنے پیشے کو ہی ساتھ لے کر چلے۔جس میں آپ نے اپنی سفید پوشی کا بھرم بھی رکھا اور عزت بھی کمائی۔آپ کو اگرچہ شعر وادب کا شوق تھا لیکن آپ باقاعدہ شاعر نہیں تھے۔البتہ اس شوق کی تکمیل کیلئے آپ نے ادارہ شعروادب کی بنیاد رکھی اور اس کے سرپرست کی حیثیت سے اپنے گھر پر شعری نشستیں منعقد کراتے اس کے علاوہ آپ فلاح و بہبود کے کاموں میں بھی اکثر حصہ لیتے۔ادارہ شعروادب کی سرپرستی میں کبھی کبھی آپ شعر کہہ بھی لیا کرتے اور پھر مشاعروں میں یا شعری نشستوں میں سناتے۔

میاں محمد اکرم بھٹی صرافہ یونین کے علاوہ دیگر کئی انجمنوں کے بھی سربراہ اور رکن تھے۔ اللہ رب العزت نے آپ کو حج کی سعادت سے بھی مشرف فرمایا تھا۔" آپ ایک عرصہ تک شوگر کی بیماری میں مبتلا رہنے کے بعد ۲۵ رمضان المبارک/۲ فروری ۱۹۹۶ء کو جب کہ الیکشن کی گہما گہمی تھی اس دنیا سے رخصت ہوئے"۔آپ کی ایک نظم حضرت علامہ اقبالؒ کے حوالے سے پسند کی گئی بلکہ حضرت اقبالؒ کے فرزند ڈاکٹر جاوید اقبال نے بھی اسے سراہا۔

Marfat.com

دیدہ ور اقبال

شاعرِ مشرق کہوں یا شاعرِ ملت کہوں
دیدہ ور اقبال کو دیدہ ورِ امت کہوں

بعد مدت کے ہوا پیدا کوئی دانائے راز
حضرتِ اقبال نے سمجھائے نکتہء ہائے راز

اس کی شعروشاعری ہے اصل میں بانگِ درا
قافلہ چلتا گیا اور راستہ پاتا گیا

آج یہ خطہ کہ جس کا نام پاکستان ہے
شاعرِ ملت کی سچی سوچ کا فیضان ہے

ذہن روشن کر دیئے اقبال کے افکار نے
قلب زندہ کر دیئے اقبال کے اشعار نے

ایک مردِ راہ داں بھی کر لیا اُس نے تلاش
اک میرِ کارواں بھی کر لیا اُس نے تلاش

قائداعظم کو ملت کی قیادت سونپ دی
اک دیانت دار کو اس نے امانت سونپ دی

ایک شاعر نے جو سوچا اس کو سچا کر دیا
اس نے پرچم ملتِ مسلم کا اونچا کر دیا

حضرتِ اقبالؒ تیری شان وشہرت کو سلام
علم وحکمت، فکروفن، فہم وفراست کو سلام

جانفزا پیغام تیرا زندۂ جاوید ہے
تو ہے زندہ نام تیرا زندۂ جاوید ہے

دامنِ مسجد میں تیرا آخری ایوان ہے
عظمتِ اسلام ہے تو شانِ پاکستان ہے

''آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ تیرے گھر کی دربانی کرے''

یہ وطن اکرم کہ جس کا نام پاکستان ہے
شاعرِ ملت کی سچی سوچ کا فیضان ہے ۹۸ء

غزل

جب دیکھتا ہوں اپنی خطا دیکھتا ہوں میں
جو دیکھتا ہوں اُن کی عطا دیکھتا ہوں میں

یہ دیکھتے ہی دیکھتے کیا دیکھتا ہوں میں
جو بات ناروا تھی روا دیکھتا ہوں میں

میں خیر خواہِ خلقِ خدا ہوں مرے عزیز
سب کے بھلے میں اپنا بھلا دیکھتا ہوں میں

میرے رفیقِ کار بدل دے طریق کار
بدلی ہوئی تمام فضا دیکھتا ہوں میں ۹۹ء

Marfat.com

عزیز علوی

عزیز علوی کا اصل نام محمد عبدالعزیز تھا۔ آپ ۴ نومبر ۱۹۲۶ کو ہوشیار پور (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ جالندھر میں آپ نے پرورش پائی اور وہیں دوآبہ کالج سے گریجوایشن کیا۔ انہیں دنوں تقسیم ہند کے باعث آپ نے ہجرت کی اور سرگودھا میں خاندان کے ہمراہ مقیم ہوئے۔ عملی زندگی کا آغاز لاہور میں ایک ملازمت سے کیا اور پھر سرگودھا واپس آ گئے جہاں سرگودھا ٹیکسٹائل ملز میں نئے سرے سے آغاز کیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کے سب سے اعلیٰ عہدے پر پہنچے اس ادارے کی جانب سے انہیں کئی ممالک کی سیاحت کا موقع ملا۔

عزیز علوی نے اپنا تخلیقی سفر جو شعر سے شروع کیا۔ ایک شاعر، مصور، افسانہ نگار اور سفر نامہ نگار کی حیثیت سے جاری رکھا اور آخری لمحوں تک قلم اور موئے قلم کو استعمال کرتے رہے۔ یہ سب کچھ آپ نے شوق کے ہاتھوں کیا اس میں خود نمائی کا عنصر نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے ریٹائرمنٹ کے بعد بھی کسی ادبی محفل یا شعری نشست میں جانے کا کبھی نہیں سوچا۔ بس خاموشی سے لکھتے رہے اور پھر کتابی صورت میں اسے محفوظ کرتے رہے۔ نثر اور نظم میں آپ کی تقریباً دس کتب ہیں۔ جن میں سے ''لندن میں پھول'' (سفر نامہ)۔ ''ساحل بیٹھ گئے'' (افسانے)۔ ''سائے اور سائبان'' (افسانے)۔ ''سردی اور الاؤ'' (افسانے) نثر میں ہیں جبکہ ''رشتے درد کے'' (شاعری)۔ ''تنہا چاند'' (شاعری)۔ ''جنگل گیت اور غم'' (شاعری)۔ ''موسم پھول اور خوشبو'' (شاعری) اور ''کبھی تو مسکراؤ تم'' (شاعری) منظوم کتب ہیں۔

ڈاکٹر وزیر آغا کا کہنا ہے کہ:

> ''عزیز علوی کو قدرت کی جانب سے جو نغمگی عطا ہوئی ہے اس نے ان کے کلام میں خوشبو کا خرام اور چاندنی کا فیض عام کر دیا ہے۔ خوشبو اور چاندنی دونوں کا یہ قرینہ ہے کہ وہ سیلِ رواں کی طرح پھیلتی ہے اور یہی

Marfat.com

وصف موسیقی کا بھی ہے کہ وہ بھی بار بار ٹوٹنے اور بننے کے عمل میں مبتلا نہیں ہوتی بلکہ ایک سحر انگیز کیفیت کی طرح ہر شے کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے۔ اس سے یہ کھلا کہ عزیز علوی کے ہاں خوشبو اور چاندنی کو بطور خاص کیوں اتنی اہمیت ملی ہے کہ یہ دونوں نغمگی ہی کے دو روپ ہیں یوں لگتا ہے جیسے عزیز علوی کے دل میں نغمہ سویا پڑا تھا یا یوں کہہ لیجئے کہ کوئی چشمہ کسی پہاڑی چٹان کے بھیتر رکا کھڑا تھا مگر کسی المناک سانحہ کی پہلی ہی ضرب نے چٹان کو توڑ کر چشمہ کو باہر نکل آنے کا راستہ مہیا کر دیا۔'' ۳۰۰

عزیز علوی نے ۲۱ جنوری ۲۰۰۶ء کو سرگودھا میں وفات پائی اور بڑے قبرستان میں دفن ہوئے۔ ۳۰۱

غزل

میں مسافر ہوں کڑی دھوپ میں جل جاؤں گا
اپنے احساس کی گرمی سے پگھل جاؤں گا

میں کوئی بت ہوں کہ گر جاؤں تو پھر اٹھ نہ سکوں
ٹھوکریں کھا کے زمانے کی سنبھل جاؤں گا

تیرے پیکر کو سنواروں گا میں اپنے فن سے
خود بھی اس روپ میں اک روز میں ڈھل جاؤں گا

سطحِ دریا پہ مچلتی ہوئی اک لہر ہوں میں
گردشِ وقت سے لہرا کے نکل جاؤں گا

میں تو خاموش محبت کا سمندر ہوں عزیزؔ
چاند نکلے گا تو ساحل سے اچھل جاؤں گا ۳۰۲

☆

Marfat.com

تو تھا تو آشنا مجھے چہرے سبھی لگے
تو کیا گیا کہ آشنا بھی اجنبی لگے

اترا تھا تیرے ساتھ جہاں کاروانِ گل
اب اس چمن میں خیمہ زن افسردگی لگے

لایا نہیں ہوں اس لئے ہونٹوں پہ دل کی بات
ایسا نہ ہو یہ بات کسی کو بری لگے

گو ختم ہو چکی ہے محبت کی داستاں
ہو اب بھی تیری بات تو دل کو بھلی لگے

مدت ہوئی جو وقتِ وداع تو نے دی انہیں
آنکھوں میں میری آج بھی وہ ہی نمی لگے

آسودہ حال رہ کے بھی یہ حال ہے مرا
تیرے بغیر زندگی شرمندگی لگے

تو پاس تھا تو دھوپ بھی تھی چاندنی عزیزؔ
اب تیرے بعد چاندنی بھی دھوپ سی لگے ۳۰؎

صابر ملک

صابر ملک کا اصل نام محمد صابر ہے۔ اعوان قبیلہ سے متعلقہ شخصیات عموماً اپنے نام کے ساتھ ملک کا سابقہ یالاحقہ استعمال کرتے ہیں۔ اسی ریت کو نبھاتے ہوئے محمد صابر نے بھی ادب میں آنے کے بعد صابر ملک کو اپنے لئے مخصوص کیا اور ایسا کہ پھر لوگ محمد صابر کو بھول گئے۔

صابر ملک یکم دسمبر ۱۹۲۶ء کو خوشاب شہر میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور پھر رائل ایئر فورس میں ایئر مین بھرتی ہو گئے۔ تقسیم ہند کے بعد آپ پاکستان ایئر فورس میں آ گئے جہاں ایک مدت گزارنے کے بعد سارجنٹ کے عہدے سے پنشن پائی۔

صابر ملک نے ایئر فورس جوائن کرنے سے پہلے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن عسکری مصروفیات کے باعث کچھ عرصہ یہ شوق تعطل کا شکار رہا۔ ایئر فورس میں جب عنایت اللہ (ماہنامہ حکایت والے) جاوید سوز (ناول نگار، شاعر) اور محمد سعید (ناول نگار) جیسے رہروانِ ادب سے ملاقات ہوئی تو خفتہ شوق نے پھر انگڑائی لی اور آپ ''فضائیہ'' اور ''ہلال'' جیسے رسائل میں لکھنے لگے۔ آپ کی تمام شاعری وطن اور ملی حوالے سے ہے۔ جسے ریٹائرمنٹ کے بعد آپ نے یکجا کر کے

Marfat.com

''تصویرِ وطن'' کے عنوان سے کتابی صورت دے دی۔ جاوید سوز ''تصویرِ وطن'' کے دیباچہ میں صابر ملک کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

صابر ملک ایک شعلہ بیاں شاعر ہے۔ جس کے سینے کے اندر حساس دل میں ملت کا درد پنہاں ہے۔ آپ کا قلم تیغ براں کی طرح تیز ہے۔ جس کے سامنے طاغوتی طاقتیں دم توڑتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صابر ملک کی رزمیہ نظموں کا مجموعہ حب الوطنی اور عزم وشجاعت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے......

صابر ملک کو اپنے وطن کی ہر چیز میں ایک انوکھا روپ دکھائی دے رہا ہے اس کے جھومتے درخت، اس کے لہلہاتے کھیت، اس کے سرسبز وشاداب اور مہکتے باغات، اس کی جھیلوں کے نیلے نیلے ساغر، اس کے میٹھے میٹھے چشمے اور اس کی گنگناہٹ، اس کی نشیلی اور طراوت بھری فضاؤں کے میکدے......دل میں پرستش کا جذبہ ابھارتی ہے۔'' ۵ے

صابر ملک اپنی اس دھرتی سے، اس وطن سے اور اسلام سے جی بھر کر محبت کرتا ہے۔ اسے فطرت سے پیار ہے۔ اس ملک کے موسموں سے اُنس ہے۔ اس کی نظر میں جی، پی اور ہڈالی کا مرتبہ پیرس سے بڑھ کر ہے۔ اُسے اس وطن کے باشندوں سے، اسلام کے مجاہدین اور مشاہیر سے اور اسلامی ممالک کے شہروں تک سے جہاں محبت ہے وہیں اپنے شہر سرگودھا کو وہ قدر اور محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور یقین وعزم وعمل کا امام مانتا ہے۔ جس کی تصدیق اُسکے اشعار سے ہوتی ہے۔

یقین و عزم و عمل کا امام سرگودھا — جہاں میں فتح و ظفر کا پیام سرگودھا
خلوص و مہر و محبت کا نام سرگودھا — جبینِ دہر پہ نقشِ دوام سرگودھا
رہے گا جس سے منور چراغ آزادی — کیا ہے اور کرے گا وہ کام سرگودھا
عدو کے تیرہ نشیمن پہ بجلیوں کی طرح — ہنسا ہے اور ہنسے گا مدام سرگودھا

Marfat.com

ترے جلو میں عقابوں نے پرورش پائی تری حسین فضا کو سلام سرگودھا
خدا کے فضل سے جمعیتِ عدو کے لئے اجل کا ایک مکمل پیام سرگودھا
بچا کے ملتِ بیضا کی آبرو صابر
دلوں میں کر گیا پیدا مقام سرگودھا ۲۰۶

صابر ملک نے ایئرفورس سے فارغ ہونے کے بعد خوشاب میں ہی وقت گزارا۔ اس دوران سیاست میں بھی حصہ لینے لگے اور جلسے، جلوسوں میں سیاسی نظموں سے پنڈال کو گرمایا کرتے۔ ۸ دسمبر ۱۹۸۶ء کو شیر باز مزاری کے جلسے میں سیاسی نظم سُنا کر بیٹھے ہی تھے کہ فرشتۂ اجل نے آلیا۔

بدر منیر نے ۱۹۸۸ء ۲۰۷ سنِ وفات لکھا ہے۔ جو درست نہیں کیونکہ وفیاتِ مشاہیر پاکستان ۲۰۵ میں روزنامہ جنگ لاہور ۹ دسمبر ۱۹۸۶ء کے حوالے سے جو تاریخ دی گئی ہے درست ہے اور اس کی تصدیق وفیاتِ ناموران پاکستان ۲۰۸ میں بھی کی گئی ہے ۔

نجات غم سے دلانے والا یہیں کہیں ہے یہیں کہیں ہے
وہ بات بگڑی بنانے والا یہیں کہیں ہے یہیں کہیں ہے
بساطِ ارضی کی جلوتوں میں، جہانِ بالا کی خلوتوں میں
وہ ہاتھ مشکل سے آنے والا یہیں کہیں ہے یہیں کہیں ہے
نظر کی منزل سے دور رہ کر قریب قلب بشر ہے ہر دم
نفس نفس میں سمانے والا یہیں کہیں ہے یہیں کہیں ہے
نظر نظر سے گرے ہوؤں کو، مصیبتوں میں گھرے ہوؤں کو
قدم قدم پر بچانے والا یہیں کہیں ہے یہیں کہیں ہے
جہاں کی شاداب انجمن میں بدل کے صابر قبائے نوری
وہ اپنے جلوے دکھانے والا یہیں کہیں ہے یہیں کہیں ہے

Marfat.com

اردو زبان کے بارے میں صابر ملک کا نظریہ بھی جاندار ہے اور ندرانہ بھی۔

نشو و نما حیات میں اردو زباں سے ہے
رونق تکلمات میں اردو زباں سے ہے
حالی و داغ، غالب و اقبال کا کلام
مقبول کائنات میں اردو زباں سے ہے
رس گھولتے ہیں کان میں مصرعے غزل سرا
اور لطف نظمیات میں اردو زباں سے ہے
مفہوم کے نکھار سے لگتے ہیں چار چاند
زینت محاورات میں اردو زباں سے ہے
ہر دم بقا کی ترجماں صابر کی شاعری
اقلیم بے ثبات میں اردو زباں سے ہے ۹۶؎

عصمت علیگ

عصمت اللہ نام اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا طالب علم ہونےکی نسبت سے علیگ لکھتے تھے۔ آپ ۱۹ اپریل ۱۹۲۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد عنایت اللہ محکمہ ڈاک میں ملازم تھے اور سرگودھا میں مقیم تھے۔ لہٰذا عصمت اللہ نے ابتدائی تعلیم سرگودھا میں حاصل کی۔ ۱۹۴۴ء میں گورنمنٹ ہائی سکول نمبر ا سے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ جہاں سے بی اے کرنے کے بعد واپس آئے اور کچھ عرصہ بعد ٹریکٹروں کی خرید و فروخت کا ادارہ قائم کر لیا۔ جس میں ممتاز احمد کاہلوں اور صاحبزادہ الماس آپ کے رفقائے کار تھے۔ چونکہ ابتدا سے ہی ادب کا ذوق تھا۔ شعر بھی کہتے تھے۔ اور شعر و سخن کی محفلوں کو بھی وقت دیتے تھے۔ سو اسی شوق کے تحت ۱۹۶۲ میں ڈاکٹر وزیر آغا کے ساتھ مل کر ''اردو زبان'' جاری کیا۔ آپ سرگودھا اکیڈمی کے بھی اولین جنرل سیکرٹری تھے۔ ڈاکٹر وزیر آغا آپ کا احترام کرتے تھے ڈاکٹر صاحب کی کتاب ''چوری سے یاری تک'' کا انتساب بھی عصمت علیگ کے نام ہے۔

جب انور سدید کا تبادلہ سرگودھا ہوا تو ''اردو زبان'' اُن کے سپرد کر کے لاہور چلے گئے۔ جہاں آپ وزیر اعلیٰ حنیف رامے کے پسِ پردہ مشیر کے طور پر کام کرتے رہے۔ پروفیسر ہارون

Marfat.com

ارشید تبسم لکھتے ہیں کہ:

''سید مسعود زاہدی جب پنجاب کے ایڈووکیٹ جنرل مقرر ہوئے تو وہ بھی عصمت علیگ کے مشوروں کو اہمیت دیا کرتے تھے۔ عصمت علیگ نے سیاست میں حقیقت کو حرزِ جاں بنائے رکھا۔ وہ پیپلز پارٹی کی حکومت کے دوران ان کے غلط فیصلوں پر کھل کر تنقید کر لیا کرتے تھے۔''[۱۰۲]

عصمت علیگ نے شاعری کی ابتدا غزل سے کی لیکن پھر نظم کی طرف آ گئے۔ بہت زیادہ نہیں لکھا۔ شاید دیگر مصروفیات آڑے آتی رہی ہوں۔ یا پھر سیمابی فطرت کے باعث کبھی کاروبار، کبھی سیاست اور کبھی ادب وغیرہ میں کسی ایک سمت کا چناؤ نہیں کر سکے اور شاید شادی بھی اسی وجہ سے نہ کر سکے۔ یہ بہت سی خوبیوں کا مالک جو اپنی صلاحیتوں کو ٹھیک طرح سے استعمال نہ کر سکا آخرکار زندگی کی بازی ۱۰ جنوری ۲۰۰۴ء بروز جمعۃ المبارک کو لاہور شہر میں ہار گیا۔'' آپ کی تدفین دوسرے دن سرگودھا میں کی گئی۔''

بکھرتے پیکر

گریز کیسا
قدم زمیں پر کچھ اس طرح رکھ
کہ دل کا ناسور رِستے رِستے
کبھی تو پیوند ہو زمیں سے
کبھی تو یہ برگ و بار لائے
کبھی تو احساس کی کلی پیرہن سے نکلے
برہنہ پیکر جھکی نگاہوں سے داد مانگے
جہانِ نو منتظر ہے میرا مجھے پکارے
پلٹ کے دیکھوں تو دھیان کے غار سے ابھرتا ___ مہیب سایا

Marfat.com

سیہ ناگن کا زہر سینے کی تنگ پہنائیوں میں بھردے
کچھ اس طرح کہ نگاہِ منزل کے فاصلے
دوریاں پہاڑوں کی اوٹ، دشوار رہگزاریں شکستہ پائی
قتیلِ احساس، رہ نوردی، کہ لیلئ شوق کے سلاسل
دھواں دھواں خواہشوں کا پیکر بکھرتا جائے
نہ کوئی لذت نہ کوئی خوشبو نہ شعلۂ جسم کی حرارت
خیال ___ اک سلسلہ ادھورا ہے
خواب ___ تصویرِ نامکمل

غزل

تو نہیں تھا نہ تھی تری آواز — اک تجلی مگر رہی غماز
کاش عنوانِ زیست بن جائے — ڈوبتے دل کی ڈوبتی آواز
کیا غمِ مرگِ آرزو کیجئے — اے غمِ دوست تیری عمر دراز
درد نے بڑھ کے چارہ سازی کی — کون تھا ورنہ مونس و دمساز

لب ہلاؤ، کوئی تو بات کرو
دونوں عالم ہیں گوش بر آواز ۱؎

علی حسنین شیفتہ

علی حسنین نام اور شیفتہ تخلص کے ساتھ پورا نام علی حسنین شیفتہ لکھا کرتے تھے۔ آپ ۱۶ جنوری ۱۹۲۸ء ۱۳۴۷ھ کو جون پور (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ پروفیسر ہارون الرشید تبسم ۱۹۲۹ء ۱۳۴۸ھ سنِ ولادت لکھتے ہیں۔ آپ کے والد محمد قیوم ایک مذہبی شخصیت تھے۔

علی حسنین نے ابتدائی تعلیم جون پور سے حاصل کی۔ جون پور سے ہی "تام الفاضل" کی

Marfat.com

سند حاصل کی۔ اور پھر مختلف اساتذہ سے فیض پانے کا موقع ملا۔ بالآخر الٰہ آباد یونیورسٹی سے ایم اے (فارسی) کرنے کے بعد تدریس کے شعبہ سے وابستہ ہوگئے۔ ۱۹۵۱ء میں ہجرت کی اور پاکستان آگئے۔ خیر پور میں کچھ عرصہ قیام کیا۔ پھر لاہور سے ہوتے ہوئے منٹگمری پہنچے۔ اور اوکاڑا کے ہائی سکول میں مدرس ہوگئے۔ اسی ملازمت کے دوران آپ نے عربی، اردو اور اسلامیات میں بھی ایم اے کیے اور کراچی میں لیکچرار کی حیثیت سے فرائض انجام دینے لگے۔ ۱۹۷۰ء میں آپ سرگودھا آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ گورنمنٹ کالج سرگودھا میں اسلامیات کے استاد مقرر ہوئے۔ اور یہاں کے اساتذہ اور ادبی ماحول میں ضم ہو کر رہ گئے۔

پروفیسر علی حسنین شیفتہ نے ۱۹۸۷ء میں ریٹائرمنٹ لے لی اور پھر قلم و قرطاس سے منسلک رہتے ہوئے چار سال بعد ۲۸ فروری ۱۹۹۱ء کو اللہ کو پیارے ہوگئے۔

پروفیسر علی حسنین شیفتہ اردو، انگریزی، عربی اور فارسی زبانیں جانتے تھے۔ نثر اور نظم دونوں میں آپ کی طبع رواں تھیں لیکن آپ کی صرف نثری تصانیف منظر عام پر آئیں۔ جن کے نام ہیں:

علم الحدیث۔ حدیثِ غدیر۔ معقول مذہب۔ کلام ابی طالب۔ اسوۂ حسنہ۔ تحقیقِ حق۔ مذہب اہلِ بیت۔ تحقیقی تبصرے۔ کتاب المومن۔ تائید حق اور تردید باطل۔

شاعری میں آپ سلاست اور سادگی کے قائل دکھائی دیتے ہیں۔ بات کو الجھانے کی بجائے بڑے سیدھے سبھاؤ فن کا خیال رکھتے ہوئے پیش کر دیتے ہیں۔

غزل

زندگی غم ہے آدمی کے لئے — پھر بھی مرتے ہیں زندگی کے لئے

بڑھ گئی اور دل کی بے تابی — آپ آئے جو دو گھڑی کے لئے

جب سے غم آپ نے دیا ہے مجھے — آرزو بھی نہ کی خوشی کے لئے

یہ کرشمے ہیں عشق کے ورنہ — کون جیتا ہے یوں کسی کے لئے

دل نے کعبہ سمجھ کے ڈھونڈ لیا — آستاں اُن کا بندگی کے لئے

Marfat.com

کیا اُسے بھی کہے گا دل کوئی ؟ جو تڑپتا نہ ہو کسی کے لئے

شیفتہ لفظ لفظ میں میرے
نکتے بکھرے ہیں شاعری کے لئے

☆

تمنا رُو بکار آئے نہ آئے
کوئی غفلت شعار آئے نہ آئے
چلو ہم خود بہارستاں منا لیں
خدا جانے بہار آئے نہ آئے
بیاں کیا کیجئے بے تابِ دل
کسی کو اعتبار آئے نہ آئے
جو ممکن ہو تو اے دل خود بہل جا
وہ جانِ انتظار آئے نہ آئے
میرے ساقی ذرا جام و سبو لے
یہ موسم یہ نکھار آئے نہ آئے[۵]

مجید افضل پراچہ

پراچہ فیملی کا چشم و چراغ شیخ مجید افضل ۲۸ فروری ۱۹۲۸ء کو بھیرہ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم بھیرہ سے حاصل کی اور ڈی مونٹ مورنسی کالج سے ہوتے ہوئے گورنمنٹ کالج سرگودھا سے بی اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد عملی طور پر صحافت سے منسلک ہو گئے۔ اور پھر سرگودھا یونین آف جرنلسٹس کے صدر کے علاوہ سینئر وائس پریذیڈنٹ پنجاب نیوز پیپرز سوسائٹی کے عہدے پر متمکن رہے۔ جبکہ ''ضرب مجاہد'' کے نام سے آپ ایک ہفت روزہ بھی سرگودھا سے نکالتے رہے۔

شیخ مجید افضل نے صحافت میں شرافت کی فضا قائم کی۔ ''شامی پرنٹنگ پریس'' کے نام سے پریس کا کام بھی کیا۔ آپ صرف صحافی ہی نہیں بلکہ شاعر بھی تھے۔ یہ الگ بات کہ شاعری کی طرف مکمل توجہ نہ دے سکے لیکن صحافت میں البتہ جرات و دلیری کا مظاہرہ کیا۔ ''تشدد کی داستان'' [۲] آپ کی اُس دور کی صحافتی کاوش ہے جب ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف زبان سے لفظ ادا کرنے والوں

Marfat.com

کی زبان کھینچ لی جاتی تھی۔ تحریک نفاذ نظامِ مصطفیٰ کے دوران سرگودھا شہر کے نہتے مسلمانوں پر بھٹو حکومت کی ظالم انتظامیہ نے جو غیر قانونی اقدامات کئے اور دھاندلیوں کی جو انتہا کی۔ انہیں صفحہء قرطاس پر لانا کسی صورت اُس وقت ممکن نہیں تھا لیکن شیخ مجید افضل پراچہ نے اسے ممکن بنایا اور یہ کتاب ۱۰ جون ۱۹۷۷ء میں شائع ہو کر لوگوں کے ہاتھ میں آ گئی اور جب تک بھٹو انتظامیہ اس کتاب کے بارے کچھ سوچتی اس پر اللہ تعالیٰ نے ضیاء الحق کو مسلط کر دیا تھا۔

شیخ مجید افضل جو بھیرہ سے سرگودھا منتقل ہو چکے تھے۔ یہاں سے کراچی چلے گئے اور وہاں کی فضاؤں اور ماحول میں گم ہونے کی کوشش کی لیکن وہ فضا انہیں راس نہ آئی اور حالات انہیں اپنی جنم بھومی کی طرف واپس لے آئے۔ جہاں کچھ عرصہ علیل رہ کر ۷ جولائی ۲۰۰۷ء کو وفات پائی۔[۱۸] ''اشکِ محبت'' اُن کا شعری مجموعہ کافی عرصہ پہلے شائع ہو چکا تھا۔ محمود اسیر کا اُن کے بارے خیال ہے:

''مجید افضل غزل کے فدائی ہیں اور صرف غزل کو ہی اپنایا ہے۔ تحت اللفظ میں پڑھنے کی بجائے ترنم سے پڑھنا زیادہ بہتر گردانتے ہیں۔ شعروں میں الفاظ کی بندش اور اسلوب پر خاص توجہ دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار ان کے ترنم کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ قدیم رنگِ تغزل اور روایتی حسن و عشق کا رچاؤ ان کی شاعری کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ ان کے ہاں تغزل بھی ہے، غمِ محبوب اور غمِ دوراں کے تجربات و مشاہدات بھی۔''[۱۹]

غزل

نہ ہے تاج و تخت کی آرزو نہ جہانِ زر کی تلاش ہے
جو تمھاری آنکھ سے گر سکے مجھے اُس گہر کی تلاش ہے
میں تمھاری بزمِ شباب میں یونہی بے سبب نہیں آ گیا
مجھے دل کے زخم کے واسطے کسی چارہ گر کی تلاش ہے

Marfat.com

جو پیام لے کے بھی جا سکے، جو جواب لے کے بھی آ سکے
دلِ منتظر کو ابھی تلک اُسی نامہ بر کی تلاش ہے
میں فریب خوردہَ راہزن یونہی کھو گیا ہوں اِدھر اُدھر
مجھے کارگاہِ حیات میں کسی راہبر کی تلاش ہے
کہیں اس جہانِ عجیب میں کوئی افضل اپنا نہ بن سکا
جو مجھے خلوص سے دیکھ لے مجھے اُس نظر کی تلاش ہے

☆

اس جہاں کا نظام بدلے گا زندگی کا پیام بدلے گا
عشق بدلے گا اب روش اپنی حسن اپنا مقام بدلے گا
ہمدمو چند روز صبر کرو وقت اپنا اِمام بدلے گا
تابہ کے میکشو یہ رنگِ قدیم ساقیا دورِ جام بدلے گا
گنگناتی ہوائیں کہتی ہیں
اب چمن کا نظام بدلے گا ۲۰؎

محمد نذیر شیرزادہ

محمد نذیر نام اور شیرزادہ سے یہی اندازہ لگایا جاسکتا ہی کہ آپ کے والد کا نام محمد شیر' احمد شیر ,شیر محمد یا اسی طرح کا ہوگا جس کا حصہ شیر ہوگا۔'' آپ ۲۱ مئی ۱۹۲۸ء کو نابھہ (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔لاہور میں تعلیم حاصل کی۔میٹرک کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔اور پھر الیکٹرونکس میں ایسوسی ایٹ انجینئر کا ڈپلومہ حاصل کیا۔'' ۲۱؎ اگرچہ انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی۔لیکن آپ کا رجوع شروع سے ہی آرٹس کی طرف تھا۔جس میں شاعری اور مصوری آپ کے شوق کا حصہ بن چکے تھے۔۱۹۵۰ء میں پاکستان ایئرفورس میں شامل ہو گئے اور ۲۷ سال تک کا عرصہ عسکری پابندیوں میں

Marfat.com

گزار کر ۱۹۷۷ء میں ریٹائر ہوئے۔اس دوران آپ نے خود کو صرف فوجی ہی نہیں بنائے رکھا بلکہ شوق کی تکمیل کیلئے ۱۹۶۷ء میں الحمراء آرٹس کونسل لاہور سے فائن آرٹس میں سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ دوران ملازمت آپ نے کئی مقامات پر اپنی تصاویر کی نمائش کرائی۔ ۱۹۷۹ء میں انجمن ترقی اردو کے شعری پروگراموں اور ادبی نشستوں میں حاضر ہونے سے خود کو مزید فعال کیا۔ ۱۹۷۹ء میں انہوں نے سرگودھا میں اقراء اکیڈمی کا آغاز کیا۔جس کے زیر انتظام انہوں نے اپنا شعری مجموعہ "The Musing Spring" شائع کیا۔ جسے اردو میں ''شعریات'' کا نام دیا گیا۔اس مجموعہ کلام میں اُن کا انگریزی، پنجابی، اردو اور ہندی میں کلام شامل ہے۔''فنِ مصوری'' کے عنوان سے ان کی تصاویر بھی کتابی صورت میں شائع ہو چکی ہیں۔اُن کی یہ Painting اور Drawing فن مصوری کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔شعریات کے بارے صوفی فقیر محمد نے بڑا مختصر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

> ''شیر زادہ کی اردو شعریات اور پنجابی کوتا کے بارے میں وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ 'ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند'۔جس طرح شیر زادہ کی مصوری میں شاعری جھلکتی ہے۔ اسی طرح موصوف کی شاعری میں مصوری جھلکتی ہے اور یہی شیر زادہ کی فنی صلاحیت ہے۔'' ۲۲۲

پروفیسر ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم نے نذیر شیر زادہ کی تاریخ وفات کو ایک اور زاویے سے دیکھا ہے کہ:

> ''وہ ۲۱ مارچ ۲۰۰۲ء کو سفرِ آخرت پر روانہ ہو گئے۔عجب اتفاق ہے کہ ۲۱ کا ہندسہ ان کی زندگی کا اہم حصہ ثابت ہوا۔ پیدائش، شادی اور وصال تینوں ہی ۲۱ تاریخ کو ہوئے۔'' ۲۲۳

سلسلہ خیال

قیامِ خطہء جنت محال تھا پیارے — خیال خام تھا جو بھی خیال تھا پیارے
جواب ٹھیک نہیں تھا سوال ٹھیک سہی — غلط خیال تھا جھوٹا خیال تھا پیارے

Marfat.com

وہ دن بھی یاد رہیں گے کہ اجنبی ہم تھے
ترے دیار میں جینا محال تھا پیارے

کسی کے پاس مرض کا علاج تھا ہی نہیں
یہ اور بات کڑھی کا ابال تھا پیارے

ہم اپنے عہد میں بندوں کا کال کہتے ہیں
ہر ایک دور میں قحط الرجال تھا پیارے

نگاہ تیز تھی جنکی انہیں نظر آیا
یہ کس کا حسن تھا کس کا جمال تھا پیارے

وہ تخت و تاج کا دعویٰ وہ راج کا جھگڑا
وہ آج بھی ہے وہ کل بھی وبال تھا پیارے

یہی رہا ہے زمانے میں ہر زمانے میں
الم تھا رنج تھا غم تھا ملال تھا پیارے

طلسمِ خواب سے نکلے تو غور سے دیکھا
فراق و فاقہ و فقر و زوال تھا پیارے

ہم ایک ایسی گزرگہ ہو کے آئے ہیں
فساد و فتنہ و قتل و قتال تھا پیارے

خیال و خواب کی باتیں خیال و خواب ہوئیں
''کھلی جو آنکھ تو دشتِ سوال تھا پیارے''

جاگتے سپنے

پھر رہا تھا یونہی اک دن وہ اکیلا دشت میں
پھول ندی کے کنارے تھے کھلے کچھ طشت میں

صاف ستھرے جھیل کے پانی کے اندر کچھ کنول
سرخ نیلی رنگتوں کے روبرو تھے پھول پھل

بادلوں کی ٹکڑیاں بھی منعکس تھیں آب میں
ہو رہا تھا خوش بہت وہ آنکھیں کھولے خواب میں

سوچ کے در کھل گئے ماضی میں داخل ہو گیا
سامنے جو بھی تھا فوراً اُس سے اوجھل ہو گیا

تھا کھڑا تالاب کے دُوجے کنارے پر کوئی
مرتعش لہروں پہ صورت نقش تھی اُس کی ہوئی

پھینکتا پانی میں پتھر ہاتھ بھی تھا مارتا
کاغذی بیڑے لڑا کر جنگ اپنی ہارتا

برق پاشی ہو گئی ہو جل پری یا خور پر
ربِ موسیٰ ضوفشاں ہو جیسے کوہِ طور پر

ارتعاشِ برق نے بے تاب اس کو کر دیا
اک سہانے خواب سے بے خواب اس کو کر دیا

پھر رہا تھا پھر یونہی آخر اکیلا دشت میں
پھول ندی کے کنارے تھے کھلے طشت کچھ میں

Marfat.com

صفدر بخاری

محمد صفدر جن کا قلمی نام صفدر بخاری تھا۔ ۱۹۲۸ء میں بہاولپور میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور پھر واپڈا میں ملازمت اختیار کرلی۔ کچھ عرصہ یہ ملازمت کرنے کے بعد اسے خدا حافظ کہہ دیا اور آسٹریلیشیا بینک میں کلرک بھرتی ہو گئے۔ اس ادارے میں آپ نے کوشش کی اور پھر بینک یونین کے صدر منتخب ہو گئے۔ لیکن صدر کے جو مسائل ہوتے ہیں وہ یہاں بھی تھے۔ آپ ورکرز کے مسائل کو حل کرنے میں اور اُن کے مطالبات منوانے میں محو رہتے اور ایک لمحہ ایسا آیا کہ آپ کو ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اور پھر بے روزگاری مقدر بن گئی۔ سخنورانِ سرگودھا کے مطابق:

> ''اس سانحہ کے بعد آپ نے تمام عمر نوکری نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ آپ کی شادی منڈی یزمان (بہاولپور) میں ہوئی۔ سانحہ یہ ہوا کہ بیوی آپ کے پہلے بچے کو جنم دینے کے بعد خالق حقیقی سے جا ملی اور ان کے چچا کے بقول آجکل یہ بچہ بڑی کسمپرسی کی حالت میں اپنی خالہ کے پاس بہاولپور میں 'ڈنگر' چرانے کا کام کرتا ہے۔ بیوی کی وفات کے بعد آپ اکثر کھوئے کھوئے رہتے اور تا حیات دوسری شادی نہیں کی۔'' [۴۴]

صفدر بخاری بہاولپور کو چھوڑ کر سرگودہا میں جب قیام پذیر ہوئے۔ تو کچھ عرصہ وہ مسلم بازار میں ایک ہوٹل بنا کر زندگی گزارتے رہے۔ پھر یہاں سے آپ تاجدار دہلوی کے پاس اٹھ آئے اور اُنکے ہوٹل پر تین سال تک بغیر کسی معاوضہ کے کام کرتے رہے۔ یہاں کسی الزام کی زد میں آ گئے اور غلہ منڈی میں اپنا ایک چھوٹا سا ہوٹل بنا لیا۔ ایسے حالات میں شاعری تھی جس سے آپ کو قدرے سکون ملتا۔ لیکن یہ سکون بھی وقتی ثابت ہوتا کیوں کہ پھر حالات اُن کو گھیرے میں آ لیتے اور اسی اچھاڑ بچھاڑ میں آپ نے ۱۱ فروری ۱۹۶۹ء کو سرگودھا میں ہی وفات پائی۔ آپ کی شاعری میں ایک بیباکی اور کھنک سی موجود ہے۔

Marfat.com

غزل

دشوار آج کل یوں ایامِ زندگی ہیں ۔ سارے ستم جہاں کے انعامِ زندگی ہیں
کوئی بھی ہم سے بڑھ کر مشقِ ستم نہ ہوگا ۔ جتنے بھی اس جہاں میں ناکامِ زندگی ہیں
کوئی بھلا کسی سے غم ہائے دل کہے کیا ۔ بیگانہء مروت اصنامِ زندگی ہیں
ہم نے جہانِ غم میں کوئی نہ اپنا پایا ۔ کہنے کو دوست سارے آرامِ زندگی ہیں
بے چارگی میں صفدرؔ اپنے ہی ساتھی نکلے
درپیش جس قدر بھی آلامِ زندگی ہیں ۲۲۵

☆

ان کو بھی شکایت ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا ۔ کیا خوبیِ قسمت ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
چھڑ جائے کہیں ذکر جو انجام وفا کا ۔ ہاں دوست حقیقت ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
کل تک جو خفا تھے مرے اظہارِ طلب پر ۔ آج اُن کو شکایت ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
کہنے کو تو لاکھوں ہی شکایات میں لیکن ۔ مجبوریء الفت ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
نت زخم نئے کھا کے بھی احباب کے ہاتھوں ۔ احساسِ مروت ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
غم کھانے سے دُکھ سہنے سے خوں رونے سے صفدرؔ
کب مجھ کو فراغت ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا ۲۲۶

واصف علی واصف

واصف علی نام اور واصف تخلص کے ساتھ واصف علی واصف کے حوالے سے لکھا کرتے تھے۔ آپ خوشاب کے محلہ کنڈانانوالہ میں پیدا ہوئے۔ کنڈان دراصل اعوان قبیلے کی Sub caste ہے۔ جو حضرت قطب شاہ کے بیٹے محمد کندلان جسے برصغیر میں کنڈان میں تبدیلی کر دیا گیا کی اولاد ہے۔ واصف علی واصف کا تعلق بھی کنڈان خاندان سے ہے۔ آپ کی تاریخ ولادت میں اختلاف پایا

Marfat.com

جاتا ہے۔ جس کی طرف ثروت طارق حبیب نے توجہ دلائی ہے۔ اُس کا کہنا ہے:

''واصف علی واصف کی تاریخ ولادت میں کچھ اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں واصف صاحب کی ہمشیرگان اور بھائی سے رابطہ کیا تو انہوں نے جو تواریخ ارسال فرمائیں ان سب میں اختلاف موجود تھا۔ کسی کی بھیجی ہوئی تاریخ دوسری سے متفق نہیں تھی۔ پہلی تاریخ ۱۹۲۸ء اور دوسری تاریخ ۲۳ مارچ ۱۹۳۱ء ہے۔ تیسری تاریخ یکم جنوری ۱۹۲۹ء اور چوتھی تاریخ ۱۵ جنوری ۱۹۲۹ء ہے۔ یوں چوتھی تاریخ کو اس لئے حتمی قرار دیتے ہیں کہ واصف صاحب کے شناختی کارڈ اور میٹرک کی سند پر بھی یہی تاریخ درج ہے۔''[۲۷]

یہی تاریخ یعنی ۱۵ جنوری ۱۹۲۹ء ''ضلع خوشاب۔ تاریخ، ثقافت، ادب''[۲۸] میں ہے۔ یہی تاریخ ''دیدۂ خوش آب''[۲۹] میں رقم ہے لیکن جہاں تک میری ذاتی سوچ کا تعلق ہے وہ یہ کہ اُس عہد کو سامنے رکھ کر ہمیں تحقیق کے دائرے کو پھیلانا چاہیے۔ واصف صاحب نے ۱۹۴۲ء میں مڈل اور ۱۹۴۴ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا تھا۔ اُس وقت مڈل پاس کرتے ہوئے سکول میں کم از کم ۹ سال لگ جاتے تھے۔ ایک سال کچی پہلی، ایک سال پکی پہلی اور سات سال بعد میں۔ یوں اگر ۱۹۴۲ء سے ۹ کو منہا کیا جائے تو ہمارے پاس ۱۹۳۳ء کا سن نکلتا ہے۔ لہذا یہاں ۱۹۳۱ء والی تاریخ پیدائش کا تو مکمل رد ہو جاتا ہے کہ ۲ سال کی عمر کا بچہ سکول نہیں جا سکتا۔ اس دور میں پانچ سال سے کم عمر بچے کو سکول میں داخل نہیں کیا جاتا تھا اور نہ ہی والدین داخل کرواتے تھے۔ یوں ۱۹۳۳ء میں پانچ سال گھر والے نکال دیئے جائیں تو ۱۹۲۸ء کا سن نکلتا ہے اور یہی سن میرے خیال میں درست پاتا ہے۔

واصف صاحب کے والد کا نام محمد عارف تھا۔ ماموں کا نام محمد امین تھا۔ یہ نام بتانے کا مقصد یہ ہے کہ واصف علی واصف کی زندگی کو سنوارنے میں اُن کے ماموں کا کردار ہم فراموش نہیں کر سکتے۔ میٹرک خوشاب سے اور ایف ایس سی انٹر کالج جھنگ سے کرنے کے بعد لاہور جا کر پڑھائی کو

Marfat.com

جاری رکھا۔ خود ٹیوشن پڑھاتے اور خاندان کی کفالت کے ساتھ ساتھ تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔ عجیب اتفاق کہ آپ انگلش کالج کے بانی اور ایم اے انگلش کے ٹیوٹر تھے۔ لیکن خود ایم اے نہ کر سکے آپ نے گھر میں بھی ''واصف آئیڈیل سکول'' کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ کھول لیا۔ جس کا انتظام آپ کی زوجہ کے ہاتھ میں تھا۔ یہاں یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ آپ کے بھائی شوکت محمود، آپ سے عمر میں بہت چھوٹے ہیں۔ لیکن شوکت محمود کی شادی پہلے ہوئی اور واصف صاحب کی بعد میں۔

واصف صاحب آخری عمر میں بلند فشارِ خون کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے۔ پاکستان کے علاوہ برطانیہ بھی بغرضِ علاج تشریف لے گئے۔ لیکن افاقہ نہ ہوا۔ بلکہ گردے بھی متاثر ہوئے۔ اور پھر اسی حالت میں ۲۴ رجب المرجب ۱۴۱۳ھ بروز سوموار بمطابق ۱۸ جنوری ۱۹۹۳ء کو وفات پائی۔ دوسرے دن تمام قومی اخبارات میں بڑی نمایاں خبریں شائع ہوئیں "The Nation" نے لکھا۔

> "Prominent intellectual, philosopher and poet Wasif Ali Wasif died here on Monday after a prolonged illness. He was 64.
> Wasif Was a philosopher and poet par excelence. His works of poetry nd philosophy make him a towering figure in the field of literature and a philosophy."۳۰

آپ کی نماز جنازہ ڈپٹی ڈائریکٹر پبلک ریلشنز جناب امانت انوار نے پڑھائی اور میانی صاحب کے دربار میں آپ کی تدفین ہوئی۔ اب ہر سال اسلامی مہینہ کی ۲۴ رجب کو آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔

محمد ظہیر بدر کے مطابق واصف علی واصف صاحب دسمبر ۱۹۴۹ء میں خواجہ نظام الدین اولیاء کے عرس کی تقریبات میں شرکت کے لئے گئے۔

''ہندوستان سے واپس آنے کے بعد واصف میں ایک واضح

Marfat.com

تبدیلی تو یہ آئی کہ انہوں نے شعر کہنا شروع کر دیئے حالانکہ اس سے پہلے وہ
شعر نہیں کہتے تھے"۔۳۱ء

جبکہ علامہ یوسف جبریل صاحب کا کہنا یہ ہے کہ

"میں نے جب "نعرہ جبریل" لکھی اور واصف صاحب کو سنائی
تو وہ تڑپ اٹھے اور پھر انہوں نے بھی شعر کہنا شروع کر دیا"۔۳۲ء

لیکن تحریری طور پر جو اس کا ثبوت ملتا ہے وہ ڈاکٹر تصدق حسین راجا کے الفاظ میں:

"شاید ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۴ء کا زمانہ تھا۔ جب حضرت واصف علی
واصف نے حضرت علامہ محمد یوسف جبریل کو بہت سنا یہ حقیقت ہے کہ اتنے
بڑے بولنے والے انسان (ایک سمندر کی مانند ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر)
حضرت علامہ محمد یوسف جبریل کے ساتھ بیٹھتے تو خاموشی سے حضرت علامہ
صاحب کی گفتگو سنتے رہتے تھے۔ جناب واصف علی واصف کو انگریزی لٹریچر
سے روحانی لٹریچر کی طرف منتقل کرنے میں جن روحانی شخصیات کا ہاتھ ہے
اُن میں علامہ صاحبؒ کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا"۔۳۳ء

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ

"نعرۂ جبریل" کی شاعری نے حضرت واصف پر بہت گہرا اثر
چھوڑا اور انہوں نے بھی شاعری کی جس میں روحانیت اعلیٰ درجے کی موجود
تھی"۔۳۴ء

نعرۂ جبریل علامہ محمد یوسف جبریل کا پہلا شعری مجموعہ ہے لیکن جن دنوں کی یہ بات ہے
تب تک وہ صرف ایک نظم کی صورت میں قلمی مسودہ تھا۔

بہر حال انہوں نے شعر جیسے بھی اور جن حالات میں بھی کہنا شروع کیا۔ جب کہا تو پھر
روحانیت اور تصوف بھر کر رکھ دیا۔ واصف علی واصف نے نثر، نثر پارے، نظم، کالم غرضیکہ اردو، پنجابی

Marfat.com

اور انگریزی میں بہت کچھ لکھا اور اس سے بھی بڑھ کر اُن کی گفتگو کا وہ سلسلہ ہے جس نے بڑے بڑے دانشوروں کو نہ صرف ہلا کر رکھ دیا بلکہ آپ کے قدموں میں بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔ آپ کی جو تصانیف منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ اُن کے نام ہیں

(۱)۔کرن کرن سورج (نثر پارے)	(۲)۔دریا دریا سمندر (مضامین)
(۳)۔قطرہ قطرہ قلزم (مضامین)	(۴)۔حرف حرف حقیقت (مضامین)
(۵)۔بات سے بات (نثر پارے)	(۶)۔گمنام ادیب (خطوط)
(۷)۔مکالمہ (انٹرویو)	(۸)۔دریچے
(۹)۔ذکر حبیب (نعت)	(۸)۔The Beaming Soul

(۱۱)۔Ocean in Drop آپ کے انگریزی نثر پاروں کا مجموعہ ہے۔

ان کے علاوہ ۲۸ جلدوں میں سوال جواب کا سلسلہ جو ''گفتگو'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے اور ابھی تک جاری ہے۔ نجانے کتنے کیسٹس میں گفتگو کا یہ سلسلہ بند ہے جو ایک ایک کر کے سامنے آ رہا ہے۔ مزید یہ کہ پنجابی زبان میں ایک شعری مجموعہ ''بھرے بھڑولے'' اور دو شعری مجموعے بزبان اردو بعنوان ''شب چراغ'' اور ''شب راز'' بھی شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کی شخصیت اور فن کے حوالے سے بھی بہت سی کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ پروفیسر محمد ظہیر بدر کے ایم فل کا مقالہ ''واصف علی واصف۔ احوال و آثار'' بھی کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔ ثروت طارق حبیب نے بھی ایم اے کا مقالہ واصف علی واصف کے بارے لکھا ہے جو ابھی تک پنجاب یونیورسٹی میں محفوظ ہے۔ اُن کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں نے آپ کی کتب پر، آپ کی شخصیت پر اور آپ کی روحانیت کے بارے تحریری طور پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

واصف علی واصف نے اپنی شاعری میں جن موضوعات پر بات کی ہے۔ اُن میں تصوف، وطنیت، سیاست، تہذیب، معاشرت، اور خمریات وغیرہ شامل ہیں۔ نمونۂ کلام ۔

Marfat.com

بارگاہِ صمدیت میں

تو ایک قلزمِ رحمت وسیع و بے پایاں
میں ریگ زارِ تمنا میں تشنۂ باراں

ترا جمال کہ ہے کائنات کی تنویر
میں اک مسافرِ شب تیرگی میں سرگرداں

تو ایک راز کہ ظاہر میں ہو تو پُراسرار
میں تیرے راز کا محرم میں تیرے فن کا نشاں

تو سامنے ہو تو چھن جائے تابِ نظارہ
میں آئینے میں ہوں گم مثلِ دیدۂ حیراں

تو لامکاں کا مکیں اپنی ذات میں تنہا
مری شریکِ سفر کیوں ہو گردشِ دوراں

تو وہ کہ نور سے تیرے ضیائے ارض و سما
میں تیرہ شب میں تمنائے روزنِ زنداں

تو خود قریبِ رگِ جاں رہے تو بات الگ
میں دوریٔ شبِ ہجراں میں شورشِ گریاں

تو ایک برقِ تجلی کہ ہر وجود میں تُو
میں ایک سنگ کہ اپنے وجود میں لرزاں

تو وہ قدیم کہ آغاز ہے نہ ہے انجام
میں وہ کہ حادث و فانی و بے خبر انساں

تو ہر خیال کی رفعت سے ارفع و اعلیٰ
میں لاؤں کون سے الفاظ شان کے شایاں

تو آسکے تو مرے غم کی کائنات میں آ
میں آ گیا تری چاہت میں اب کہاں سے کہاں

عجب نہیں تو مرے غم کدے میں آ جائے
عجب نہیں کہ مرے درد کو ملے درماں

بجا کہ لطف و کرم بے کنار ہے تیرا
بجا کہ مجھ کو ہے احساس تنگیٔ داماں

نگاہِ فکر سے پردے اٹھا مرے مولا
سرِ فلک بھی دھواں ہے سرِ نظر بھی دھواں

تجھے ہے واسطہ تیری بقائے مطلق کا
مرے وطن کی بقا کا بھی کچھ تو ہو ساماں

تو ہی بتا کہ تجھے کیا کہے ترا واصف
ملے زبان کو دل یا عطا ہو دل کو زباں ۱۹۳۵ء

غزل

ظاہر ہے گرچہ جسم مرا بے خراش ہے
احساس کا وجود مگر قاش قاش ہے

تیری نظر ہے مطلعِ انوارِ صبح پر
میری نظر میں ڈوبتے سورج کی لاش ہے

Marfat.com

آواز دے کے آپ تو خاموش ہو گئے   میرے لہو میں اب بھی وہی ارتعاش ہے
سنگِ خزاں سے دستِ صبا نے لیا ہے کام   آئینۂ جمالِ چمن پاش پاش ہے
انسانیت کی موت ہے وہ دورِ اقتدار   جس دور میں ''صحیفۂ فطرت'' نراش ہے

واصف یہ کس مقام پہ لایا مجھے جنوں
اب اُن کی جستجو ہے نہ اپنی تلاش ہے[۳۶]

نصرت چوہدری

ریاست علی نام کا یہ شخص جسے دنیا نصرت چوہدری کے حوالے سے جانتی ہے ۴ اپریل ۱۹۲۹ء کو چک نمبر ۹۹ شمالی ضلع سرگودھا میں پیدا ہوا۔ آپ کے والد چوہدری روشن دین گاؤں کے نمبر دار اور ایک معتبر شخصیت کے حامل تھے۔

چوہدری ریاست علی نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں سے حاصل کی۔ اور لوئر مڈل کے بعد چک نمبر ۸۸ شمالی کے فارسی مڈل سکول میں داخل ہوئے۔ مڈل کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ سناتن دھرم ہائی سکول سرگودھا میں داخل ہو گئے لیکن کچھ ہی عرصہ بعد فوج میں بھرتی ہو گئے۔ وہاں جی نہ لگا تو واپس آ کر دوبارہ تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا اور اسی دور میں آپ نے شعر کہنا بھی شروع کر دیا۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ سرگودھا شہر کے شعراء سے بھی ملنے کا سلسلہ جاری کیا۔ شاعری پڑھنا اور کچھ کچھ لکھنا بھی مشغلہ رہا۔ میٹرک کے بعد کالج میں داخلہ لیا تب بھی اس شغل کو جاری رکھا گریجوایشن کیا اور پھر ملازمت میں آ گئے۔ بھکر قیام کے دوران کچھ ایسا ماحول ملا کہ شاعری کی روح سے اور جدید غزل کی فطرت سے آگاہی ہوئی۔ یہاں خلیل رامپوری، منشا پانی پتی، شکیب جلالی اور رشک صدیقی جیسے شعراء کی محفل میں آپ نے غزل کو ایک نیا رخ دینے میں معاونت بھی کی اور محنت بھی۔

ملازمت کے دوران جوہر آباد اور سرگودھا میں بھی قیام رہا تو ادبی حلقوں سے ملاقاتیں، مشاعرے، مباحثے اور سیکھنے سکھانے کا سلسلہ کہیں بھی ٹوٹنے نہیں پایا۔ آپ کی زبانی ایک واقعہ میں

Marfat.com

یہاں بیان کرنا چاہوں گا:

''کچھ لوگوں نے دانستہ آپ کو سامنے نہیں آنے دیا۔ پی ٹی وی والوں نے ان کا پروگرام ریکارڈ کیا۔ لیکن جناب احمد ندیم قاسمی اس کو آن سکرین لانے میں رکاوٹ بن گئے۔ صرف اس لئے کہ نصرت چوہدری کہیں آگے نہ نکل جائے۔'' ۴۳۷

یہ حقیقت ہے کہ نصرت چوہدری اگر ''زینہ ءصدا'' جیسی شاعری کو لے کر آگے بڑھتا تو شکیب سے آگے نکل چکا ہوتا لیکن اس ماحول سے کٹنے کے بعد اس کی شاعری میں وہ لطف برقرار نہیں رہ سکا۔ اگرچہ آج بھی آپ کے لاتعدا اشعار چونکا دیتے ہیں۔ راقم نے آپ پر ایک مضمون میں لکھا تھا۔

''کسی ادیب یا شاعر کے بڑے پن کا فیصلہ آنے والا وقت کرتا ہے۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ لمبے ہاتھ پاؤں والے ادیب اور شاعر دور سے ہاتھ ہلا کر دیپ کو بجھا دیتے ہیں یا پھر اسی سے اپنا دیپ جلا کر منظر نامے پر زیادہ قریب رکھ دیتے ہیں۔ جبکہ دوسرے کو پیچھے دھکیل دیتے ہیں لیکن یہ کیفیت زیادہ عرصے تک نہیں رہتی اور ہوا کا تیز جھونکا وقتِ مقررہ پر منظر نامے کے دیپ کو اور منظر دونوں کو بجھا دیتا ہے۔

نصرت چوہدری ایک ایسا شاعر ہے جس نے اپنی کٹیا میں بیٹھ کر چراغ روشن رکھے ہیں اس سے روشنی نکلی لیکن ادب کے حکمرانوں کو وہ روشنی چندھیا دینے والی لگی تو اس پر پہرے بٹھا دیئے۔'' ۴۳۸

نصرت چوہدری نے ساری زندگی ایک بھرے پُرے خاندان کے باوجود سرگودھا میں اکیلے گزار دی۔ بچیاں وغیرہ گاؤں میں رہیں اور وہ شہر میں جہاں انہوں نے پڑھنے لکھنے کو ہی اپنا وطیرہ بنائے رکھا۔ آپ کے سات شعری مجموعے ''زینہ ءصدا''۔ ''دیا اور درخت''۔ ''حسن خوشبو روشنی''۔ ''پتے پیپل کے''۔ ''کروٹ اور انگڑائی''۔ ''دستک اور دریچہ'' اور ''ضربِ خیال'' شائع ہو

Marfat.com

چکے ہیں۔ جبکہ ''سفرِ عمرہ گرفتِ الفاظ میں'' عمرہ مبارک کے سفر کی روداداور'' کچھ دیر پہلے نیند سے'' آپ کی مختصر سوانح حیات ہے۔ نیز آپ کی شخصیت اور فن کے بارے ''عروسِ غزل اور نصرت چوہدری'' کے عنوان سے اخلاق عاطف اور عنصر سہیل نے ایک کتاب مرتب کر کے کافی عرصہ پہلے شائع کرائی تھی۔ یونیورسٹی آف سرگودھا آپ کی شاعری اور شخصیت پر مقالہ بھی لکھوا چکی ہے۔آپ نے ۲۶ مارچ ۲۰۱۰ء کو وفات پائی اور اپنے گاؤں کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

غزل

مجھ کو مرے کمرے کی ہوا راس نہ آئی — گلدان سے جب مجھ کو تری باس نہ آئی
پھر بھی تری تصویر مرے پاس نہ آئی — میں کھول کے بیٹھا رہا آنکھوں کے دریچے
افسوس کہ وہ غیرتِ الماس نہ آئی — ہونٹوں کی فصیلوں پہ بھی میں دیپ جلاتا
ذہنوں میں اگر گرمیء احساس نہ آئی — لفظوں کو اجالوں کا لہو. پینا پڑے گا
جب خیمہء شبنم میں ہری گھاس نہ آئی — تیروں کی طرح اس پہ برسنے لگی کرنیں

اس آنکھ میں اک ایسی بھی تحریر تھی نصرتؔ
جس میں ابھی رنگینیء قرطاس نہ آئی ۴۹؎

☆

مجھے اس شہر کے باسی بڑے مظلوم لگتے ہیں — ہوائیں چیختی پھرتی ہیں گھر مغموم لگتے ہیں
یہ پتے جو غزل کے شعر کا مفہوم لگتے ہیں — بڑے غصے میں ہیں بوڑھے شجر کی کس حماقت پر
کبھی تقدیر لگتے ہیں کبھی مقسوم لگتے ہیں — یہ ہنستے کھیلتے گلیوں کی زینت خوش نما چہرے
تو نامعلوم اندیشے بھی پھر معلوم لگتے ہیں — صدا کانوں سے ٹکراتی ہے جب زخمی پرندوں کی
صدا کے دیپ پھر ہر شاخ پر مرقوم لگتے ہیں — اٹھا کے ہاتھ جب موسم بدلنے کی دعا مانگیں

کبھی جب قافلہ نصرتؔ تھکن محسوس کرتا ہے
تو پھر نقشِ قدم بھی ریت پر معدوم لگتے ہیں ۵۰؎

Marfat.com

نواب مخمور

شیخ نواب علی نام اور مخمور تخلص ہے۔ آپ ۱۹۳۰ء میں موضع بھوانی ضلع حصار ۱۴۱ میں پیدا ہوئے۔ قبل ازیں راقم نے اپنی کتاب ''نعت گویانِ سرگودھا'' میں آپ کا سنِ ولادت 1915ء تحریر کیا ہے۔ جو پھلروان کے ایک معتبر شاعر افضل گوہر نے اندازاً بتایا تھا۔ گویا اب اُسکی تصحیح کی جارہی ہے۔

شیخ نواب علی مخمور کے والد کا نام محسن۔ جو اپنا کاروبار کرتے تھے۔ حالات چونکہ اچھے نہیں تھے اس لئے نواب علی بھی تعلیم حاصل کرنے سے قاصر رہے۔ لیکن اُن کا مشاہدہ اور مطالعہ اُن کی شاعری کا سبب بنا۔ قیامِ پاکستان کے بعد انہوں نے ہجرت کی اور ضلع سرگودھا کے ادبی مرکز پھلروان کو اپنی جائے سکونت منتخب کیا۔ سعید دوشی کا کہنا ہے کہ:

''میں جب چھوٹا تھا تو انہیں دیکھتا کہ وہ بلا کسی لالچ کے لوگوں کے کام کر رہے ہیں اور خوش باش زندگی گزار رہے ہیں۔'' ۱۴۲

شیخ نواب علی بہت خوبصورت اور اپنے رنگ میں شعر کہتے تھے۔ استادانہ رنگ اُس میں سے صاف جھلکتا تھا۔ ایک مجموعہ ''پیرِ مغاں'' کے نام سے ترتیب دیا تھا۔ جو شائع نہ ہوسکا۔ لیکن اب اس کلام کا کوئی پتہ نہیں کہ کہاں گیا اور کس کے پاس ہے۔ آپ نے شاعری میں حمد، نعت، نظم اور غزل میں طبع آزمائی کی۔

راقم کو اُن کی قبر پر حاضری کا اتفاق ہوا تو اُن کی زندگی فوراً ذہن میں گھوم گئی۔ بوسیدہ اور خستہ قبر کی طرح اُن کی زندگی بھی گمنامی اور معاشی بدحالی میں جیسے گزری ہوگی اُسے سمجھنے میں ذرا بھی مشکل پیش نہیں آئی۔ لیکن بہرحال اُن کا جو تھوڑا بہت کلام محفوظ ہے۔ یہ اُن کی موجودگی کا کسی نہ کسی حد تک احساس دلاتا رہے گا۔'' آپ نے ۲۱ مارچ ۱۹۹۹ء کو پھلروان میں وفات پائی۔'' ۱۴۳

غزل

دن میں ہم ہوں گے کہاں رات کہاں گزرے گی

Marfat.com

خوب گزرے گی تیرے ساتھ جہاں گزرے گی
بے گناہی کا یقیں پہلے دلاؤں ورنہ
''بدگمانی میں ہر اک بات گراں گزرے گی''
یہ ہے تعبیر محبت کے حسیں خوابوں کی
جو بھی گزرے گی باندازِ فغاں گزرے گی
اب تو سایہ ہے نشیمن پہ ہرے پتوں کا
ہوگا کیا حال کہ جب بادِ خزاں گزرے گی
بے خطر چین سے فٹ پاتھ پہ سونے والے
یہ بھی سوچا ہے کہ برسات کہاں گزرے گی
بے مروت دلِ مخمور بہت نازک ہے
بے رخی آپ کی یہ بارِ گراں گزرے گی ۲۰۰۳ء

☆

کچے گھر میں بیٹھ کر محلوں کے منظر سوچنا
بھول کر اوقات اپنی سنگِ مرمر سوچنا
یوں تو اونچی سوچ بھی اچھی ہے یہ مانا مگر
اپنے قد کو دیکھ کر اس کے برابر سوچنا
مت بنائیں آپ اس ماحول میں شیشے کا گھر
سر پھروں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں پتھر سوچنا
اس کی میری سوچ کے انداز میں یہ فرق ہے
میرا سوچا ہے اٹل اس کا مکرر سوچنا
کر لیا جب تم نے اے مخمور پیمانِ وفا
اب تو بس اس عہد کا پابند ہو کر سوچنا ۲۰۰۵ء

Marfat.com

پروفیسر ساقی الحسینی

''ساقی الحسینی کا اصل نام ظہیر الحق تھا۔ لیکن خاندان کے لوگ انہیں انوار الحق کہا کرتے تھے۔ وہ ۱۹۲۸ء یا ۱۹۳۰ء میں تحصیل گوہانہ ضلع رہتک (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام حافظ سید ظہور احمد تھا اور وہ سہارن پور کے رہنے والے تھے۔''[۲۶]

یہاں چونکہ ولادت کے حوالے سے دو سن دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے اگر کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے کہ وہ صحیح ہے تو میرا قیاس ۱۹۳۰ء پر جا کر ٹھہرے گا۔ گوہانہ ظہیر الحق کا ننھیال تھا۔ اور چونکہ سید ظہور احمد جلد ہی فوت ہو گئے تھے اس لئے سید ظہیر الحق کی پرورش اپنے دیگر بہن بھائیوں کے ساتھ نانی کے پاس ہی ہوئی۔ اسی شہر سے انہوں نے ۱۹۴۷ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ تقسیمِ ہند کے فوراً بعد اپنے بہن بھائیوں اور نانی کے ہمراہ پاکستان میں آئے۔ اور ملتان میں رہائش پذیر ہوئے۔

ساقی الحسینی نے گورنمنٹ گرلز مڈل سکول لیہ سے بطور کلرک اپنی ملازمت کا آغاز کیا۔ جسے بعد میں ہائی سکول کا درجہ دے دیا گیا۔ اس کے بعد آپ کا تبادلہ مظفر گڑھ ہو گیا۔ جعفر بلوچ ان کی تعلیمی محنت شاقہ کے بارے لکھتے ہیں کہ:

''ان ملازمتوں کے ساتھ ساتھ ساقی صاحب اپنی تعلیم کی تکمیل کے لئے بھی کوشاں رہے۔ چنانچہ غالباً ۱۹۵۵ء میں انہوں نے ایف۔اے اور ۱۹۵۷ء میں بی۔اے کے امتحانات پاس کر لئے۔ ایک گروپ فوٹو سے معلوم ہوتا ہے کہ ۸۔۱۹۵۷ء میں ساقی صاحب نے سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے بی۔ایڈ کیا۔۔۔ غالباً ۱۹۶۰ء میں ساقی صاحب نے پرائیویٹ امیدوار کے طور پر پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم۔اے اردو کا امتحان پاس کیا۔''[۲۷]

جب ایم اے پاس کیا تو اس وقت تک آپ گورنمنٹ ہائی سکول خانیوال میں بحیثیت استاد

Marfat.com

تعینات ہو چکے تھے۔اور پھر آپ نے لیکچررشپ کے لئے کوشش کی جس میں کامیابی پر گورنمنٹ انٹر کالج ملتان میں ان کا تقرر ہوا۔۱۹۶۳ء میں آپ کا تبادلہ کوئٹہ ہو گیا اور جب ۱۹۷۰ء میں ون یونٹ ختم ہوا تو انہیں گورنمنٹ کالج سرگودھا میں بھیج دیا گیا۔ جہاں آپ زندگی کے آخری لمحات یعنی وفات ۲۴ اگست ۱۹۷۴ء تک رہے۔آپ سے قبل آپ کی زوجہ نے بھی سرگودھا میں وفات پائی اور یہیں دفن ہوئیں۔

ساقی الحسینی اردو نثر اور نظم دونوں میں طبع آزمائی کرتے تھے۔گورنمنٹ کالج سرگودھا کے علمی وادبی مجلہ ''ضیابار'' کے ایڈیٹر بھی رہے اور اس مجلہ میں آپ کی تحریریں بھی شامل ہیں۔لیکن آپ کی تمام نگارشات پر پردہ پڑا رہا۔یہاں تک کہ ۲۴ سال بعد چند ایک تحریریں پروفیسر فیاض احمد فیضی (یونیورسٹی آف سرگودھا) کی وساطت سے تلاش کر کے جعفر بلوچ نے ''اشارات'' کے عنوان سے انہیں ترتیب دیا۔

جناب ساقی الحسینی ایک استاد، ایک عالم، ایک ادیب، ایک شاعر اور ایک نقاد تھے۔
پروفیسر ساقی الحسینی کے شاعر ہونے کی تصدیق ڈاکٹر عاصی کرنالی کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے کہ:

> ''ساقی الحسینی کیونکہ شاعر ہیں اس لئے ان کے اسلوب میں ثقالت اور کھردرے پن کی بجائے ایک شاعرانہ دلکشی اور دلنوازی کی شان ملتی ہے۔''[۲۴۸]

اور وہ شان کیا ہے بس ایک ہی دستیاب نظم اور چند اشعار سے اخذ کریجئے ۔

نذرِ اقبال

اے شاعرِ سرشار مے حکمت و عرفان ‌ ‌ ہر شعر ترا آئینۂ علمِ فراواں
آنکھوں میں تری شاہدِ کونین کے جلوے ‌ ‌ ہاتھوں میں ترے لیلیٰ آفاق کا داماں
ادراک پہ چھایا ہوا احساس کا بادل ‌ ‌ جذبات کا سینے میں نہاں بحرِ خروشاں
ہر لرزشِ مژگاں میں بصیرت کا ترنم ‌ ‌ ہر جنبشِ لب میں تری اسرار غزل خواں
اندیشہ ترا نور فشاں صورتِ قندیل ‌ ‌ گفتار منور، صفتِ شمعِ فروزاں

Marfat.com

ضوبار خیالات کے چھلکے ہوئے تارے ظلمت کدۂ دہر میں ہے جن سے چراغاں

تخئیل تری پردہ کشائے رخ ہستی تدبیر تری شانہ کشِ گیسوئے دوراں

کاخِ امراء پر کبھی افکار کی یورش تقریر کا موضوع ہے کبھی مرد کہستاں

تنقید کی زد میں کبھی پیرانِ شکم سیر عنوانِ مباحث ہے کبھی جہل فقیہاں

یوں ربط دیا تو نے حکایاتِ جنوں کو اک خواب پریشاں ہوئیں آیاتِ حکیماں

ہر دل کو منور کیا قندیلِ خودی سے انساں ہوا خودداریِ انساں کا نگہباں

اب فیض سے تیرے ہے سرِ جادۂ منزل

حیرت کدۂ دہر میں بھٹکا ہوا انساں ۴۹؎

انتخاب

عرش والے مری افتاد کی عظمت دیکھیں تارے تارے پہ مرا نقشِ کفِ پا ہو گا

دوستو فکر کہ تنویر سحر سے پہلے رنگ رخسارۂ شب اور بھی گہرا ہو گا

خوئے تسلیم نے انساں کی تراشے ہیں یہ بت ورنہ کیا تختِ کیاں، تاجِ سلیماں بنتے

یہ تو آواز تمہاری تھی کہ ہم لوٹ آئے حادثے کیا سببِ ترکِ گلستاں بنتے

یاد آتے ہیں جو گزرے ہوئے لمحات کبھی چند سائے سے گریزاں نظر آتے ہیں مجھے

قصہ زیست میں ترتیب کہاں سے لاؤں ان کے گیسو جو پریشاں نظر آتے ہیں مجھے

زمانہ جانتا ہے ساقی الحسینی کو

یہ شخص مرتبہ دان بہار گزرا ہے ۵۰؎

ڈاکٹر جی ایم اکمل

غلام مرسلین نام، اکمل تخلص اور ہومیو پیتھک ڈپلومہ ہولڈر ہونے کے باعث ڈاکٹر سابقہ

Marfat.com

استعمال کرتے تھے۔ ''۱۰۰ مشہور شعراء'' ۵۱ کے مطابق آپ ۱۵ جنوری ۱۹۳۱ء کو پیدا ہوئے۔ لیکن شاید یہ سنِ ولادت غلطی سے لکھا گیا ہے۔ کیونکہ آپ اپنے بارے خود لکھتے ہیں کہ:

> ''۱۵ جنوری ۱۹۲۱ء کو کسی ساعت میں سرگودھا کے ایک نواحی دیہات میں پیدا ہوا۔ والد بزرگوار کا نام علی محمد ہے...... والدین نے بڑے ناز و نعم سے پالا پوسا اور پانچ برس کی عمر میں ابتدائی تعلیم کی غرض سے اسکول میں داخل کرا دیا لیکن اسکول کی تعلیم راس نہ آئی اور خود اپنے ذوق کی تکمیل میں مصروف ہو گیا۔ کثرتِ مطالعہ نے مجھے بہت فائدہ پہنچایا اور نتیجہ میں میری تحریر پختہ ہوتی گئی۔ ادبی جرائد کا مطالعہ میرے دبے ہوئے جذبات کو ابھارنے میں معاون ثابت ہوا۔ چونکہ اساتذۂ سخن کے دواوین کو اچھی طرح پڑھ چکا تھا اس لئے فطری رجحان پر شعر و شاعری کا بہت اثر ہوا اور شعر موزوں ہونے لگے۔ ایک سال کے قلیل عرصہ میں پنجاب یونیورسٹی کے تین امتحانات، منشی فاضل، ادیب فاضل، اور میٹرک پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت سے امتیازی نمبروں میں پاس کئے۔ اس کے بعد مولوی فاضل، ایف اے اور ہومیو پیتھک کی ڈگریاں بہترین نمبروں سے حاصل کیں۔ میرے مضامین اور منظومات مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکے ہیں''۔ ۵۲

نجانے آپ نے سرگودھا کے اُس نواحی دیہات کا نام کیوں نہیں لکھا جس میں آپ کی پیدائش ہوئی تھی۔ جبکہ ڈاکٹر محمد منیر سلیچ نے تاریخ پیدائش میں تھوڑی سی تبدیلی یعنی ۲۰ جنوری ۱۹۲۰ء کے ساتھ اُس جگہ کا نام بھاگٹانوالہ ۵۳ تحریر کیا ہے۔ اور اس کی تصدیق جی ایم اکمل کی اس تحریر سے کی جاسکتی ہے کہ:

> ''۲۴ جنوری ۱۹۴۹ء کو میرے اہتمام سے بھاگٹانوالہ ضلع سرگودھا میں مشاعرہ ہوا جس کی صدارت جناب سید اصغر علی شاہ احسن ڈپٹی

Marfat.com

انسپکٹر آف سکولز راولپنڈی ڈویژن نے فرمائی تھی۔'' ۵۴؎

اس مشاعرے کا ذکر کبھی کبھی احباب کی محفلوں میں ہمارے بزرگ شعراء آج بھی کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ شاید اس سے پہلے یا اس کے بعد ایسا مشاعرہ بھاگٹانوالہ میں دیکھنے میں نہیں آیا۔

جی ایم اکمل نے جب شعر کہنا شروع کیا تو کچھ عرصے بعد اپنی ایک نظم مولانا غلام رسول مہر مدیر انقلاب کو اصلاح کیلئے بھیجی جس پر انہوں نے اپنی رائے دی :

''عزیزم اکمل صاحب نے جب مجھے اپنی ایک نظم بغرضِ اصلاح دکھائی تو میں فرطِ حیرت سے استعجاب میں رہ گیا کیونکہ بجائے خود یہ نظم قادر الکلامی اور پختہ ذہنی کی بین دلیل ہے۔ توقع ہے کہ موجودہ دور کے بہترین ادباء اور شعراء میں موصوف جگہ حاصل کرلیں گے۔'' ۵۵؎

جی ایم اکمل نے اگرچہ ہومیو پیتھک میں ڈپلومہ بھی لے رکھا تھا اور اسے بطور پیشہ استعمال کرسکتے تھے لیکن آپ نے تدریس کو اپنایا اور ہائی سکول بھاگٹانوالہ میں عربی ٹیچر کے طور پر فرائض ادا کرتے رہے۔ یہاں سے ریٹائرمنٹ کے بعد آپ بھکر چلے گئے۔'' جہاں آپ نے ۱۴ اگست ۱۹۹۴ء کو وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔'' ۵۶؎

جی ایم اکمل ایک شاعر، افسانہ نگار، ناول نگار، ڈرامہ نگار، اور مضمون نگار تھے۔ آپ کے دو ناول ''منچلا جوان'' اور ''حریم ناز'' شائع ہو چکے ہیں۔ جبکہ آپ کی غیر مطبوعہ کتب میں ''شاخِ نبات''، ''گلِ نسرین'' اور ''خوشہ پروین'' شعری مجموعے ۵۷؎ ہیں۔ ہار جیت، شرط، اور بکھرے گیسو آپ کے ڈرامے ہیں۔ جن میں سے مؤخر الذکر دونوں سٹیج ہو چکے ہیں۔ اصنافِ سخن میں آپ نے کوئی موضوع تشنہ نہیں چھوڑا۔ نظمیں، غزلیں، رباعیات، قطعات سبھی کچھ کہا۔ نمونہ کلام ملاحظہ فرمایئے۔

عجب افتادیہ دل پر پڑی ہے نظر اک بے مروت سے لڑی ہے
نہ حرف آئے محبت پر مبادا دلِ ناداں سنبھل منزل کڑی ہے
رنگینیاں شباب کی پیری میں آئیں یاد فصلِ خزاں میں شوق ہے موسم بہار کا

Marfat.com

شگوفے پھوٹنے پائے نہ تھے دورِ خزاں آیا
تماشا ہے کہ قبل از وقتِ امتحاں آیا

بستر کے قریب آ کے جونہی پوچھی طبیعت
منہ پھیر لیا اور کہا تم کو غرض کیا

تصور ہی تصور میں ملاقاتیں ہوئیں ان سے
شبِ فرقت بھرے تھے پھول کانٹے میرے دامن میں

دونوں جہاں کے عیش ہیں میرے نصیب میں
مجھ کو نہ چھیڑ محو ہوں ذکرِ حبیبؐ میں

ہوا بدلی ہے اکمل آج کل کچھ ایسی زنداں کی
ہر اک قیدی جنوں میں کر رہا ہے چاک دامن کو

چند روزہ زندگی سے تو نے حاصل کیا کیا
بسترِ غفلت سے اٹھ اکمل مآلِ کار سوچ

جس وقت کہ سر پر پڑتی ہے اُس وقت خدا یاد آتا ہے
دستور یہی ہے دنیا کا آرام میں کیا یاد آتا ہے

یاد ہے تیری محبت کا وداعی پیغام
چند قطرے جو پسینے کے جبیں سے چھلکے ۵۸

ظہیر الدین ظہیرؔ

ظہیر الدین جو استاد ظہیر کے نام سے بھی پکارے جاتے تھے۔ ۱۹ اپریل ۱۹۳۱ء کو انبالہ شہر کے محلہ قاضی واڑہ میں پیدا ہوئے۔ آپ ابھی طالب علم تھے جب آزادی کی لہر اٹھی اور مسلمانوں نے اپنے لئے ایک علیحدہ خطہ حاصل کیا۔ اس دور میں ظہیر الدین نے بھی اپنے والد وزیر محمد اور دیگر اہلِ خاندان کے ساتھ مہاجرت کی اور سرگودھا میں آ کر مقیم ہوئے۔ اور یہیں انبالہ مسلم ہائی سکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ کچھ عرصہ گردشِ روزگار کا شکار رہے اور پھر محکمہ انہار میں ملازمت اختیار کر لی۔ یہاں رشک ترابی جیسے انقلابی شاعر کی رفاقت میسر رہی۔ اگرچہ آپ کے اندر ایک شاعر موجود تھا جو کبھی کبھی سر اٹھاتا لیکن آپ اسے کوئی اہمیت نہ دیتے اور پھر ۱۹۵۱ء میں وہ شاعر ظہیرؔ بن کر ظہیر الدین کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ لہٰذا ظہیر الدین نے یہ ملازمت قبل از وقت چھوڑ دی اور ریٹائرمنٹ سے پہلے آپ چونکہ ڈرافٹسمین تھے لہٰذا اسی کو لے کر آگے بڑھے اور آرٹ کو ہی اپنا پیشہ بنا لیا۔ پھر کمرشل آرٹسٹ کی حیثیت سے بہت نام کمایا۔ اسی طرح شاعری کے میدان میں بھی آپ کی عزت افزائی ہوئی۔

Marfat.com

ظہیرالدین ظہیر فن کا شخص تھا۔ لہٰذا فن کسی بھی صورت میں ہو وہ فن ہی ہوتا ہے۔ اور جب آرٹ میں شاعری اور شاعری میں آرٹ مل کر یکجان ہو جائیں تو لطف ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ ظہیر کی تین کتابیں ''سائبان''۔ چاہتوں کے گلاب'' اور ''نعتِ مصطفیٰ'' شائع ہوئی ہیں۔ یہاں ان کی شاعری کے وہبی ہونے سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن کسی طور پر ایک کمی کا احساس بہرحال رہتا ہے۔ اور وہ یہ کہ ظہیر نے مطالعہ کو کچھ زیادہ وقت نہیں دیا۔ مطالعہ سے سوچ اور فکر میں ایک نکھار پیدا ہوتا ہے اور اسی کے اثرات شاعری پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ جو اگلی منزلوں کی طرف رہنمائی کرتے اور لے کر جاتے ہیں۔ بلکہ یہاں میں ظہیر کے سکول اور جوانی کے دوست رشک ترابی کے الفاظ دہرانا چاہوں گا:

''ظہیر بنیادی طور پر غزل کا شاعر ہے۔ اور وہ اس میدان میں کسی سے متاثر نظر نہیں آتا۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس کے پاس کوئی لمبی چوڑی لائبریری نہیں اور نہ ہی وہ وسیع مطالعے پر یقین رکھتا ہے۔ ظہیر ان شعراء کے زمرے میں نہیں آتا جن سے متعلق قیصر بارہوی نے لکھا ہے۔

الفاظ چن رہے ہیں صحیفوں کے کھیت سے کتنے ہنر سے فصلِ ہنر کاٹتے ہیں لوگ

مطالعہ کے میدان میں ظہیر کی بے بضاعتی کو سامنے رکھیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ظہیر کی شاعری کسبی نہیں وہبی ہے۔ بقول غالب ؏

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں''۵۹

ظہیرالدین ظہیر نے غزل کے علاوہ نظم بھی کہی ہے۔ قطعات بھی کہے۔ حمد و نعت سے بھی روح کی طراوت کا سامان کیا اور نغمات سے بھی دل کو بہلایا۔ لیکن غزل پر بہرحال انہیں مکمل عبور تھا۔ استاد ظہیر نے ۸۱ سال اس دنیائے ثبات میں گزار کر ۲۷ اپریل ۲۰۱۱ء بروز بدھ کو وفات پائی اور بڑے قبرستان میں دفن ہوئے۔

غزل

کہاں ملا تھا وہ اک بے وفا خدا جانے وہ ایک خواب تھا یا حادثہ خدا جانے

Marfat.com

جسے بھی دیکھو وہ تنہا دکھائی دیتا ہے
چلی ہے شہر میں کیسی ہوا خدا جانے
ہمیں تو کوئی کنارا نظر نہیں آتا
ترا ارادہ ہے کیا ناخدا، خدا جانے
چمن میں پھول بھی ہوتے ہیں اور کانٹے بھی
اداس کیوں ہے یہ بادِ صبا خدا جانے
نہ بات کرتا ہے ظالم نہ مسکراتا ہے
ہوئی ہے کون سی ایسی خطا خدا جانے
مرے نصیب میں کیا ہے میں کیسے بتلاؤں
مرے نصیب میں کیا ہے مرا خدا جانے

قسم تو کھا کے مرے ساتھ وہ چلا تھا ظہیرؔ
بدل گیا ہے وہ کیوں راستہ خدا جانے ۶۰؎

☆

ہر شخص اک سوال ہے سمجھے اگر کوئی
کتنا بڑا زوال ہے سمجھے اگر کوئی
ہر آنکھ میں ہے چاند ستاروں کی رہ گزر
ہر ہاتھ ایک جال ہے سمجھے اگر کوئی
مرنے کا حوصلہ بھی نہیں پاس کیا کریں
جینا بھی اب محال ہے سمجھے اگر کوئی
شہرِ جنوں کی سمت چلیں سرخ آندھیاں
اہلِ خرد کی چال ہے سمجھے اگر کوئی
زخمی پروں پہ لے کے اڑا ہوں بدن کی لاش
کیا رنج کیا ملال ہے سمجھے اگر کوئی
اشعار کی زبان میں دل کی حکایتیں
اپنا تو یہ کمال ہے سمجھے اگر کوئی

بیٹھے ہیں دل میں زخمِ جدائی لئے ظہیرؔ
ظاہر تو اپنا حال ہے سمجھے اگر کوئی ۶۱؎

ضامن علی حیدری

السید ضامن علی حیدر کبھی ضامن علی حیدری، سلسلہ وارثیہ سے بیعت، آپ کا پیدائشی نام محمد یار ہے۔ آپ ۸ مارچ ۱۹۳۲ء کو اوبی تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کھیتی باڑی کرتے تھے۔ آپ نے میٹرک کرنے کے بعد پنجابی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ آپ کو

Marfat.com

اوائل عمری میں ہی گاؤں سے نکلنا پڑا۔اور پھر زندگی کا زیادہ حصہ فیصل آباد اور ساہیوال میں گزارا۔ ساہیوال میں آپ کو مجید امجد کی ہمسائیگی میسر آئی تو شعری ذوق جو آپ کے اندر پنپ رہا تھا۔شعر بن کر سامنے آ گیا۔آپ نے صحافت کے شغل کو بھی اپنایا اور ساری زندگی اس سے منسلک رہے۔ آغاز آپ نے روزنامہ ''زمیندار'' سے کیا۔آپ نے سٹیٹ لائف انشورنس میں بھی ملازمت کی۔ رموز شاعری عبدالرشید اشک سے سیکھے۔اردو، پنجابی اور فارسی زبانوں کو اپنے اظہار کے لئے استعمال کیا۔صحافت اور شاعری دونوں میں آپ نے مزاحمتی رویہ اختیار کیا۔کچھ عرصہ آپ کو جیل کی ہوا بھی کھانا پڑی۔

ضامن علی حیدری نے جب شاعری شروع کی تو مستان علی حیدری کے نام کو اپنے لئے بہتر سمجھا۔لیکن بعد میں ضامن علی حیدری کے قلمی نام میں تبدیل ہو گئے۔کچھ عرصہ تو آپ شاعری میں سرگرم رہے۔پھر ایک خاموشی چھا گئی۔واپسی سرگودھا آنے کے بعد اس وقفے کو ختم کر دیا ہے اور پھر آپ مختلف رسائل میں دکھائی دینے لگے اور یہ سلسلہ وفات تک جاری رہا۔واپسی پر آپ سرگودھا شہر میں رہائش پذیر ہو گئے تھے جہاں ۲۷ جنوری ۲۰۱۲ء کو وفات پائی آپ کا کلام رسائل میں اتنا بکھرا پڑا ہے کہ یکجا کیا جائے تو ایک ضخیم مجموعہ کلام بن سکتا ہے۔محمود اسیر آپ کے بارے لکھتے ہیں:

''ترقی پسند ادب میں آپ کا نمایاں حصہ ہے۔اپنے نظریات کی وجہ سے اکثر زیرِ عتاب رہے ہیں اور چار بار تحفظِ امنِ عامہ آرڈیننس کے تحت تحریر، تقریر اور نظموں پر پابندی عائد ہوئی جس کی پاداش میں آپ کو خاصی مدت جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں کی ہوا کھانا پڑی آپ کی شاعری، بھوک، وافلاس، بے چینی اور انقلاب کی شاعری ہے۔

ضامن ایک دردمند دل کے مالک ہیں اور کچلے ہوئے، بے حال، مظلوم اور پسماندہ طبقات کے نمائندہ شاعر ہیں''۔۶۲ع

Marfat.com

غزل

ایک زمانہ بیت گیا ہمدرد وہی غم خوار وہی
درد وہی ہے ٹیس وہی ہے، زخم وہی آزار وہی
بال سفید ہوئے تو کیا یہ دل تو سرخ ابھی تک ہے
آوارہ گردی، شب باشی، سنگی، ساتھی، یار وہی
مٹی کی خوشبو نے مجھ کو کوسوں دور سے کھینچ لیا
پھر وہی کچے پکے رستے گاؤں کے بازار وہی
برسوں سے اک عادت سی ہے کل کو جانے کیا ہوگا
انجانا سا خوف وہی ہے سوچوں کا انبار وہی
قصبوں قصبوں شہروں شہروں پھرتے رہنا عادت ہے
فٹ پاتھوں پر بیٹھے رہنا اپنا کاروبار وہی
عزمِ سفر ہے ضامن حیدر پہروں سوچتا رہتا ہوں
کتنے ہی سر پھوٹ گئے ہیں لوہے کی دیوار وہی ۶۳ء

☆

ہزاروں دکھ ملے ہیں آگہی میں — بڑا ہی لطف تھا اس گمرہی میں
خدا جانے وہ کب گزرے ادھر سے — کھڑا ہوں کب سے نکڑ پر گلی میں
وہ شاید مہرباں ہونے لگی ہے — کوئی تو راز ہے خندہ لبی میں
مری اک عمر کا یہ تجربہ ہے — سکونِ دل کہاں ہے مے کشی میں
دلوں کے بھید سے واقف ہوں ضامن
زمانہ ہو گیا ہے عاشقی میں ۶۴ء

Marfat.com

سید تاجدار دہلوی

سید مصطفیٰ حسین نام تاجدار تخلص اور دہلی کی نسبت سے دہلوی کا دم چھلا ساتھ لگایا ہوا تھا جبکہ دہلی ان کی جائے پیدائش بھی نہیں تھی۔ ''آپ ۱۵ ستمبر ۱۹۳۲ء کو سادات بارہ ضلع مظفر گڑھ (انڈیا) میں پیدا ہوئے''۔۶۵؎ آپ کے بارے کہا جاتا ہے کہ طالب علمی کے زمانے میں کافی ذہین تھے۔آپ نے طب کی تعلیم بھی حاصل کی۔ تقسیمِ ہند کے بعد آپ نے ہجرت کی اور سرگودھا کو مسکن بنایا۔ یہاں آپ نے کاروبارِ حیات کے رخ بدل بدل کر دیکھے۔ کبھی ٹھیکیدار بنے۔ کبھی اسٹیٹ ڈیلر بنے۔ کبھی سیاست کے میدان میں نعرے بازی کی اور کبھی صحافت کی کرسی پر بیٹھے لیکن ان تمام سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ شاعری کو اس کا وقت دیا۔ اس حد تک کہ سرگودھا کا کوئی مشاعرہ آپ کی حاضری کے بغیر مکمل نہیں گردانا جاتا تھا۔ اہل زبان تو وہ تھے ہی۔ اُن کا اندازِ شعر خوانی بھی دلکش تھا۔ اور کہا جاتا ہے کہ جب وہ شعر پڑھتے تو آواز کے جادو سے سامعین کو مبہوت کر دیتے تھے۔ شعر بھی اچھا کہتے تھے فن پر بھی گرفت تھی جس بنا پر انہیں اساتذہ میں شمار کیا جاتا تھا۔ جبکہ وہ خود استاذ الشعراء جناب سیماب اکبرآبادی کے شاگرد تھے۔

صحافت میں وہ ''دعوت عمل'' کے مدیر رہے ہفت روزہ ''سلطان'' اور ''مزارع'' کے بھی مدیر رہے۔ محمود اسیر اُن کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> ''تاجدار دہلوی سرگودھا میں تاجدارِ سخن کے نام سے پہچانے جاتے ہیں اور ان کی فنی کاوشوں کا نچوڑ ہے کہ ان کی زبان دوسرے شعراء سے صاف اور سلجھی ہوئی ہے۔ اُن کی غزل منفرد اسلوب کی حامل ہے۔ آپ نے ہر موضوعِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ وہ ایک پختہ گو، مستند استاد اور نظم گو شاعر ہیں''۔۶۶؎

بقول یوسف خالد : رشک مرحوم کا کہنا تھا کہ

Marfat.com

تاجدار دہلوی اور میں اگر مشاعرہ میں ہوں تو رشک عرش پر ہوتا ہے اور تاجدار فرش پر۔ لیکن محفل میں تاجدار عرش پر ہوتا ہے اور رشک زمین پر" ۱۷

تاجدار دہلوی کا کلام کہاں ہے۔ کس کے پاس ہے؟ یہ الگ بات ہے جن اخبارات او ر رسائل میں جو کلام مل سکتا ہے وہ جمع کرنا ضروری ہے۔ تاکہ تاجدار دہلوی کو عملاً اُن کے کلام سے آئندہ اور تک پر زندہ رکھا جائے نہ کہ صرف دو چار اشعار یا غزلوں کے حوالے سے۔ اور وہ دو چار غزلیں سخنورانِ سرگودھا اور "نقوشِ سرگودھا" تک ہی محدود ہیں۔

تاجدار دہلوی جیسا شعلہ نوا شاعر ۱۶ مئی ۱۹۸۵ء ۱۸ کو سرگودھا کی شعری محفلوں کو "سُنجا" کر کے عدم کو سدھار گیا۔ لیکن اُن کی قبر پر موجود کتبہ میں جو وفات کی تاریخ رقم ہے وہ ۱۵ مئی ہے۔ ۱۹ تو ثابت ہوا کہ ۱۶ مئی کی تاریخ اخبار سے لی گئی ہے اور اس پر سوچنے کی زحمت نہیں کی گئی۔

غزل

دشتِ تنہائی میں یوں احساس کے جگنو اڑے
زخم کھا کر جس طرح وحشت زدہ آہو اُڑے

کتنے ارماں قہقہوں کی گونج میں گم ہو گئے
کتنے گل چہروں کے رخساروں سے رنگ و بو اڑے

آبرو کے عرش پر ہم نے کمندیں ڈال دیں
ہم زمانے میں بزورِ قوتِ بازو اڑے

کیا بھروسہ کاغذی پھولوں کے رنگِ زاد کا
کون جانے ان کے گلدستوں سے کب خوشبو اڑے

جگمگا اٹھا سرِ فردوسِ فانوسِ خیال
جب مری بانہوں کے حلقے میں ترے گیسو اڑے

ایک آسودہ تبسم کی کرن کے واسطے

Marfat.com

زندگی بھر اس بھری دنیا میں ہم ہر سو اڑے
میں ستاروں کو بھی گردِ راہ سمجھوں تاجدآر
میرے بازو سے اگر بازو ملا کر تو اڑے۔ ۷۰

☆

میں اپنے دامانِ دل سے داغِ شکستِ ہستی مٹا رہا ہوں
بڑے سکوں سے انی پہ نیزے کی بیٹھ کر مسکرا رہا ہوں
زمانہ کروٹ بدل رہا ہے، شبابِ ظلمات ڈھل رہا ہے
افق کی تاریک وادیوں میں سحر کے آثار پا رہا ہوں
بزیرِ تیغِ ستم گلو ہے، مگر مجھے پاسِ آبرو ہے
کہ گیت اپنے وطن کی عظمت کے زیرِ لب گنگنا رہا ہوں
میں ایک قطرہ ہوں آبِ جُو کا، میں ایک ذرہ ہوں خاکِ ہُو کا
صدف کی پہنائیوں میں گھر کر بھی روز و شب جگمگا رہا ہوں
کبھی مہ و مہر و کہکشاں میں، کبھی پہاڑوں کے درمیاں میں
خدا کے فضل و کرم سے اپنے قدومِ ہمت بڑھا رہا ہوں
ہے کس قدر تاجدآر صادق یہ میری حالت بقولِ شاعر
"ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہوں" ۷۱

ارشاد عظمت

مرزا محمد ارشاد المتخلص عظمت ۱۹۳۲ء میں ہندوستان کے شہر انبالہ میں پیدا ہوئے۔ ایک عام سے خاندان سے متعلق تھے۔ جہاں حالات اجازت نہیں دیتے تھے کہ تعلیم حاصل کریں۔ قیامِ پاکستان کے بعد آپ نے ہجرت کی اور سرگودھا آ گئے۔ ہجرت کے دوران آپ جن مشکلات اور

Marfat.com

تجربات سے گزرے انہوں نے آپ کو سوچ اور اظہار کی نئی راہیں دکھائیں۔ اور آپ شعر کہنے لگے۔ کاروبارِ حیات چلانے کے لئے کوٹ فرید میں پان سگریٹ کی ایک دکان بنالی اور اسی سے گزراوقات کرتے رہے۔ زندگی میں بہت کم شعر کہے۔ بس جب کوئی ٹھیس پہنچی اور جذبات مشتعل ہوئے تو بھڑاس نکال لی۔ ورنہ خاموشی سے صبح شام ایک ہی روش پر زندگی کو گامزن رکھا۔ ساری زندگی کوئی ساتھی بھی نہیں بنایا۔ سخنوران سرگودھا میں آپ کے بارے میں تحریر ہے کہ:

> ''ارشاد نے اگرچہ اکتسابی علم حاصل تو نہ کیا۔ مگر زمانے کے نشیب و فراز اور تجربات نے اُسے اس علم سے روشناس کروادیا ہے جسکا بار شاید کتابوں کے اوراق نہیں اٹھا سکتے۔ اس علم اور آگاہی کی روشنی میں وہ اپنے اردگرد پھیلی ہوئی اس تاریکی کو دور کرنے کی کوشش میں مصروف ہے جو تقسیمِ ہند کے بٹوارے کے وقت ایک مشعل کا مقام رکھتی تھی''۔ ۲۷۲

جناب ارشاد عظمت کی تنہائی کا سفر ۲ مئی ۱۹۸۴ء کو اختتام پذیر ہوا۔

نعت شریف

یہ کائنات بنی ہے تری ثنا کیلئے ہو کیوں نہ ذکر یہاں پر ترا سدا کے لئے

خدا کے ہاں ہیں جو رتبے ترے گدا کے لئے ترستے آئے ہیں دنیا کے بادشاہ ان کو

ترس رہا ہوں ترے شہر کی ہوا کے لئے ہزار شکر کہ ہر شے نصیب ہے، لیکن

یہ کوئی بات نہیں ہے تریؑ عطا کے لئے مجھے بھی اذنِ مدینہ ملے کبھی آقاؐ

میں لفظ ڈھونڈ رہا ہوں ابھی دعا کے لئے اے عازمینِ مدینہ! ذرا ٹھہر جاؤ

کہاں یہ رحمتِ الہام اور کہاں عظمت
یہ شعر مجھ کو ہوئے ہیں تریؑ ثنا کے لئے ۲۷۳

☆

کبھی وہ دن بھی آئے گا اجالا پھیل جائے گا

Marfat.com

یقیناً زور ٹوٹے گا کبھی غم کی گھٹاؤں کا
کبھی تو بے ضمیروں کے ضمیر انگڑائیاں لیں گے
کبھی تو آ ہی جائے گا جواب اپنی صداؤں کا

☆

کسی کا فسانہ کسی کی حقیقت فضا گنگناتی رہی ہے ہمیشہ
ترے لب رہے چپ مگر آنکھ تیری فسانہ سناتی رہی ہے ہمیشہ ؎۷

رشک ترابی

احمد حسین نام اور رشک تخلص ہے۔ آپ ۴ مارچ ۱۹۳۴ء ؎۵ کو قصبہ کا نتھاں تحصیل دسوہا ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محمد حسین کا نسبی تعلق رام چندر جی سے ملتا ہے۔ تعلیم کی ابتدا گاؤں سے ہوئی اور اسی دوران جب کہ چوتھی جماعت میں تھے شعر کہنا شروع کیا۔ اور اپنے لئے زخمی تخلص اختیار کیا۔ تقسیمِ ہند پر ہجرت کی اور سرگودھا شہر میں آ کر آباد ہوئے۔ یہیں ۱۹۵۰ء میں اسلامیہ خالقیہ ہائی سکول سے میٹرک کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج میں داخلہ لیا۔

یہاں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ جب آپ نے ہجرت کی تو آپ کی عمر ۱۸ سال بتائی جاتی ہے۔ یوں اگر حساب کیا جائے تو ۱۹۲۹ء سال پیدائش بنتا ہے جبکہ طارق محمود اُن کے غیر مطبوعہ شعری مجموعہ "عکسِ جمیل" کے مطابق سن ولادت ۱۹۳۳ء ؎۶ بھی تحریر کرتے ہیں لیکن وہ ہارون الرشید کی دی گئی تاریخ محررہ بالا سے متفق ہیں۔ جو انہوں نے رشک صاحب سے ہی لی تھی۔

جناب احمد حسین زخمی نے کالج میں داخلے کے بعد شاعری میں الطاف مشہدی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا جس پر استاد نے اُن کا تخلص زخمی سے رشک کر دیا اور آپ نے اپنے لئے انقلابی کا لاحقہ پسند کیا۔ اور رشک انقلابی بن گئے۔ ایف اے میں ہی تھے کہ والدہ انتقال کر گئیں جس کے باعث تعلیم ادھوری رہ گئی۔ اور ملازمت اختیار کر لی۔ شاعری کا سلسلہ جاری رہا اور غزل آپ کی

Marfat.com

پسندیدہ صنفِ سخن رہی۔ جس میں آپ نے بڑی عمدہ سوچ کی حامل غزلیں دیں۔

یوں مرے ذہن میں افکار کے آہو ٹھہرے	جیسے رخسار کی ڈھلوان پہ آنسو ٹھہرے
زندگی میری ہے اس بادِ معطر کی طرح	جو گزر جائے مگر راہ میں خوشبو ٹھہرے
قربتیں شرعِ محبت کے منافی کب ہیں	آ بھی جاؤ کہ یہ تکرارِ من و تو ٹھہرے
دیدنی ہوتا ہے اس وقت دلوں کا عالم	برق جب آ کے تہِ سایہء گیسو ٹھہرے
آج بھی کرب کے صحرا سے صدا آتی ہے	اب کوئی تشنہ مسافر نہ لبِ جُو ٹھہرے
آنکھ کی جھیل میں اظہار کا سیلاب رُکا	دل کے گوشے میں تمناؤں کے جگنو ٹھہرے

مجھ سے یہ کہہ کے بگولے مرے ہمراہ چلے
ہم ٹھہر جائیں گے اے رشک جہاں تو ٹھہرے ۲۷ع

۱۹۶۰ء میں آپ نے حضرت ابو انیس محمد برکت علی لودھیانویؒ کی بیعت کی۔ اُن کی تعلیمات اور ہدایت و شخصیت نے آپ کی زندگی کا رخ موڑ دیا۔ آپ کا مزاج اور فطرت تبدیل ہو گئے اور اسی طرح شاعری نے بھی رنگ بدل لیا غزل کی جگہ حمد و نعت نے لے لی۔ قرآن مجید فرقانِ حمید کے مطالعہ اور سوجھ بوجھ نے دل اور ذہن کو وسعت دی۔ اس پر سیرت رسولؐ اور صحابہ کرامؓ کی سوانح کے مطالعہ نے اُن کے سامنے مضامین کے ڈھیر لگا دیئے۔ الطاف مشہدی کی فنی اور صوفی برکت علی کی روحانی تربیت نے رشک انقلابی کو رشک ترابی بنا کر پیش کیا۔

بلکہ اس سے بھی آگے نکل کر وہ اپنی طبع رسا کو اپنا نہیں کہتے بلکہ ان کا کہنا تو یہ ہے کہ

یہ میرا حسنِ تکلم، یہ میری طبعِ رسا	کرم ہے سرورِؐ دیں کا، عنایتِ رب ہے
میرے کلام میں اغلاط ڈھونڈنے والو	مرا طریق عبادت ہے شاعری کب ہے

رشک ترابی کے حافظے اور اُنکے اندازِ شعر گوئی کو جہاں داد دینی پڑتی ہے وہاں اُن کے شعر کی کشش اور گرفت اتنی مضبوط ہے کہ قاری اس سے بچ کر نکل نہیں سکتا وہ خود اپنی زندگی میں سٹیج پر جب پڑھ رہے ہوتے تھے تو لگتا تھا کہ اشعار کا نزول ہو رہا ہے یا پھر جب نصرت فتح علی خان کی آواز

Marfat.com

میں یہ الفاظ سماعتوں سے ٹکرائیں تو قافلے رک جاتے ہیں ۔

ہر سمت ہے تیری دھوم یا حیٔ یا قیوم
تو حاکم میں محکوم یاحیٔ یا قیوم

اسی طرح رشک ترابی کا کلام جب ایک قاری پڑھنا شروع کرتا ہے تو پھر رکتا نہیں۔ کلام کی چاشنی، کلام کی روح اور جذبۂ دل کی کیفیت ھل من مزید کا نعرہ لگاتی ہے ۔

ناصرؐ، نذیرؐ، ظاہرؐ، و باطنؐ، نبی کریمؐ سیدؐ، قریبؐ، ختمِ رسلؐ، اوّل و یتیمؐ
صادقؐ، ولیؐ، رؤفؐ، مدثرؐ، قویؐ، حکیمؐ طٰسینؐ و اطحیؐ، عزیزؐ و ھیؐ، کلیمؐ

منصورؐ و مقصدؐ ہے سراج منیرؐ ہے
خمؐ ہے، خلیل ہے، عادلؐ شہیر ہے

معراجؐ فرش، وارثؐ اقلیم عالمین پیغمبری کا فخرؐ شہؐ دولتِ یقین
آفاق گیر صورتِ واحد، سراپا دین فانوسِ عرش مشعلِ ایوانِ اولین

خلاقِ ہست و بود کا جو دل پسند ہے
سر عجز و انکسار کا جس سے بلند ہے ۸۸ے

اُن کے اسی انداز اور اسلوب نے انہیں رشک ترابی سے علامہ رشک ترابی بنا دیا۔ وہ جب شعر کہنا شروع کرتے تو کہتے ہی رہتے۔ پروفیسر ہارون الرشید تبسم اُن کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب کی ایک طویل فہرست گنواتے ہیں جن میں ''زائرِ کعبہ، آئینۂ حجاز، مشعلِ آفاق، العظمت لِلہ، سیدنا صدیق اکبرؓ، سیدنا عمرؓ، آتشِ خاموش، خراماں صبا، کہکشاں، بزمِ انجم، عکسِ جمیل، سلام بحضورِ سرورِ کونین، فیضان، صحرا میں گلزار، کشتِ صد رنگ، سچی بات اور سیدنا کریمؐ شامل ہیں۔ ۸۹ے

طارق محمود نے اپنے مقالے ''علامہ رشک ترابی کی شخصیت اور شاعری'' میں ۵ مسودے وہ بھی گنوائے ہیں۔ جن کے ابھی تک نام تجویز نہیں ہوئے تھے۔ اور اسی طرح ''کشتِ صد رنگ'' کے دو حصوں کا ذکر کیا ہے۔ ۹۰ے اس وقت میرے سامنے اُن کے تین مطبوعہ مجموعے موجود ہیں۔

Marfat.com

مشعلِ آفاق، العظمت لِلہ اور تحفہ، درویش، ایک کتابچہ ہے جس کا کہیں ذکر موجود نہیں اس میں "یا حیی دیا قیوم" ۔ "اللہ الصمد" ۔ "یا حنان یا منان" اور ان اللہ علی کل شیء قدیر" نظمیں شامل ہیں۔ یوں تو ہر ہر لفظ دل میں اتر جاتا ہے۔ ان نظموں کی روانی روح میں گھلتی ہے اور اپنا اثر چھوڑتی ہے۔ ذرا "اللہ الصمد" کو اس کی ہستی میں ڈوب کر پڑھیئے۔

اے دیارِ دل کے مکیں بتا مری آنکھ سے تو نہاں ہے کیوں
میں ترے ہی نور کا جزو ہوں تو مجھی سے پردہ کناں ہے کیوں
میرے ولولوں کا شباب تو مرے گلستاں کی بہار تو
مرا ذوق تو مرا شوق تو مرے دل کا صبر و قرار تو
مجھے ہیں فضیلتیں دہر میں ترے لطف سے ترے فیض سے
اے نگارِ من اے قرار جاں تہِ آسماں میرے واسطے
ترا ذکر عشرت جاوداں تیرا نام وجہِ نجات ہے
تو ہے بے نیاز یکن لہٗ کفواً احد تیری ذات ہے

☆

کہیں کنت کنزاً مخفیا، کہیں سرِکن فیکون میں
کہیں نحن اقرب میں نہاں کہیں "ق" میں کہیں "ن" میں
کہیں لالہ کے روپ میں تیرا حسن جلوہ فگن ہوا
کہیں تو نے میرے لئے کہا ولسوف یعطیک ربکَ
کہیں دن نوید فتحنا کی کہیں دام حرص بچھا دیا۔
کہیں چھپ کے پردۂ "م" میں تو نے اپنا آپ دکھا دیا
تو ہے رنگ رنگ میں ضوفشاں کبھی دن ہے تو کبھی رات ہے
تو ہے بے نیاز یکن لہٗ کفواً احد تیری ذات ہے

Marfat.com

☆

میں کثیف ہوں تو لطیف ہے میں حقیر ہوں تو عظیم ہے
میں سراپا جرم و خطا ہوں اور تو کریم ہے تو رحیم ہے
تو ہے وہ کہ جس کی نگاہ سے کوئی چیز پردہ کناں نہیں
مگر ایک میں ہوں کہ آج تک مرا حال مجھ پہ عیاں نہیں
میں اسیر دام گماں تو ہوں مگر اتنا مجھ کو شعور ہے
تو ہے جتنا میرے قریب تر مری جان اتنا ہی دور ہے
یہ دوئی کے پردے ہٹا کہ اب تری ذات سے مری بات ہے
تو ہے بے نیاز یکن لہٗ کفواً احد تری ذات ہے

☆

ترے لفظ کن کی لطافتوں کو سمجھ سکی نہ مری نظر
نہ ہے ابتدا کی خبر مجھے نہ میں انتہا سے ہوں بہرہ ور
مجھے دے کے خلعتِ آبرو تو نے ایسا رستہ بتا دیا
میں چلا کہاں سے تھا اور کہاں مجھے تو نے لا کے پھنسا دیا
میں سیاہ خانۂ ہست میں پھروں کب تلک یونہی جا بجا
مجھے راہبر کی تلاش ہے مری رہبری کو چلا بھی آ
تری جستجو میری بندگی تری چاہ میری حیات ہے
تو ہے بے نیاز یکن لہٗ کفواً احد تری ذات ہے

☆

تو جو چاہے ذرے کو بخش دے وہ ضیا کہ جس سے قمر بنے
ہو تری نگاہ جو سنگ پر تو وہ رشکِ لعل و گہر بنے

Marfat.com

تو کرم کرے تو جہان میں ہو یتیم خاتم مرسلاں
مری آرزو پہ بھی غور کر مری بات سن مرے مہرباں
مجھے آنکھ کر وہ عطا کہ جو ترے غم میں اشک فشاں رہے
مرے دل میں تیرا خیال ہو ترا ذکر وردِ زباں رہے
تیرا نام ربّ العالمین تو سراپا لطف و ثبات ہے
تو ہے بے نیاز یکن لہٗ کفواً احد تیری ذات ہے ۸۱؎

علامہ احمد حسین رشک ترابی فقیر سرگودھا، دارالاحسانی کو ۱۹۸۵ء میں دل کا عارضہ لاحق ہو۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۸ء کو آپ نے محکمہ نہر سے اپنی مدت ملازمت ختم کی اور ریٹائرمنٹ لے لی اور پھر کچھ عرصہ صاحب فراش رہنے کے بعد ۱۷ جنوری ۲۰۰۳ء کو رحلت فرمائی۔

صاحبزادہ گلزار حسین شاہ صابر

حضرت پیر گلزار حسین شاہ صابر روحانیت کے سلسلۂ صابریہ کے کلس شریف تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا میں بانی حضرت پیر سید سیدن شاہ سرکار کے ہاں ۱۹۳۴ء ۸۲؎ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے ابتدائی تعلیم اور تربیت حاصل کی بعد میں گورنمنٹ ہائی سکول ملکوال سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ والد صاحب کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ انہوں نے بیٹے کو تمام آبائی اوراد وظائف عطا فرمائے۔ ۱۹۷۳ء میں آپ مسند آرا درگاہ حضرت پیر سیدن شاہؒ ہوئے۔ مئی ۱۹۸۰ء میں کلیر شریف حضور مخدوم علاؤالدینؒ کے آستانہ پر حاضری دی۔ اجمیر شریف میں بھی حاضر ہوئے۔ دیگر روحانیت کے سلاسل کے اولیاء کے مزارات پر بھی گاہ گاہ حاضر ہوتے رہے۔ ۱۹۸۴ء میں حج کی سعادت سے مشرف ہوئے۔

''۲۶ نومبر ۱۹۹۱ء کو اپنے بیٹے پیر شمیم صابر کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور ۲۸ نومبر کو آپ نے وفات پائی۔ ان کی نماز جنازہ حضرت پیر حاجی عاشق حسین شاہ سجادہ نشین بھگام شریف تحصیل ملکوال

Marfat.com

ضلع منڈی بہاؤالدین نے پڑھائی'' ۲۸۳؎

حضرت پیر گلزار حسین شاہ صابر کو اردو، پنجابی اور فارسی کے علاوہ عربی زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔ لیکن آپ اردو، پنجابی اور فارسی میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ آپ نے نثر میں بھی لکھا اور نظم میں بھی۔ آپ کے شعری مجموعوں کے نام ''شاہی گدائی''۔ ''گلزارِ طیبہ''۔ ''ذکر بلال''۔ ''وسدیاں اکھیں'' اور ''گلزارِ چشت'' ہیں جبکہ ''رموزِ دلبراں'' اور ''شاہکارِ صابر'' آپ کی نثری تصانیف ہیں۔ آپ نے اپنی شاعری اور نثر ہر دو میں حق وصداقت کی بات اور تبلیغ وہدایت کے سلسلے کو آگے بڑھایا ہے۔ اولیائے کرام کی سوانح بھی آپ کی تحاریر کا حصہ ہیں۔ حمد، نعت، منقبت، اور اصلاح واخلاق آپ کی شاعری کا واضح حصہ ہے نمونہ کلام ملاحظہ فرمایئے۔

نعت

سرکار دو جہاں کی محبت پہ ناز ہے ۔۔۔ اُس آمنہ کے لال کی عظمت پہ ناز ہے
میرے گناہ دامنِ بخشش میں گھر گئے ۔۔۔ تیری نگاہ لطف کی قسمت پہ ناز ہے
زاہد ! تجھے تو زہد وعبادت پہ ناز ہے ۔۔۔ مجھ کو حبیبؐ حق کی شفاعت پہ ناز ہے
شیدائے حسن روئے محمدؐ وہ خود ہوا ۔۔۔ خالق کو اپنی ندرتِ صنعت پہ ناز ہے
پیشِ نظر ہے آیہء لا تقنطوا مجھے ۔۔۔ عفوِ خدا، رسولؐ کی شفقت پہ ناز ہے

گلزار کو حضورؐ نے کملی میں لے لیا
عاصی کو اپنی خوبیء قسمت پہ ناز ہے ۲۸۴؎

غزل

ترا غم ہے تو کوئی غم نہیں ہیں ۔۔۔ فروزاں ہیں دیئے مدھم نہیں ہیں
چُنے فطرت نے یہ انمول موتی ۔۔۔ گلوں کی آنکھ میں شبنم نہیں ہیں
رواں ہیں چشمہء کوثر کے دھارے ۔۔۔ مری جاں تیرے احساں کم نہیں ہیں
نوازیں جس کو حاتم ہی بنا دیں ۔۔۔ سخی میرے فقط حاتم نہیں ہیں

Marfat.com

مجھے بے راہروی نے دور رکھا — ترے کوچے میں کوئی غم نہیں ہیں
کہاں پائیں گے وہ سرِ الٰہی — ہوئے جو واقفِ آدم نہیں ہیں
فقط یہ کھیل ہیں تیری نظر کے — بہاروں کے کوئی موسم نہیں ہیں
گداگر ہیں مگر تیرے گداگر — شہنشاہوں سے کوئی کم نہیں ہیں
تیرے کوچے سے اٹھ جنت کو جائیں — لو اتنے بے خبر تو ہم نہیں ہیں

کہاں گلزار تکمیل محبت !
ابھی آنکھیں ہوئی پرنم نہیں ہیں ۸۵؎

شکیب جلالی

سید حسن رضوی نام اور شکیب تخلص تھا۔ آبائی وطن ضلع علی گڑھ کے قصبہ جلالی کی نسبت سے جلالی کو نام کا حصہ بنالیا۔ آپ کی تاریخ پیدائش پر اکثر محققین متفق ہیں اور یکم اکتوبر ۱۹۳۴ء ۸۶؎ کو صحیح قرار دیتے ہیں لیکن ان کی بیوہ سیدہ محدثہ خاتون کے مطابق یہ درست نہیں وہ ان کی پیدائش ۱۹۳۵ء یا ۱۹۳۶ء ۸۷؎ بتاتی ہیں۔ میں ذاتی طور پر ان دونوں تاریخوں سے متفق نہیں۔ یہ میری سوچ ہے جو ان کی تصاویر کو دیکھ کر اکثر ابھرتی ہے۔ کیونکہ ۱۲ نومبر ۱۹۶۶ء کو جب انہوں نے موت کو گلے لگایا تو عمر عزیز ۳۲ سال بنتی تھی۔ لیکن آپ کی تصاویر سے جو اندازہ لگایا جاسکتا ہے وہ ۴۰ سال سے اوپر کا ہے۔ بہرحال اس پر میں زیادہ بحث اس لئے نہیں کروں گا کہ یہ کوئی دلیل نہیں۔ البتہ مشاہدے اور سوچ کی ایک دعوت ہے۔ شکیب کے والد کا نام سید صغیر حسین رضوی تھا جو کہ محکمہ پولیس میں ملازم تھے اور ذہنی خلل کے باعث ۱۹۶۵ء میں بھارت میں ان کا انتقال ہوا۔

سید حسن رضوی نے تعلیم کی ابتداء اپنے گاؤں سے کی۔ ابھی زیرِ تعلیم تھے کہ تقسیم ہند پر ہجرت کرنا پڑی اور پاکستان آ گئے۔ میٹرک بدایوں سے پاس کیا۔ ۱۹۵۲ء میں ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا۔ اور ۱۹۵۵ء میں بی۔اے کیا۔ ۸۷؎ لیکن شہزاد احمد لکھتے ہیں کہ "شکیب نے میاں محمد نقوی

Marfat.com

اور محمد فاضل نقوی کے ساتھ اپنی بہنوں کو پاکستان بھجوا دیا مگر خود میٹرک کرنے کے بعد پاکستان آئے یہ واقعہ ۱۹۴۹ء کا ہے۔'' ۸۹؎ لیکن اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ:

''پاکستان پہنچتے ہی ان کی عملی زندگی کا آغاز ہوا۔ اور تیرہ چودہ برس کی عمر میں انہوں نے چھوٹی چھوٹی ملازمتیں کرنی شروع کر دیں۔ اس دوران انہوں نے کچھ رقم پس انداز کر کے پنڈی سے ایک ادبی رسالہ ''گونج'' کے نام سے شائع کیا۔'' ۹۰؎

یہاں اختلاف کیا جا سکتا ہے کہ ۱۹۴۹ء میں انہوں نے میٹرک کیا تو عمر پندرہ سال تھی۔ پاکستان میں آ کر محنت مزدوری شروع کر دی تو عمر تیرہ، چودہ سال کیسے ہوگئی۔ اگر چہ یہ چھوٹے چھوٹے نکتے ہوتے ہیں لیکن تحقیق میں یہ بہت بڑے اثرات مرتب کرتے ہیں۔

''گونج'' اگر چہ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۲ء تک صرف ایک سال چلا لیکن شکیب کو ادب وصحافت میں داخل کر گیا۔ بعد ازاں ادبی صحافت اور ادبی رسائل کے ساتھ کچھ وقت گزار کر محکمہ تعلقاتِ عامہ پنجاب میں ملازم ہو گئے۔ ۱۹۵۹ء میں تھل ڈویلپمنٹ اتھارٹی میں ترجمان کی حیثیت سے ملازمت کر لی۔ چونکہ دفتر جوہر آباد میں تھا لہٰذا ۴ا سال تک یہاں رہے اور ۱۹۶۳ء میں بھکر چلے گئے۔ جہاں ۱۹۶۶ء میں ان کے دماغ کا خلل بڑھ گیا اور جون ۱۹۶۶ء میں وہ بھکر سے سرگودھا آ گئے۔ سرگودھا میں وہ اپنے رشتے دار سید نذیر علی شاہ کے پاس رہے۔ جنہوں نے احمد ندیم قاسمی اور سیف زلفی کی معاونت سے شکیب کو لاہور کے دماغی ہسپتال میں داخل کروا دیا۔ وہاں وہ ایک مہینہ یا چند دن زائد زیرِ علاج رہے اور ستمبر میں انہیں فارغ کر دیا گیا۔ اب وہ سرگودھا میں ہی مقیم تھے۔ اور پھر گیارہ نومبر کو وہ حادثہ پیش آ گیا جس کے بارے سید جعفر طاہر بہت پہلے کہہ چکے تھے:

"This Gentleman will commit suicide"

گیارہ نومبر کو شکیب دوپہر کے وقت گھر سے نکلے ان کے ذہن میں بچپن کی یادیں اور ماں کی موت کا منظر تھا۔ وہ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چلتے موتی ملز کے نزدیک پہنچے تو دیکھا کہ سامنے

Marfat.com

سے ٹرین آ رہی ہے اور پھر موت نے انہیں کھینچ کر ریلوے لائن پر پھینک دیا۔ ٹرین اوپر سے گزر گئی۔ دونوں ٹانگیں دھڑ سے جدا ہو گئیں۔ لیکن سانس کی رمق باقی تھی۔ چار بجے ان کے عزیزوں کو اطلاع ملی۔ شکیب کو اٹھا کر میونسپل ہسپتال سرگودھا میں داخل کروا دیا گیا۔ زندگی آہستہ آہستہ بے بس ہوتی جا رہی تھی اور موت غالب آ رہی تھی۔ بالآخر رات بارہ بجے کے گھنٹے نے نئی تاریخ کا اعلان کیا اور یوں شکیب ایک دن کی اضافی زندگی لے کر ۱۲ نومبر کو موت کی آغوش میں چلے گئے۔ اسی دن انہیں سرگودھا کے بڑے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ میں نے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ:

''میری قیام گاہ اور کھیتوں کے درمیان ریلوے لائن کا وہ ٹکڑا موجود ہے جہاں شکیب جلالی نے موت کو گلے لگایا تھا۔ اور اس جگہ پہنچ کر میں سوچتا ہوں کہ شکیب کو گاڑی (ٹرین) سے کیوں خوف آتا تھا؟ صاف ظاہر ہے بچے کے ذہن میں جو بات بیٹھ جاتی ہے وہ مرتے دم تک نہیں نکلتی شکیب ابھی بچہ ہی تھا جب اس کی والدہ ٹرین کے نیچے آ کر دم توڑ گئی تھی۔ شکیب پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سب دیکھتا رہا لیکن ماں جیسی شفیق اور محبت کرنے والی ہستی کو وہ عزرائیل کے ہاتھوں سے نہ چھین سکا... لیکن عزرائیل کو اس نے دیکھا ہی نہیں تھا۔ اس نے تو چارپائی پر حوروں کی طرح سفید کپڑے میں ملبوس اس ہستی کو جسے ماں کہتے ہیں اپنوں جیسے انسانوں کے کندھوں پر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ روتا پیٹتا رہا لیکن کسی نے اس کی ماں کو اس کے حوالے نہ کیا اور لے جا کر منوں مٹی کے نیچے دبا دیا۔ یہ ایک ایسا احساس تھا جو ساری زندگی شکیب کے دل و دماغ پر حاوی رہا۔ خاص کر اس لمحے وہ جنوں کی حد تک پہنچ جاتا جب ٹرین کو دیکھ لیتا۔ اور پھر اسی کیفیت میں اس نے ایک دن جب ٹرین کو اپنے نزدیک دیکھا تو جا کر خود کو اس خوف سے ہمیشہ کیلئے آزاد کرا لیا۔''[۱۰۴]

Marfat.com

شکیب جلالی نے اردو غزل کو ایک نئی زندگی دی اور نظم ونقد نے اس صنف کو جب ایک کونے میں لا کھڑا کیا تھا شکیب نے اسے پھر مرکز میں پہنچا دیا۔ ''روشنی اے روشنی'' ایک مختصر سی شعری کاوش مدتوں سے غزل کے دبستان میں موضوع بحث ہے۔ اور اب ''کلیات شکیب جلالی'' بھی منظر عام پر آ چکی ہے۔

شکیب کی شاعری پر لوگوں نے بہت کچھ لکھا۔ ایم۔ اے کی طالبہ امتیاز کلثوم نے مقالہ لکھا۔ لیکن ان کی شاعری کی پرتوں کو کھولنے کے لئے ابھی بہت کام ہونا باقی ہے۔ تیمور حسن شکیب اور اس کی شاعری پر پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ لکھا۔ ذوالفقار احسن کی شکیب کی شخصیت، شاعری، فن اور نثری کام کے حوالے سے دو کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

یہاں ادبی بددیانتی کی ایک مثال پیش کرتا چلوں۔ ''روشنی اے روشنی'' کے کئی ایڈیشن ماورا پبلشرز نے شائع کئے اور خوب پیسہ کمایا لیکن شکیب کی زوجہ بیگم محدثہ خاتون نے ایک انٹرویو میں یہ وضاحت کر دی تھی کہ مجھے چند سکوں کے علاوہ کچھ نہیں ملا۔ مزید اسی بددیانتی کی دوسری مثال دیکھئے کہ ذوالفقار احسن نے کلیات کی اشاعت سے پہلے مختلف رسائل سے کچھ غزلیں اور اشعار تلاش کر کے ماہنامہ کامران کی اشاعت مئی جون ۲۰۰۳ء میں اپنے ایک مضمون میں انہیں حصہ بنایا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ''روشنی اے روشنی'' کا نیا ایڈیشن آیا تو وہ سارا کلام اس میں شامل تھا۔ کتاب کی قیمت بڑھا دی گئی تھی۔ لیکن ذوالفقار احسن، مدیر اور رسالے کے شکریہ کا ایک لفظ تک نہیں لکھا۔ اور شکیب کی شاعری بہرحال ایسی ہے کہ وہ بکتی ہے اور پبلشرز منافع کما رہا ہے۔ لیکن کوئی پوچھنے والا نہیں۔ شکیب کی شاعری کیوں بکتی ہے درج ذیل نمونہ کلام اس کی وضاحت کر دے گا۔

غزل

آ کے پتھر تو مرے صحن میں دو چار گرے   جتنے اس پیڑ کے پھل تھے پس دیوار گرے
ایسی دہشت تھی فضاؤں میں کھلے پانی کی   آنکھ جھپکی بھی نہیں، ہاتھ سے پتوار گرے
مجھے گرنا ہے تو میں اپنے ہی قدموں میں گروں   جس طرح سایہ، دیوار پہ دیوار گرے

Marfat.com

تیرگی چھوڑ گئے دل میں اجالے کے خطوط
یہ ستارے مرے گھر ٹوٹ کے بیکار گرے

کیا ہوا ہاتھ میں تلوار لئے پھرتی تھی
کیوں مجھے ڈھال بنانے کو یہ چھتنار گرے

دیکھ کر اپنے درو بام لرز جاتا ہوں
میرے ہمسائے میں جب بھی کوئی دیوار گرے

وقت کی ڈور خدا جانے کہاں سے ٹوٹے
کس گھڑی سر پہ یہ لٹکی ہوئی تلوار گرے

ہم سے ٹکرا گئی خود بڑھ کے اندھیرے کی چٹان
ہم سنبھل کر جو بہت چلتے تھے، ناچار گرے

کیا کہوں دیدہ تر، یہ تو مرا چہرہ ہے
سنگ کٹ جاتے ہیں بارش کی جہاں دھار گرے

ہاتھ آیا نہیں کچھ رات کی دلدل کے سوا
ہائے کس موڑ پہ خوابوں کے پرستار گرے

وہ تجلی کی شعاعیں تھیں کہ جلتے ہوئے تیر
آئینے ٹوٹ گئے آئینہ بردار گرے

دیکھتے کیوں ہو شکیبؔ اتنی بلندی کی طرف
نہ اٹھایا کرو سر کو کہ یہ دستار گرے ۱۹۲

کنار آب کھڑا خود سے کہہ رہا ہے کوئی
گماں گزرتا ہے یہ شخص دوسرا ہے کوئی

ہوا نے توڑ کے پتے زمیں پہ پھینکے ہیں
کہ شب کی جھیل میں پتھر گرا دیا ہے کوئی

بتا سکے ہیں پڑوسی کسی کا درد کبھی
یہی بہت ہے کہ چہرے سے آشنا ہے کوئی

درخت راہ بتائیں ہلا ہلا کر ہاتھ
کہ قافلے سے مسافر بچھڑ گیا ہے کوئی

چھڑا کے ہاتھ بہت دور بہہ گیا ہے چاند
کسی کے ساتھ سمندر میں ڈوبتا ہے کوئی

یہ آسمان سے ٹوٹا ہوا ستارہ ہے
کہ دشتِ شب میں بھٹکتی ہوئی صدا ہے کوئی

مکان اور نہیں ہے بدل گیا ہے مکیں
افق وہی ہے مگر چاند دوسرا ہے کوئی

فصیلِ جسم پہ تازہ لہو کے چھینٹے ہیں
حدودِ وقت سے آگے نکل گیا ہے کوئی

شکیبؔ دیپ سے لہرا رہے ہیں پلکوں پر
دیارِ چشم میں کیا آج رت جگا ہے کوئی ۱۹۳

Marfat.com

مفتی بشارت احمد نیر

ممتاز ماہر قانون ''مفتی بشارت احمد المتخلص نیر ولد مفتی بشیر احمد ۱۵ مئی ۱۹۳۵ء کو چک نمبر ۱۷ جنوبی ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔'' ۹۴؎ بی اے آنرز کے بعد ایل ایل بی کر کے وکالت کو بطور پیشہ اپنالیا۔ ۱۹۶۴ء میں بار کے ممبر بنے۔ ۱۹۷۳ء میں پنجاب بار کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۷۶ء کے بار کے انتخابات میں حکیم چراغ علی قریشی کو شکست دے کر بار کے صدر منتخب ہوئے۔

اسحاق آشفتہ کا کہنا ہے کہ:

''۱۹۷۶ء سے ۱۹۷۹ء تک ممبر پنجاب بار کونسل، ممبر پاکستان بار کونسل، ممبر انٹرنیشنل لاء ایسوسی ایشن ہونے کے اعزازات بھی آپ کے تشخص کی رفعتوں کا پتہ دیتے ہیں...... جتنے عمیق آدمی ہیں اتنے ہی شفیق آدمی ہیں۔ قانون دانی کے حوالے سے مستند ہے میرا فرمایا ہوا، کے بہت قریب کھڑے ہیں۔'' ۹۵؎

آپ کے بارے ریاض مفتی اگرچہ اسحاق آشفتہ سے متفق ہیں لیکن بات کو تھوڑا آگے بڑھاتے ہیں:

''اسلامی مارشل لاء دور میں فروری ۱۹۸۳ء سے دسمبر ۱۹۸۴ء تک کوٹ لکھپت جیل اور شاہی قلعہ میں سرکاری مہمان رہے۔ یہ شاعر مزاج انسان جیل کی بھٹی سے فولاد بن کر نکلا۔ آپ ۱۹۸۹ء اور ۱۹۹۰ء میں دو برس بار کے صدر چنے گئے۔ مفتی صاحب شعر و ادب کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ خود بھی اچھا شعر کہتے ہیں۔ مجموعہ کلام زیر ترتیب ہے۔'' ۹۶؎

لیکن افسوس کہ وہ کلام تشنہ اشاعت ہی رہا اور آپ ۱۷ دسمبر ۱۹۹۴ء کو وفات ۹۷؎ پا گئے۔ آپ کو موضع ترکھہ ضلع گجرات میں دفن کیا گیا۔

Marfat.com

اس کے چہرے پر تری بربادیوں کا غم نہ تھا
تو جسے سمجھا تھا ہمدم وہ ترا ہمدم نہ تھا
اب تو غنچے بھی چمن میں ہیں لباس اندر لباس
شبنمی موسم میں بھی ان پتیوں میں نم نہ تھا
زرد موسم میں گریباں چاک ویرانوں کے پار
میری آشفتہ سری تھی آپ کا ماتم نہ تھا
جس کی چشمِ فیض سے اس گھر کو بینائی ملی
وہ عزیزِ مصر کے دربار کا خادم نہ تھا
اس نے جنت سے نکل کر اس طرح پھیری نظر
جیسے وہ حوا تھی اور حوا کا میں آدم نہ تھا
وسعت قلبی سے ہم نے معاف کر ڈالا اسے
انتہا اس کی ہے اپنی ذات پر نادم نہ تھا ۹۸ء

دھبے۔ فضا میں سمٹتے رہے

اجنبی دیس کے اجنبی شہر سے جب مہکتی ہوئی ریل چلنے لگی
دور دھبے فضا میں سمٹنے لگے اور مہکتی ہوئی شام ڈھلنے لگی
دور تاریکیوں میں وہ گم ہو گئے اور لمحات پھر تلملانے لگے
دندناتی ہوئی ریل چلتی رہی قمقمے جل اٹھے جھلملانے لگے
روشنی کے ٹھٹھرتے ہوئے نور میں ہر سٹیشن مسافر بدلتا رہا
دور دھبے فضا میں سمٹتے رہے آمدورفت کا دور چلتا رہا
وقت ڈھلتا رہا ریل چلتی رہی میرے سینے سے لاوہ ابلتا رہا
زندگی کی بدلتی ہوئی رہ پر کس قدر دوست ملتے بچھڑتے رہے

Marfat.com

کتنے لمحات ماضی میں ڈھلتے رہے   کتنے دھبے فضا میں سمٹتے رہے
کوئی ہے جو میری زندگی چھین لے   میرے لمحات ماضی کو آواز دے
دندناتی ہوئی ریل کی کوکھ میں
مجھ کو جینے کا کوئی تو انداز دے ۹۹؎

حسن اختر جلیل

کچھ خاندانوں میں یہ رواج آج بھی چلا آرہا ہے کہ پہلا بچہ اپنے ننھیال کے ہاں پیدا ہوتا ہے۔اس رسم کے تحت حسن اختر جلیل ۲۴ جولائی ۱۹۳۵ء،۰۰ا؎ کو جھنگ میں اپنے نانا کے گھر پیدا ہوئے جبکہ ان کے والد جناب جوہر نظامی ان دنوں سرگودھا میں مقیم تھے۔''مقتل میں چراغ'' ۱۰۱؎ میں سن ولادت ۱۹۳۷ء رقم ہے جو شاید غلطی سے لکھا گیا ہے۔کیونکہ جب حسن اختر جلیل کے تعلیمی کیریئر کو دیکھتے ہیں تو ۱۹۴۵ء میں سرگودھا میں پرائمری کا امتحان پاس کیا تو دس سال کی عمر تھی اور نو یا دس سال کی عمر میں ہی پرائمری پاس ہوسکتا تھا۔پھر ۱۹۴۹ء میں مڈل اور ۱۹۵۱ء میں میٹرک کے امتحانات سرگودھا سے ہی پاس کیے تو ۱۹۵۱ء تک سولہ سال عمر بنتی ہے۔پھر جب ہم ان کی ریٹائرمنٹ کو دیکھتے ہیں تو ۱۹۹۵ء تک عمر پوری ساٹھ سال بنتی ہے۔لہٰذا ۱۹۳۷ء جو کہ راقم نے''نعت گویان سرگودھا'' میں بھی لکھی ہے اسے غلط قرار دیتا ہوں۔نیز جھنگ میں پیدائش کی وجہ بھی لاعلمی یا غلط معلومات کے باعث تحریر ہوا اسے بھی رد کرتا ہوں۔

حسن اختر جلیل نے گورنمنٹ کالج سرگودھا سے ۱۹۵۵ء میں گریجویشن کیا۔اور پھر اسی سال والدین کے ساتھ جوہرآباد منتقل ہوگئے۔یہیں سے آپ نے تھل ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے محکمہ سے ملازمت کا آغاز کیا۔لیکن ۱۹۶۳ء میں نائب تحصیلدار منتخب ہونے پر اسے ترک کردیا۔بعدازاں ۱۹۷۴ء میں .P.E.A.C کا امتحان پاس کر کے پنجاب سول سروس میں آگئے۔اور مجسٹریٹ، اسسٹنٹ کمشنر، اور ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر کے عہدوں پر فائز رہے۔یہ عرصہ آپ نے مختلف مقامات پر

Marfat.com

گزارا اور ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے تو اس وقت میانوالی میں فرائض انجام دے رہے تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد آپ مستقل طور پر جوہرآباد میں رہائش پذیر ہوئے۔ آپ نے ۲۹ دسمبر ۲۰۰۲ء کو لاہور میں وفات پائی۔ جہاں آپ ہسپتال میں داخل تھے۔ آپ کی میت کو لاکر جوہر آباد میں دفن کیا گیا۔ مجھے یاد ہے کہ اس شب ٹیلی وژن پر پٹی چل رہی تھی جس میں درج تھا کہ ''حسن اختر جلیل اسلام آباد میں وفات پا گئے۔'' میرے ذہن میں بھی یہی محفوظ تھا لہٰذا لاہور کی تصدیق کیلئے جب ان کے بھائی مظفر حسن منصور کو ٹیلی فون کیا تو انہوں نے بتایا:

''بھائی جان جب بیمار ہوئے تو انہیں اسلام آباد علاج کی غرض سے لے جایا گیا۔ جہاں وہ تین ماہ تک زیر علاج رہے لیکن افاقہ نہ ہونے پر لاہور لے جا کر ہسپتال میں داخل کروایا گیا جہاں وہ اللہ کو پیارے ہوئے'' ۵۰۲

حسن اختر جلیل نے ۱۹۵۰ء میں شعر کہنا شروع کیا اور پھر تھوڑا عرصہ بعد ہی ''کامران'' میں چھپنے کی ابتداء کی۔ ان کی شاعری کے دو مجموعے اشاعت پذیر ہوئے۔ ''مقتل میں چراغ'' ان کی زندگی (۱۹۸۶ء) میں لیکن ''یقینِ سحر'' آپ کی وفات کی بعد (۲۰۰۵ء) میں شائع ہوا۔

غزل

احساس مضمحل ہے نظر بے چراغ ہے — گھنگھور منزلوں کا سفر بے چراغ ہے
یہ شب یہیں الاؤ جلا کر گزار لیں — سونا ہے دشت اور ڈگر بے چراغ ہے
تم دل میں کس کو ڈھونڈنے آئے ہو اجنبی — اک عمر ہو گئی ہے یہ گھر بے چراغ ہے
ہاں داغ دل سے تھی کبھی سینے میں روشنی — اب تو یہ جگنوؤں کا نگر بے چراغ ہے
تو شکوہ سنج ہے کہ تری شب اداس تھی — ان کو بھی دیکھ جن کی سحر بے چراغ ہے

ہم نے تو یاں جلیل کو دیکھا ہے بار ہا
تم کہہ رہے ہو شہرِ ہنر بے چراغ ہے ۵۰۳

☆

Marfat.com

ان اندھیروں کے ستم کا کوئی چارا نکلے
اے شب غم وہی خورشید دوبارا نکلے
اس طرح خوف سے جامد ہیں بدن لوگوں کے
سنگ ٹکرائے تو پیکر سے شرارا نکلے
آنکھ پابند کہ قطروں سے تجاوز نہ کرے
دل بضد ہے کہ لہو جسم سے سارا نکلے
دل تو ناداں ہے ازل سے یہی خو ہے اس کی
وہی بیوپار کرے جس میں خسارا نکلے
کاش ان اجنبی چہروں کے سمندر سے جلیل
کوئی بچھڑا ہوا ساتھی کوئی پیارا نکلے۵۰۴

سعید مرزا

فقیر محمد سعید کے نام سے اپنے جاننے والوں میں جانا جانے والا سعید مرزا یکم مارچ ۱۹۳۶ء کو بھارت کے شہر جگادھری میں پیدا ہوا۔ آپ کے والد جناب محمد صدیق وہاں پیرجی کے نام سے معروف تھے۔ ابھی پرائمری سکول پاس ہی کیا تھا اور مڈل کلاسز میں جانے لگے تھے کہ بٹوارا ہو گیا اور ہجرت کر کے اپنے خاندان کے ساتھ پاکستان آ گئے۔ رزق سرگودھا میں لکھا تھا سو یہاں مقیم ہو گئے اور سکول جانا شروع کر دیا لیکن مڈل پاس کر کے میٹرک میں پہنچے اور تعلیمی سلسلہ منقطع کر دیا۔ اور ایک دکان بنا کر پھر ساری زندگی اسی سے رزق کماتے رہے۔ ہارون الرشید تبسم کا کہنا ہے:

"شاعری کے لئے کسی دور یا عمر کے کسی خاص حصے کا مخصوص ہونا لازمی امر نہیں ہے..... فقیر محمد سعید پیدائشی شاعر نہ تھے۔ تقریباً تیس بتیس سال کی عمر میں ان پر آمد شروع ہوئی اور پھر اچانک ۴۵ سال کی عمر میں

Marfat.com

اشعار کا یہ نزول رک گیا''۔ ۵۰۵؎

وہ پرانے رنگ میں شعر کہتے تھے۔ آپ نے نعت بھی کہی اور غزل بھی۔ لیکن کچھ زیادہ کلام اُن کا نہیں ملتا۔ فقیر محمد سعید نے ۱۸ مارچ ۲۰۰۰ء کو عید قربان کے دن اس دار فانی سے عدم کا سفر اختیار کیا۔ دوسرے دن انہیں سپردِ خاک کیا گیا۔

نعت

جو محمد مصطفیؐ کے دین میں داخل ہوا — ربِ کعبہ کی قسم انسان وہ کامل ہوا
حق تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں حاجت روا — میرے آقاؐ! آپؐ کے میں لطف کا سائل ہوا
آپؐ کی بعثت سے پہلے بھی نبی آئے مگر — آپؐ کے آنے سے آقاؐ دینِ حق کامل ہوا
آپؐ ہی کے دم سے پائی ہے صراطِ مستقیم — آپؐ ہی کے فیض سے آسودۂ منزل ہوا

سُن کے ذکرِ مصطفیؐ تیری زباں سے اے سعیدؔ
دل جھکا جھک کر مدینے کی طرف مائل ہوا ۵۰۶؎

☆

شیخ صاحب تو فقط کوئے بتاں تک پہنچے — ہم سے دیوانے خدا جانے کہاں تک پہنچے
اٹھ کے کعبے سے چلے آئے صنم خانے تک — توبہ توبہ یہ مسلمان کہاں تک پہنچے ۵۰۷؎

☆

کیوں نہ ان لوگوں کے پاگل پن کا ہم ماتم کریں
سامنے سورج کے رکھ کے جو جلاتے ہیں چراغ
لاکھ کوشش کی ہوائے تند نے لیکن سعیدؔ
پھر بھی تربت کو میری روشن بناتے ہیں چراغ

☆

Marfat.com

قاضی خضر جمال

قاضی خضر جمال کا اصل نام خضر حیات تھا جبکہ شعروسخن کے میدان میں خضر اور جمال دونوں تخلص کرتے تھےاور قاضی کا سابقہ خاندانی نسبت سے استعمال کرتے تھے۔آپ کے والد کا نام عمر بخش تھا۔ جو حافظ قرآن بھی تھے۔اور محکمہ مال میں ملازم تھے۔

محسن عباس کے مطابق'' قاضی خضر جمال ۱۲ستمبر ۱۹۳۶ءکو محلّہ حکیمانوالہ،خوشاب شہر میں پیدا ہوئے'' ۵۰۸ جبکہ بدر منیر ۳دن کے فرق سے ۹ستمبر ۵۰۹ ،ان کی تاریخ ولادت لکھتے ہیں۔

خضر جمال ابھی پرائمری سکول کے طالب علم تھے کہ اپنے شعور میں کچھ تبدیلیاں محسوس کیں اور جب مڈل کلاسز میں پہنچے تو یہ تبدیلی شعر کی صورت میں نمایاں ہونے لگی تب واصف علی واصف کے والد ملک محمد عارف جو اسی سکول میں ڈرائنگ ماسٹر تھے کی شاگردی اختیار کرلی۔

قاضی خضر جمال نے میٹرک کرنے کے بعد ۱۹۵۴ء میں تھل ڈویلپمنٹ اتھارٹی میں ملازمت اختیار کر لی۔لیکن ۱۹۵۸ء میں آپ محکمہ حال میں پٹواری بن گئے۔اس دور میں شکیب جلالی، جوہر نظامی اور خالد اختر افغانی وغیرہ سے اٹھنا بیٹھنا رہا۔ان ملاقاتوں سے آپ کو تحریک ملتی رہتی اور شعر موزوں کرتے رہتے بعد میں مصروفیات اور ادبی ماحول میسر نہ آنے کے باعث یہ سلسلہ تقریباً منقطع ہوگیا اور پھر جب ۱۹۸۲ء میں خوشاب میں'' بزم فکر وفن'' کا قیام عمل میں آیا تو اس شہر کے شعراء کو ایک پلیٹ فارم میسر آ گیا اور ایک تحریک پیدا ہوئی۔جس کا حصہ قاضی خضر جمال بھی بنے۔اور آخر تک وہ اس تنظیم کا فعال حصہ رہے۔

آپ نے ۱۹۹۶ء میں پٹوار سے ریٹائرمنٹ کے بعد کچھ طبیعت کی خرابی اور ڈھلتی ہوئی عمر کے ہاتھوں خوشاب میں ہی آرام کی زندگی گزاری آپ اکثر اہل ادب سے مل کر غم کو غلط کرنے کا بہانہ ڈھونڈ لیتے۔آپ نے خوشاب میں ہی ماہِ رمضان ۲۰۰۸ء میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

آپ صرف غزل کہتے ہیں اور غزل کو تغزل، جمالیات اور زندگی کی کیفیات سے خالی نہیں رہنے

Marfat.com

دیتے۔ عصری شعور اور تقاضائے وقت بھی آپ کی غزلوں میں نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔

غزل

خودی ضمیرِ صدف میں اگر نہاں نہ ہوئی
حیات خام رہی گوہرِ گراں نہ ہوئی

برنگِ شمع میری ذات ضوفشاں نہ ہوئی
خمیرِ گل میں میری خاک آشیاں نہ ہوئی

لہو جو اپنا کسی تشنہ لب کو دے نہ سکی
وہ آب جو ہی رہی بحرِ بیکراں نہ ہوئی

کٹے ہزار تردد زمین دل پہ حضور
کسی بھی دور میں لیکن یہ گل فشاں نہ ہوئی

لبوں پہ گو ہے ترے ورد لا اللہ خضر
جبیں سے دور سفالِ درِ بتاں نہ ہوئی۔ ۱۵

☆

بے برشگال سے نہ بہاروں سے گفتگو
ہے میرے آشیاں کی شراروں سے گفتگو

اک آگ پھر لگے گی بہاروں کے دیس میں
درپردہ ہو رہی ہے چناروں سے گفتگو

گم گشتہ کشتیوں کے ہوئے راز منکشف
موجوں نے کی ہے جب بھی کناروں سے گفتگو

وہ خوبرو چمن میں ہے کلیوں سے ہم کلام
ماہتاب کر رہا ہے ستاروں سے گفتگو

Marfat.com

رہتے ہوئے چمن میں بھی خاموش ہیں خضر
کلیوں سے کچھ غرض ہے نہ خاروں سے گفتگو[11]

اظہر جاوید

اظہر جاوید ابن عبدالغفور جنوری ۱۹۳۸ء کو پیدا ہوئے۔ اگر چہ ماہنامہ اسلوب[12] میں مقامِ ولادت گوجرانوالہ تحریر کیا گیا ہے۔ لیکن زاہد حسین انجم[13] ریاض احمد شاد[14] محمد ظفر اقبال[15] اور کشور وکرم[16] اس بات پر متفق دکھائی دیتے ہیں کہ آپ کی پیدائش راولپنڈی میں ہوئی۔ لیکن آپ کے پاسپورٹ پر مقامِ ولادت سرگودھا رقم تھا۔[17] سرگودھا سے اپنے تعلق کو اظہر جاوید ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں اور شاید ہی اس سے غلط فہمی کا احتمال ہو:

''سرگودھا سے پرے طالب والا کے راستے پر ایک جگہ ہے
بھاگٹانوالہ۔ تب وہ چوکی بھاگٹانوالہ تھی۔ اس کے ساتھ میرا گاؤں تھا۔ چک
۸۰ جنوبی۔ میں بھاگٹانوالہ کے سکول میں ہی پڑھتا تھا۔ ہمارا خاندان لاہور
اور گوجرانوالہ سے اس چک میں آ گیا تھا۔ اپنی کامیابی کی دیکھ ریکھ کے لئے۔''

میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد جب کالج میں داخل ہوئے تو جناب الطاف مشہدی کے ساتھ مل کر ہفت روزہ خلوص کے اجراء سے صحافتی زندگی کا آغاز کیا۔ اس کے بعد تعلیم کے حصول کے ساتھ ساتھ سرگودھا کے مختلف اخبارات ورسائل سے بھی وابستہ رہے۔ جب صحافت میں قدم رکھا تو اسی عرصے میں پہلا شعر بھی کہا اور پھر ممتاز شاعر جوہر نظامی کی شاگردی اختیار کر لی۔ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ سرگودھا کے دو بڑے نام صحافت اور شاعری میں آپ کے رہنما بنے۔ گورنمنٹ کالج سرگودھا سے گریجوایشن کرنے کے کچھ عرصہ بعد آپ لاہور چلے گئے اور مکمل طور پر صحافت سے رشتہ قائم کر لیا۔ مختلف رسائل کی ادارت، کالم نگاری اور معاونت آپ کے حصے میں رہی جن میں ''عکس نو''۔ ''امروز''۔ ''سیارہ ڈائجسٹ''۔ ''جمہور''۔ ''تقاضے''۔ ''دن'' اور کراچی سے نکلنے والے ''اخبار

Marfat.com

جہاں'' اور'' حریت'' وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن اطمینان اس وقت ہوا جب ۱۹۶۹ء میں اپنے ادبی پرچے ماہنامہ'' تخلیق'' کو جاری کیا۔ آپ کی وفات تک اس طرح جاری رہا کہ فروری کا شمارہ آپ نے اپنے ہاتھوں سے پوسٹ کیا اور مارچ کا شمارہ کمپوزر کو دینے کے لیے اُسے ۱۴ فروری کو بلایا تھا لیکن یہ آپ کا آخری دن ثابت ہوا۔

اظہر جاوید ایک صحافی، ایک شاعر، ایک مترجم، ایک افسانہ نگار، اک مدیر، ایک مکالمہ نگار، ایک گیت نگار اور ایک نقاد کے روپ میں ہمارے سامنے رہے۔ آپ کی پہلی کتاب اگست ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی۔ جو آپ نے انگریزی زبان سے اردو میں ترجمہ کی تھی اور یہ بلغاریہ کے افسانے تھے۔ جسے'' بلغارین افسانے'' کا ہی نام دیا گیا۔ آپ کا شعری مجموعہ'' غمِ عشق گر نہ ہوتا'' کے نام سے اشاعت پذیر ہوا۔ اس مجموعہ میں شامل شاعری بالکل اس نام کی عکاس ہے۔ جس میں محبت تو اپنی جگہ بھرپور ہے ہی۔ لیکن محبت میں فراق، جدائی اور احساسِ تنہائی جو ہوتا ہے وہ بھی ہمیں ملتا ہے۔ گویا کہ یہ نام اظہر جاوید کی شاعری اور دل کی یکساں آواز ہے۔ اور سلطان رشک اس مضمون کو اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> '' اظہر کو کس کا انتظار ہے؟ اُس کی ملگجی شاید اداس کیوں ہے؟ اُس کی تنہائی ختم کیوں نہیں ہوتی؟ ان سب باتوں کا ایک جواب معاشرے میں موجود منافقت، شاعر کا احساس انا، سیاسی اور سماجی عدمِ توازن، اور اس کا ردِعمل بھی ہوسکتا ہے۔ مگر یہ خارجی رخ ہے۔ دراصل اس کا سبب اس کے رومان اور ارمان کی عدمِ تکمیل ہے جو اُس کے درد آشنا مزاج کا حصہ بن چکی ہے اور اسی وجہ سے اُس کے شعروں میں زندگی کے درد کی لہریں ملتی ہیں۔ ۵۱۹

اظہر جاوید کے دیگر کام اور کتابوں کے نام ہیں: '' بڑی دیر ہوگئی'' پنجابی کہانیوں کا مجموعہ، '' ناکام محبت'' ساحر لدھیانوی، '' موت میرے تعاقب میں'' بے نظیر بھٹو کی وفات پر کتاب، '' سندھی ادب و ثقافت نمبر'' تخلیق کے چھے سو صفحات پر مشتمل '' تخلیق کا افسانہ نمبر'' پنجابی، پشتو، سندھی، بلوچی،

Marfat.com

کشمیری کتابوں سمیت، ''تخلیق کا خلیجی ریاستوں میں اردو نمبر'' چھے سو صفحات، اظہر جاوید ایک بھرپور زندگی گزار کر آخری لمحے تک متحرک رہتے ہوئے ۱۴ فروری ۲۰۱۲ء کو لاہور میں وفات پا گئے آپ کی تدفین وہیں ہوئی۔ نمونہ کلام۔

بھول جا اب اُسے چھوڑ تکرار کو، ضد نہ کر، ضد نہ کر
تو نے سولی پہ رکھا ہے کیوں پیار کو ضد نہ کر، ضد نہ کر
اس کو تیری ضرورت نہیں مان لے خود کو پہچان لے
دیکھ پاگل نہ بن توڑ اصرار کو، ضد نہ کر، ضد نہ کر
مانگ کر دیکھ لی تو نے ہر اک دعا ہے خدا کی رضا
اب تو تج دے محبت کے اقرار کو، ضد نہ کر، ضد نہ کر
یاد کر اس کا کوئی بھی وعدہ نہیں، کوئی دعویٰ نہیں
چل گرا دے تمنا کی دیوار کو، ضد نہ کر، ضد نہ کر
تجھ کو کیا آج تک شاعری سے ملا، کیا کسی سے ملا
دفن کر دے تو جذبوں کے اظہار کو، ضد نہ کر، ضد نہ کر ؎۲۰

☆

سرورِ قرب تو ہے نشۂ وصال نہیں — بدن مہکتے ہیں خوشبو کا احتمال نہیں
وہ میرے سامنے بیٹھی ہے اک غزل بن کر — مری گرفت میں لیکن مرا خیال نہیں
بچھڑ کے پھر جو ملے ہیں وفا کی راہوں میں — کسے یقیں کہ مقدر کی یہ بھی چال نہیں
تمھاری آنکھوں میں لکھا نہیں جواب کوئی — مرے لبوں پہ مچلتا کوئی سوال نہیں
تجھے میں یاد رکھوں وقت کو نہیں منظور — تجھے میں دل سے بھلا دوں میری مجال نہیں
افق افق نئی صبحوں کے رنگ پھیلیں گے — جو ڈوبتا ہے یہ سورج اسے اچھال نہیں
تو اپنے طرزِ تغافل پہ کیوں پشیماں ہے — مجھے تو اپنی تباہی کا کچھ ملال نہیں

Marfat.com

نقیبِ صبحِ ازل دیکھ تھک چکا ہوں میں شبِ حیات کی افتادگی کو ٹال نہیں
یہی کہا تھا یہاں جبر کی حکومت ہے تو اس خطا سے ہمیں شہر سے نکال نہیں

میں کیسے روکوں گا اظہر غموں کی تاریکی
کہ میرے ہاتھ میں اب چاندنی کی ڈھال نہیں ۱۲۱

سلیم حسن مرزا

سلیم حسن مرزا ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو سرگودھا شہر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مرزا مامول حسن جو مامول انور کے نام سے ادبی حلقوں میں پہچان رکھتے ہیں۔ ایک خوبصورت شاعر اور صحافی تھے۔

سلیم حسن نے پرائمری تک تعلیم اسلام پورہ میں پائی۔ جبکہ اسلامیہ خالقیہ ہائی سکول سرگودھا سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ گورنمنٹ کالج سرگودھا سے گریجوایشن کیا اور بعدازاں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ آپ نے وزارت مذہبی امور میں پبلک ریلیشنگ آفیسر کے طور پر ایک مدت تک خدمات انجام دیں اور ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد اپنا پرائیویٹ سکول چلانے لگے۔

سلیم حسن مرزا کے گھر کا ماحول چونکہ ادبی تھا۔ اس لئے بچپن سے ہی شعروسخن کی سوجھ بوجھ آ گئی۔ ابھی چھٹی جماعت میں تھے کہ خود بھی شعر کہنے لگے۔ جب شعور میں مزید پختگی آئی تو جوہر نظامی سے مشورہ کرنے لگے۔ آپ شعر کے علاوہ نثر بھی لکھتے تھے لیکن مستقل لکھنے والوں میں آپ کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ کبھی سال دو سال کے بعد ایک آدھ مضمون کسی رسالے میں دکھائی دے جاتا تھا۔ البتہ آپ کی غزلیں تخلیق، عکس نو، اوراق، نقاد یا روزنامہ جنگ و نوائے وقت میں دکھائی دیتی رہیں۔

سلیم حسن نہایت مخلص اور محبت کرنے والی شخصیت تھے۔ دھیمے لہجے میں بات کرتے اور دھیمے لہجے میں ہی شعر کہتے۔ آپ آدمی کی درماندگی اور شکستگی کو اس کی تکریم اور تقدیس کے حوالے سے دیکھتے تھے۔ اور جن حالات سے ہم گزر رہے ہیں اس کا سبب ہماری اپنی تیز رفتاری

Marfat.com

کو ہیں ان کا کہنا ہے کہ ؎

جب زمانے کے چلن میں تیز رفتاری نہ تھی
اس قدر وحشت درو دیوار پر طاری نہ تھی

سلیم حسن مرزا نے ۲۳ اپریل ۲۰۱۰ء بروز جمعۃ المبارک شام کے وقت وفات پائی اور دوسرے دن آپ کو دفن کیا گیا۔آپ نے اگرچہ شعر زیادہ لکھا لیکن آپ کی کتاب نثر میں بعنوان ''کیمرے کے روبرو'' پہلے شائع ہوئی۔

غزل

گھر سے کتنا بے خبر ہوں رات اندازہ لگا
دو قدم اٹھ کر چلا تو سر میں دروازہ لگا
خشک لب، چہرے دھواں، جسموں پہ لرزہ خوف کا
سوکھے پتوں کی طرح یہ گھر کا شیرازہ لگا
نیند کے پیچھے یہاں کے رت جگے در آئیں گے
خواب گاہ زیست میں جیسا بھی دروازہ لگا
پیڑ تو کاٹا ہے تو نے ان پرندوں کو بھی دیکھ
ان کے کرب و درد کا تو کچھ تو اندازہ لگا
موسمِ گل سے مرا اب ربط اتنا رہ گیا
پھول جب کوئی کھلا تو مجھ کو آوازہ لگا
ڈھلتی شب ہو جائے گی کیا اس طرح سے پھر جواں؟
پھیکی پھیکی چاندنی کا اس پہ مت غازہ لگا
آج پھر برسا ہے بادل آج پھر پروا چلی
زخم جو تو نے دیا تھا آج پھر تازہ لگا ۵۲۲

Marfat.com

☆

بیٹھے ہی تھے ابھی ذرا تھک ہار ٹوٹ کر
سر پر ہمارے آ گری دیوار ٹوٹ کر

تنہائیوں میں چھوڑ کر جانے کہاں گئے
ملتے تھے جو کبھی سربازار ٹوٹ کر

ہر سمت سے ہزار ہا پتھر برس پڑے
یوں ریزہ ریزہ ہو گیا گھر بار ٹوٹ کر

پتھر پہ جس طرح سے گرے آئینہ کوئی
اک دن گرو گے فرش پہ سرکار ٹوٹ کر

ساحل تو دو قدم تھا مگر حادثہ ہوا
کشتی بکھر گئی سرِ منجدھار ٹوٹ کر

چاہت کی راہ میں کبھی دنیا کی راہ میں
بکھرے ہیں ہم سلیم کئی بار ٹوٹ کر ۵۴۳

شفیع ضامن

محمد شفیع نام اور ضامن تخلص ہے۔ ایک مدت تک محمد شفیع کے نام سے ہی لکھتے رہے۔ فوج میں جب صوبیدار ہوئے تو ضامن بھی ساتھ لکھنا شروع کر دیا۔

''آپ ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو نوشہرہ تحصیل خوشاب میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد فتح محمد سون کے اعوان قبیلے سے متعلق تھے۔ ابتدائی تعلیم نوشہرہ سے حاصل کی اور پھر فوج میں بھرتی ہو گئے۔ سگنلز سنٹر کوہاٹ میں ٹریننگ کی۔ اور جب دوبارہ کوہاٹ سنٹر میں تبادلہ ہوا تو سنٹر کی تھیٹریکل ٹیم کا حصہ بنے۔ ۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۴ء تک آپ سگنلز کور میں رہے۔

۱۹۶۴ء میں ایف اے کیا اور اسی سال آپ کو ایجوکیشن کور میں لے لیا گیا۔ ۱۹۶۶ء میں آپ نے بی۔ اے اور ۱۹۶۸ء میں ایم۔ اے کی ڈگریاں لیں۔ ۱۹۸۲ء میں آپ صوبیدار میجر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے اور تمغۂ خدمت درجہ اول سے نوازے گئے۔'' ۵۴۴

آرمی سے ریٹائرمنٹ کے بعد شفیع ضامن کا اسلام آباد، طلبہ کے کالج میں استاد کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ جہاں آپ ۱۹۸۲ء سے ۱۹۹۸ء تک رہے۔ یہاں شاہد رشید امجد بھی ان کے شریک کار

Marfat.com

تھے کیونکہ وہ اپنی سوانح عمری میں لکھتے ہیں کہ:

''ایم اے اردو کر کے وہاں (فوج) سے ریٹائرمنٹ لے لی اور اسلام آباد کالج فار بوائز میں لیکچرر ہو گئے ۔۔۔۔ اچھی شاعری کے ساتھ ساتھ عمدہ خاکے لکھتے ہیں۔ ان کے خاکوں کی خاص بات یہ ہے کہ شخصیت کے اندر اتر کر باتیں نکال لاتے ہیں جو اگرچہ سامنے کی ہوتی ہیں لیکن ان کے نفسیاتی محرکات سے ہم لاعلم ہوتے ہیں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد ہم دونوں اب ایک ہی کالج میں ہیں۔'' ۵۲۵

میری ملاقات جب ۲۰۰۰ء میں ہوئی تو آپ اسلام آباد میں ہی کسی پرائیویٹ کالج میں پڑھا رہے تھے۔ اور وہیں ''۲۰۰۶ء میں آپ اللہ کو پیارے ہو گئے''۔ ۵۲۶ وفات کے بعد آپ کی میت کو آپ کے گاؤں نوشہرہ ضلع خوشاب میں لا کر دفن کیا گیا۔

شفیع ضامن نے فوج میں رہتے ہوئے مختلف عسکری رسائل کے لئے مضامین لکھے۔ شاعری بھی کی۔ چونکہ ان رسائل کی پالیسی اپنی ہوتی ہے اس لئے ملی و قومی شاعری میں آپ وہاں پہچانے گئے۔ لیکن عام ادبی رسائل میں آپ نے جو غزل، حمد اور نعت لکھی۔ وہ آپ کی ادبی حلقوں میں پہچان کا سبب بنی۔ محسن عباس ان کی غزل پر تبصرہ کرتے ہوئے بڑی خوبصورت بات کر گئے ہیں:

''ضامن کی غزل کا تار و پود جدید اردو غزلوں کے معیار سے مربوط ہے۔ اپنی فکری جولانیاں اور خلقی توانائیاں اسی صنف کو آراستہ کرنے میں آزماتے ہیں۔ ان کی شاعری روح کے منجدھار میں اترنے، موجوں سے ٹکرانے، سایہ دار درخت بننے، جھونکوں میں گھلنے اور قدروں میں تلنے کا درس دیتی ہے۔ بحیثیت مجموعی اس دور کے قاری کو عصری نوحہ سناتی ہے۔ فطرت اور روحِ فطرت میں اس کا سکون تلاش کرتی ہے۔'' ۵۲۷

شفیع ضامن نے شاعری کے علاوہ تنقیدی مضامین بھی لکھے۔ ڈرامہ نگاری کا آغاز آپ

Marfat.com

نے کوہاٹ سنٹر سے کیا۔ جو وہاں سٹیج بھی ہوئے۔ ترجمہ نگاری میں آپ کی ایک کتاب "تخت یا تختہ" شائع ہو چکی ہے۔ جو "ہیرو دانوڈا" کی کتاب کا ترجمہ ہے۔ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز نے ایم اے کا مقالہ آپ پر لکھوایا ہے جس میں آپ کے کلام اور مضامین کی بھی تدوین کی گئی ہے۔ محمد شفیع ضامن کی شاعری کا نمونہ ملاحظہ فرمائیے:

غزل

کیسے خود بینوں میں ہے بیٹھنا اٹھنا اپنا
جو ملا ہے وہی لے بیٹھا ہے قصہ اپنا

پیار کرتا رہا غیروں سے بھی اپنوں کی طرح
میں کہ اپنوں کی نظر میں بھی نہیں تھا اپنا

یار غیبت سے ملامت پہ اتر آئے تو کیا
میں نے تو اب بھی توازن نہیں کھویا اپنا

عشق اندھا ہے تو اے اہل نظر پھر کیسے
کھوج لیتا ہے اندھیروں میں بھی رستہ اپنا

میں تری رائے میں پاگل ہی سہی، پر یہ بتا
کبھی دیکھا بھی ہے یہ چاند سا چہرہ اپنا

تو گریزاں ہے تو جھنجھلائے ہوئے پھرتے ہیں
جیسے بے لوث نہ ہو تجھ سے بھی رشتہ اپنا

ہر نئے دور کے معیار الگ تھے ضامن
شکر ہے یاد رہا ہم کو سلیقہ اپنا ۵۲۸

☆

تپتی دوپہریں، بے سایہ دیواریں اور میں
اوپر سے چلتے تیروں کی بوچھاڑیں اور میں

رنگوں روشنیوں، خوشبوؤں کے ہالے اور تو
دکھ دھولوں، بے رونقیوں کی یلغاریں اور میں

ایک ملاپ کا عالم سارا، ایک تمام فراق
گھنے درختوں میں چڑیوں کی چہکاریں اور میں

دیکھیں کیا اس رویا کی تعبیر نکلتی ہے
شام، افق، کرلاتی کونجوں کی ڈاریں اور میں

کون اتار کے لے گیا کمرے کی ساری تصویریں
پیچھے رہ گئیں خالی خالی دیواریں اور میں

ضامن میرا ذاتی سرمایہ بس اتنا ہے !!
چند کتابیں، کچھ پرچے، کچھ اخباریں اور میں ۵۲۹

Marfat.com

ثاقب ملک

ملک حبیب نواز ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو موضع ہردو سودھی تحصیل خوشاب میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ملک احمد نواز خان فوج سے میجر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔۵۲۰ حبیب نواز جو بعد میں ادبی دنیا میں ثاقب ملک کے نام سے جانے گئے نے پہلی جماعت بھارت کے شہر جھانسی کے نزدیک ایک قصبہ بیینا میں پڑھی۔ آپ کے والد کا تبادلہ وہاں سے نوشہرہ کینٹ (صوبہ سرحد) میں ہو گیا۔ تو ثاقب کو رسالپور میں داخل کروایا گیا جہاں تیسری اور چوتھی جماعت پڑھی۔ اور پھر خالقیہ ہائی سکول سرگودھا میں انہیں داخل کروادیا گیا جہاں سے ۱۹۵۴ء میں میٹرک کیا۔ گورنمنٹ کالج سرگودھا سے ۱۹۵۸ء میں گریجوایشن کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی لاء کالج میں ایل ایل بی کیلئے داخلہ لیا۔ لیکن صحت خراب ہوگئی اور یہ سلسلہ ۱۹۵۶ء تک منقطع رہا۔ ۱۹۶۶ء میں پنجاب یونیورسٹی سے نجی حیثیت سے اردو میں ایم اے کیا۔ ۱۹۷۲ء تک آپ بے روزگار رہے اور ۱۹۷۳ء میں پی ٹی وی میں اسسٹنٹ پروڈیوسر ہو گئے۔ جہاں سے ۱۹۹۸ء میں پروڈیوسر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔۵۲۱

ثاقب ملک نے اگرچہ اردو میں ایم اے کیا تھا۔ بیکاری کے ۶ سال مطالعہ میں گزارے تھے لیکن شاعری کی طرف اس وقت متوجہ ہوئے جب پاکستان ٹیلی ویژن میں ایسے لوگوں سے رابطہ ہوا جن کا اوڑھنا بچھونا ہی ادب تھا۔ اس ماحول میں آپ نے بھی شعر کہنا شروع کیا۔ اور دوستوں کے ساتھ برابری کے اس تقاضے کو نبھایا۔ پی ٹی وی میں بھی آپ نے مطالعہ کو رہنما بنایا اردو کے علاوہ انگریزی ادب اور فارسی ادب سے لگاؤ اور لگن نے بین الاقوامی ادب کو سمجھنے میں ان کی معاونت کی۔

آپ نے ادب کو بھی سمجھا اور زندگی کو بھی۔ اور پھر ایک فیصلے پر پہنچے کہ:

> ''ادب اور زندگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ادب اگر ایک طرف رواں دواں زندگی کی ترجمانی کرتا ہے تو دوسری طرف زندگی کو زیادہ خوبصورت، زیادہ حسین اور زیادہ خوشگوار بنانے کا فریضہ بھی سرانجام دیتا

Marfat.com

ہے۔ادب کی تمام اصناف اپنی اپنی جگہ قابلِ قدر اور اہم ہیں۔مگر شاعری تمام اصناف اور ادب میں ہمیشہ ممتاز رہی ہے۔اس کی وجہ شاید یہی ہے کہ شاعری جس طرح انسانی دلوں میں محبت کا رس گھولتی ہے۔انسانی آرزوؤں کو جو حسن اور تابندگی بخشتی ہے۔اور انسانی زندگی کے تاریک لمحوں میں بھی جو چاندنی بکھیرتی ہے کوئی اور صنفِ ادب اس کا مقابلہ نہیں کر پاتی۔'' ۵۳۲

اور شاید یہی احساس تھا جس نے انہیں شعر کہنے کی طرف مائل کیا اور انہوں نے ''بردرجاناں''۔''سانول سرسنگیت'' اور ''سلگتی چاندنی'' جیسے شعری مجموعے قارئین کی نذر کیے۔

ثاقب ملک کی شاعری میں کلاسیکیت اور سرسنگیت کا بھرپور تاثر ملتا ہے۔اس نے شعر میں تجربات اور مشاہدے کو زندگی کی باریکیوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔اور تلخی و تندی کے ساتھ میٹھی اور شیریں سچائیوں کو الفاظ کا موزوں رنگ دیا ہے۔اور زندگی میں سے محبت اور جمالیات کے حسین رنگوں کو کشید کر کے مصوری کی ہے۔آخری عمر میں آپ تصوف کی طرف مائل ہو گئے تھے۔گاؤں میں ہی گوشہ نشینی کی زندگی گزارنے لگے۔کئی بار ٹیلی فون پر رابطہ ہوا تو انہوں نے اپنی معذوری کا اظہار کرتے ہوئے راقم کو وہاں آنے کی دعوت دی۔اور پھر اسی عالم میں ورد و وظائف کرتے ہوئے ۱۷ جولائی ۲۰۱۱ء کو اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

غزل

کچھ یوں جبینِ دل پہ رقم ایک نام ہے — جیسے فلک پہ جلوہ ماہ تمام ہے
یادوں کے گلستاں پہ ہے پھر بارشِ جمال — پھر ساغرِ نظر میں مئے لالہ فام ہے
پڑتی ہے اک پھوار سی رنگوں کی ہر طرف — پھیلا ہوا شفق پہ تمنا کا دام ہے
تیرے بغیر لگتا ہے یوں جیسے زندگی — سورج غروب ہونے پہ صحرا کی شام ہے
حیراں سا دیکھتے ہو جو اس سمت بار بار — وہ دل نواز یاد کیا بالائے بام ہے
لگتا ہے آج پھر کوئی تقریب خاص ہے — اتنے تکلفات کا جو اہتمام ہے

Marfat.com

ثاقب کسی بہار کی آمد تو ہے ضرور
دل میں شمیمِ حسن سی محو خرام ہے ۵۳۳

☆

تھی تو آباد مگر اتنی بھی آباد نہ تھی　　گویا ہستی تھی دل آویز پہ بنیاد نہ تھی
کثرتِ جلوہء اصنام سے مسحور نظر　　محوِ نظارہء صد رنگ سہی شاد نہ تھی
جبرِ ہستی سے کسی طور رہائی نہ ملی　　زندگی آپ ہی زندان تھی آزاد نہ تھی
چہرے پژمردہ، بدن محنتِ شاقہ سے نڈھال　　دنیا اتنی ہوئی برباد کہ برباد نہ تھی
بوند آنکھوں میں نہ آواز گلو میں باقی　　ایسی صحرا بصدا پہلے تو فریاد نہ تھی
تم اکیلے ہی تو معتوب نہیں ہو ثاقب
کار الفتِ میں روا کس پہ یہ بیداد نہ تھی ۵۳۴

محمد صفدر خان

محمد صفدر خان ۲۰ دسمبر ۱۹۳۸ء کو حکیم سرخرو خان کے ہاں نوشہرہ تحصیل خوشاب میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم نوشہرہ میں حاصل کی۔ اپنے اُس وقت کے کلاس فیلوز میں سے اکثر آپ شفیع ضامن کو یاد کرتے رہتے تھے۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے بی اے اور بہاولپور یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ میٹرک کے بعد تدریس کے شعبے سے منسلک ہوئے اور ۶۰ سال کی عمر تک مختلف سکولوں میں پڑھاتے رہے۔ آخر میں سوڈھی جے والی ہائی سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے جب ریٹائرمنٹ ہوئی۔

محمد صفدر خان نے ۱۹۵۵ء میں شعر کہنا شروع کیا۔ ملاقات پر مجھے آپ نے بتایا تھا کہ ''میری کتاب سیدنا ابوبکر صدیق (منظوم) ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی۔''۵۳۵ لیکن بار بار کہنے کے باوجود مجھے وہ کتاب نہیں دکھائی۔ ۲۷ جون ۲۰۰۸ء کو سرِ راہے مجھے اس کتاب کا مسودہ آپ نے دکھایا۔ جسے

Marfat.com

اشاعت کیلئے تیار کر رکھا ہے۔ آیا آپ کی وہ کتاب شائع نہیں ہوئی تھی؟ اب شائع ہونے لگی ہے؟ دیکھیں ہوتی بھی ہے یا نہیں؟ دوسرا مجموعہ مرادِ مصطفیٰؐ اور تیسرا اعثان ذوالنورین مسودات کی صورت میں موجود ہیں۔ یوں آپ کو منظوم سیرت نگار کہا جا سکتا ہے۔ آپ کی شاعری میں اِس حوالے سے جان ہے۔ اور اگر یہ کتب شائع ہو گئیں تو زندہ شاعری میں ان کا نام رہ جائے گا۔ لیکن افسوس کہ آپ کی اولاد پڑھی لکھی ہونے کے باوجود کتاب کی اہمیت سے انجان ہے۔

محمد صفدر خان نے شاعری میں ابتداءً غلام حسین قیصر سے اصلاح لی۔ اور شاید یہ ۱۹۷۲ء کے بعد کا زمانہ ہوگا۔ کیونکہ ۱۹۷۲ء میں آپ نے نوشہرہ سے نقل مکانی کی اور سرگودھا آ کر رہائش اختیار کی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی آپ متحرک رہے اور آخری لمحوں تک آپ کسی پر بوجھ نہیں بنے اور یونیورسٹی میں اکثر دیکھے جاتے رہے۔ یکم شوال ۲۰۱۰ءمیں آپ نے سرگودھا ہی وفات پائی۔

نعت رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

سردار سب رسولوں کے اور رہنما ہیں آپؐ
اک نورِ بیکراں ہیں حبیب خدا ہیں آپؐ

نورِ ازل کا پرتوِ اکمل حضورؐ ہیں
شمسِ منیر باعثِ ارض و سما ہیں آپؐ

شاہد ہیں کبریا کے امم کے شفیع ہیں
سلطانِ کائنات خدا کی رضا ہیں آپؐ

بے مثل دو جہان میں لاریب آپؐ ہیں
بحرِ کرم میں منبع جودو سخا ہیں آپؐ

کشف الدجیٰ جمال میں پورا کمال ہے
اک مشکلِ ہدیٰ ہیں سراجِ صفا ہیں آپؐ

شاہی میں فقر و فخری کا ساماں پسند تھا
اے شاہِ کائنات وہ خیر الوریٰ ہیں آپؐ

انسان زیرِ بار ہے خلقِ عظیم کا
ترویجِ خلقِ عام کے بس پیشوا ہیں آپؐ

جبریل کو بھی در کی غلامی پہ ناز ہے
وہ تاجدار و سرورِ ہر دوسرا ہیں آپؐ

اے پیکرِ خلوص خدا را نگاہِ لطف
ہر حق طلب کے واسطے اک حق نما ہیں آپؐ

سب انبیاء کو آپ کا ہے اقتداء قبول
وہ مقتدی ہیں رہبرِ کل انبیاء ہیں آپؐ

اشرف عزیز آپؐ ہیں صفدر کا ہے یقیں
برتر خدا کے بعد فقط پیشوا ہیں آپؐ ۵۳۶

Marfat.com

آفتاب مفتی

سرگودھا کے کئی چکوک میں گجرات سے نقل مکانی کر کے آئے ہوئے کئی زمیندار خاندان رہائش پذیر ہیں۔ انہی خاندانوں میں گجرات کے مفتی خاندان کے کچھ لوگ بھی یہاں آباد ہیں۔ گجرات سے نقل مکانی کر کے آنے والوں میں ایک نام ڈاکٹر محمد شریف قیصر کا بھی تھا۔ ڈاکٹر محمد شریف قیصر کے ہاں ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو چک نمبر ۷۵ جنوبی ضلع سرگودھا میں ایک بچے نے جنم لیا جس کا نام نصر اللہ خان رکھا گیا۔ ابھی اس بچے کی عمر پانچ سال تھی کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ ایک باہمت خاتون تھیں جو تدریس کے شعبے سے وابستہ تھیں۔ وہ اپنے بڑے بیٹے ظفر اللہ طارق اور منجھلے نصر اللہ خان کو اپنے ساتھ اسی سکول میں لے جانے لگیں جبکہ تیسرا بیٹا اسد اللہ خان ابھی بہت چھوٹا تھا۔ ان تین بیٹوں کے علاوہ تین بیٹیاں بھی تھیں۔ اکیلی خاتون، چھوٹے چھوٹے بچے۔ جب حالات مخدوش ہونے لگے تو اس نے اپنے بچوں کی انگلی پکڑی اور ۱۹۴۷ میں اپنے اصل کی طرف یعنی گجرات کو مراجعت کر گئی۔ نصر اللہ خان نے یہیں اپنی تعلیم مکمل کی اور صحافت میں حصہ لینے لگے۔ اس سے پہلے شعر آپ کالج کے زمانے سے کہہ رہے تھے اور اپنے لیے آفتاب مفتی کا قلمی نام استعمال کر چکے تھے۔ صحافت میں آتے ہی آپ نے اردو زبان میں ہفت روزہ ''تازیانہ'' اور انگریزی زبان میں ماہنامہ ''سن رائز'' کا اجراء کیا۔ آپ کے والد بھی چونکہ صحافت سے وابستہ رہے اور بے باک صحافت میں ایک نام کمایا۔ آفتاب نے بھی انہیں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے جانشین ہونے کا حق ادا کرنا اپنا مطمعِ نظر سمجھا اور کئی مزاحمتی اور انقلابی تحریریں قارئین کو دیں۔

آفتاب مفتی نے ۲۵ دسمبر ۱۹۹۲ء کو گجرات میں ہی وفات پائی۔ آپ کے بعد آپ کے بڑے بھائی طارق مفتی جن کا بظاہر صحافت سے یا شعر وسخن سے تعلق نہیں تھا، سامنے آئے اور اب ''تازیانہ'' کو باقاعدگی سے چلا رہے ہیں۔

آفتاب مفتی ایک صحافی، ایک شاعر، ایک دانشور اور ایک مصنف کی حیثیت سے اپنی

Marfat.com

پہچان رکھتے تھے۔لیکن ان کی تحریریں رسائل وجرائد میں بکھری ہوئی تو ملتی ہیں، کتابی صورت میں سامنے نہیں آئیں۔شاعری میں آپ کا رنگ یا لہجہ مزاحمتی اور انقلابی تھا۔

بد نصیبی کا لیکن خدا مر گیا

قاضیِ شہر نے اس کو بیٹی کہا، اور ترازو میں انصاف کے ڈال کر
اس کو حجرے کی زینت بنانے لگا جب وہ تڑپی تو تھپڑ دیا گال پر
تو نہیں جانتی جو بھی آیا یہاں، وہ تعیش کا سامان بن کے گیا
تیرا انکار توہینِ انصاف ہے، انتہائے غضب میں گرجنے لگا
محتسب بھی مرا، کوتوالی مری، اور فقیہ شہر میرا دریوزہ گر
کوئی آشفتہ سر تیری آواز پر سوئے مقتل چلے، بن سکے چارہ گر
بائرن کی قسم میں ہوں واہرنسل، اب نہ قاسم کوئی بھی ادھر آئے گا
بن کے تیری صدا، ہر محافظ ترا، سکرا کرا دھر سے گزر جائے گا
تیرے بھائی ہیں بے غیرتی کے نشاں، ان میں احساسِ تقدیسِ حرمت کہاں
جانتے ہیں فقط مصلحت کی زباں، سو گئے سارباں، لٹ گیا کارواں
سسکیاں مر گئیں، ہچکیاں لٹ گئیں اور سناٹا چیخوں سے تھرا گیا
اس طرح ایک منصف عدل کا امیں، ایک فریادِ مظلوم سنتا رہا
دم بخود بے کسی سر پٹختی رہی بد نصیبی کا لیکن خدا مر گیا
اپنی بیٹی کے بدبخت ناموس پر، اس طرح اک درندہ بپھرتا رہا
بے بسی نے پکارا خدا کے لیے، رسمِ رفتہ کو اب پھر سے آواز دو
بیٹیاں جننے والو، انہیں جنتے ہی، ان کے سینے میں نوکِ سناں گاڑ دو
تاکہ کوئی بھی مجبور بیٹی یہاں، پھر کسی کو نہ بھائی، نہ والد کہے
پھر نہ کوئی بھی منصف عدل کا امیں، بنی بیٹی کہے آبرو چھین لے ۵۳۸

Marfat.com

غزل

اس دورِ گھٹن میں کوئی آواز اٹھاؤ اس جور و سیاہ کاری پہ اک حشر اٹھاؤ
پتھراؤ گھروندوں پہ ہے شیشے کے گھروں سے ان شیش محلوں پہ کوئی سنگ گراؤ
اک آندھی کی صورت درِ زنداں کو اکھیڑو اے گوشۂ زنداں کی محبوس ہواؤ
یہ ظلم تشدد یہ مقدمے یہ سزائیں کب پاؤں کی زنجیر بنیں یہ تو بتاؤ
سچائی کی آواز دبی ہے نہ دبے گی دیوار پہ لکھا ہے یہ اے بونے خداؤ
تنہا میری آواز سے کب بات بنے گی
لب کھولو! اس آواز میں آواز ملاؤ ۵۳۹

شوکت راز

راؤ شوکت علی خان نام اور راز تخلص نے مل کر جو ادبی نام پیدا کیا وہ شوکت راز بنا۔ آپ سابق ہندوستان کے شہر رہتک میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تاریخ ولادت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ''سخنوران سرگودھا'' کے مؤلف نے ۱۹۴۲ء۵۴۰ جبکہ آپ کے کلیات کے سرآغاز میں ۲۵ دسمبر ۱۹۴۱ء ۵۴۱ کی تاریخ درج ہے۔ لیکن ''آئینۂ احساس'' میں جو تاریخ آپ کے تعارف میں دی گئی ہے وہ یکم اپریل ۱۹۴۱ء ہے۔۵۴۲ اور یہی تاریخ آپ نے اخلاق عاطف ۵۴۳ کو اپنے ہاتھ سے لکھ کر دی تھی۔ جو اس نے ۱۹۸۴ء میں ایک فارم فل کراتے ہوئے لی تھی۔ اس لئے مؤخر الذکر تاریخ ولادت صحیح تصور کی جاتی ہے۔ آپ کے والد کا نام دوست محمد تھا۔ جو اپنے بال بچوں کے ساتھ رہتک سے ہجرت کر کے پاکستان آ گئے تھے اور پھلروان ضلع سرگودھا میں رہائش اختیار کی تھی۔

شوکت راز نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول پھلروان سے حاصل کی اور میٹرک کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج سرگودھا میں داخلہ لیا۔ جہاں آپ نے تعلیم کے علاوہ غیر علمی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا۔ تعلیم سے فارغ ہو کر اگرچہ فوج، فارسٹ اور پولیس میں Select

Marfat.com

ہوتے رہے لیکن آخری ملازمت شعبہ تدریس میں کی۔ جس میں ۱۹۹۰ء تک مختلف مقامات پر مختلف حیثیتوں میں خدمات انجام دیتے رہے۔

شوکت راز نے ۱۹۷۳ء میں پھلروان میں مجلسِ فکروشعور کی بنیاد رکھی۔ یہ ادبی تنظیم نئے آنے والوں کے لئے ایک اکیڈمی کا درجہ رکھتی تھی۔ اس تنظیم کے پلیٹ فارم پر جہاں کئی مشاعرے منعقد کئے گئے وہاں پبلشنگ کا کام بھی کیا گیا۔ جسے بعد میں شوکت راز اکیڈمی نے سنبھال لیا۔ آپ کی بھی تمام کتابیں اسی ادارے سے شائع ہوئیں جن کے نام ہیں۔ خراشیں (شعری مجموعہ)۔ کالا سورج (شعری مجموعہ)۔ ردِعمل (شعری مجموعہ) ادراک (شعری مجموعہ) دستک (شعری مجموعہ)۔ پاداش (شعری مجموعہ)۔ توشہ (نعتیہ مجموعہ)۔ کجھ تے بول (پنجابی شاعری) فشار (کلیات) اور ''آپ اور آپ کے بچے'' (نفسیات)۔

شوکت راز نے ۲۵ فروری ۲۰۰۷ء کو وفات پائی اور پھلروان میں دفن ہوئے۔ جناب رئیس امروہوی نے آپ کی شاعری کے بارے کہا تھا:

> ''میں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں رکھتا کہ شوکت راز اس دور کا نمائندہ شاعر ہے۔ اس کا شعور پختہ، فکر رسا، انداز بیان دلکش اور رنگ تغزل مجتہد ہے۔''[۴۴]

بغرضِ مصلحت اغلاط کو تسلیم کیوں کرتا
میں سچا تھا منافق سے بھلا تفہیم کیوں کرتا

اگر یہ جانتا کہ ریزہ ریزہ ہو کے بکھروں گا
تو اپنی ذات کو لوگوں میں یوں تقسیم کیوں کرتا

حوالہ اس کو قدر آدمی کا کس لئے دیتا
درندہ ہے تو وہ انسان کی تکریم کیوں کرتا

اگر تو بھی محبت کے رویے سامنے رکھتا
تو تیرے درد کو الفاظ میں تجسیم کیوں کرتا

ترے شہروں کے حلقوں میں اگر کچھ بھی لچک ہوتی
تو پیدا گاؤں میں چھوٹی سی وہ تنظیم کیوں کرتا

وہ بونا ہے مجھے احساس ہے اس بات کا شوکت
مرے قد کو مجھے معلوم ہے تسلیم کیوں کرتا [۴۵]

Marfat.com

نعت

کامیابی کا تھا جو رستہ دکھایا آپؐ نے
بے یقیں افراد کو مژدا سنایا آپؐ نے

جن کو کافر یہ سمجھتے تھے کہ ہیں حاجت روا
سب سے پہلے ان بتوں کو ہی گرایا آپؐ نے

جھک گئے تارے وہیں مہتاب شرمندہ ہوئے
کالی کملی کو جو چہرے سے ہٹایا آپؐ نے

آپؐ نے یکسر کیا طاقت وروں سے اختلاف
اور کمزوروں کو سینے سے لگایا آپؐ نے

میں یہ سمجھوں گا میری نعتیں سبھی کرلیں قبول
مجھ کو طیبہ کی طرف جس دن بلایا آپؐ نے

صرف باتوں سے نہیں درس شرافت دے دیا
ساری دنیا کو نمونہ بھی دکھایا آپؐ نے

ساری دنیا سے سیاہی دھو کے اجلا کر دیا
اک دیا صحراؤں میں ایسا جلایا آپؐ نے

میری کیا اوقات انؐ سے عشق کا دعویٰ کروں
یہ بھی کیا کم ہے کہ چہرہ ہی دکھایا آپؐ نے

وہ جو صحرا میں پڑے تھے پوچھتا کوئی نہ تھا
آسماں پر ایسے لوگوں کو بٹھایا آپؐ نے

ایک دم وہ ساری دنیا میں معزز ہو گئے
وہ قرینہ اہل طیبہ کو سکھایا آپؐ نے

ہر بڑے چھوٹے کو آتے ہی مساوی کر دیا
فرق رنگ و ذات کا ایسا مٹایا آپؐ نے

میں ہوں شوکت راز دم بھرتا ہوں آقا آپ کا
نعت گوئی کا سلیقہ بھی سکھایا آپؐ نے ۵۴۶

حضرت غلام نظام الدینؒ

حضرت صاحبزادہ غلام نظام الدین معظمیؒ کا تعلق معظم آباد تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا کی معروف خانقاہ معظمیہ سے ہے۔ آپ حضرت خواجہ غلام سدید الدینؒ کے تیسرے فرزند تھے۔

پروفیسر طارق حبیب نے سہ ماہی شبیبہ کا حضرت خواجہ غلام نظام الدین معظم آبادی رحمتہ اللہ علیہ نمبر شائع کر کے اپنی عقیدت اور ارادت مندی کا حق ادا کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

آپ کی ولادت ۲۴ جولائی ۱۹۴۱ء بروز/ ۲۸ جمادی الآخر ۱۳۶۰ھ/ ۹ ساون ۱۹۹۸ء بکرمی

Marfat.com

بدھ اور جمعرات کی درمیانی رات، دس بجے مرولیانوالہ (حال معظم آباد) میں ہوئی۔ لیکن اسی شمارے میں طارق حبیب نے اپنے مضمون میں ۲۹ جمادی الآخر کی تاریخ لکھی ہے۔ چونکہ قمری تاریخ شام کے بعد تبدیل ہو جاتی ہے شاید طارق حبیب اور خواجہ معین نظامی کا بیان کردہ ایک دن کا درمیانی تفاوت اس بنا پر ہو۔

آپ کا نام غلام معین الدین تجویز ہوا۔ مگر حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ کے حکم پر آپ کا نام ''غلام نظام الدین'' طے پایا۔

آپ کے والد محترم حضرت خواجہ غلام سدید الدینؒ نے حضرت خواجہ محمد معظم الدینؒ کے روضہ انور میں آپ کو الف، ب پڑھا کر آپ کی تعلیم کا باقاعدہ آغاز کیا۔ ۱۹۴۸ء میں مڈل سکول مرولیاں والا میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۶ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا۔ آپ کو اسی دوران مصوری اور خطاطی کا شوق پیدا ہوا۔ حضرت حافظ محمد یوسف سدیدیؒ سے باقاعدہ فن خطاطی سیکھنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ۴ جون ۱۹۵۶ء کو روزنامہ امروز لاہور کی پیشانی پر ''امروز'' آپ کی خطاطی کا شاہکار شائع ہوا۔ ۱۹۵۸ء میں میٹرک کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج سرگودھا میں تعلیمی سلسلے کو جاری رکھا فرسٹ ائیر میں تھے کہ اپریل ۱۹۵۹ء میں آپ کی شادی ہوگئی۔ ۱۹۶۲ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا اور پھر اورینٹل کالج لاہور میں ایم اے فارسی میں داخلہ لیا۔ ۱۹۶۴ء میں فارسی اور پھر ۱۹۶۵ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اردو کیا اسی سال محکمہ خاندانی منصوبہ بندی میں بطور سپر وائزر تقرری ہوئی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اردو اور فارسی دونوں شعبوں میں لیکچررشپ کے لئے درخواست دے دی جس پر آپ کو میونسپل ڈگری کالج بھلوال میں تعینات کیا گیا۔ جہاں آپ فارسی اور اردو دونوں پڑھاتے رہے۔ یہیں سے آپ نے افغانستان کی سیاحت بھی کی۔ بھلوال کے علاوہ آپ گورنمنٹ حشمت علی اسلامیہ کالج راولپنڈی اور گورنمنٹ انبالہ مسلم کالج سرگودھا میں بھی لیکچرار رہے۔ آپ کو اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران ہی پیٹ میں بڑھتی ہوئی رسولی کے اپریشن کیلئے العباس ہسپتال سرگودھا میں داخل ہونا پڑا۔ لیکن اسی دوران ۸ جولائی ۱۹۹۵ء/ ۱۰ صفر ۱۴۱۶ھ بروز ہفتہ رات ساڑھے ۹ بجے کے

Marfat.com

قریب حرکتِ قلب بند ہونے سے آپ نے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دیں۔ ۹ جولائی کو ساڑھے تین بجے سہ پہر صاحبزادہ جمال الدین صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپ کو خواجہ محمد معظم الدینؒ کے روضہ مبارک کے مرکزی دروازے کے سامنے سپردِ خاک کیا گیا۔ ۵۴۸

حضرت خواجہ غلام نظام الدینؒ کو بچپن ہی سے شعروادب سے دلچسپی تھی۔ حضرت خواجہ غلام سدید الدینؒ آپ کو فارسی اور اردو کے نامور شعراء کے دواوین فراہم کرتے رہتے تھے۔ جن کے مطالعے سے آپ کا ذوقِ شعری نکھرتا گیا۔ آپ نے نظم اور نثر دونوں اصناف میں لکھا۔ آپ کی اہم تصانیف درج ذیل ہیں۔

''شاخِ گل (شعری مجموعہ)۔ شعرِ ناب (کلاسیکی فارسی، اردو، پنجابی شعراء کا منتخب کلام اور ان پر تنقیدی حواشی و حالات)۔ چاندنی کا شہر (خطوط)۔ ھوالمعظم (خانقاہ معظمیہ کی صد سالہ تاریخ)۔ دیباچہ ھوالمعظم (رائج خانقاہی نظام کی خرابیاں اور اصلاحی احوال)۔ فوزالمبین (خانقاہِ معظمیہ کے متعلق اصلاحی منشور)۔ ایک سو سال بعد (حضرت شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالویؒ کے ملفوظاتِ عالیہ) جھلک (افسانوی نثر اور علامتی افسانے) اس کے علاوہ حضرت یوسف سدیدی کے سوانح اور فن کے متعلق ایک تفصیلی کتاب''۔ ۵۴۹

آپ چونکہ صاحب فکر و نظر اور درویش باصفا تھے۔ جس کی جھلک آپ کی شاعری میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

جلوۂ حسن کو یہ پردۂ اظہار ہے تنگ
شورشِ عشق کو یہ کوچہ و بازار ہے تنگ

تیری مسند سے مری رفعتِ تخییل ہے پست
تری منزل کو مری وسعت افکار ہے تنگ

یہ زبان اور ترے اوصاف کا مضمون طویل؟
تیری مدحت کے لئے عرصہ گفتار ہے تنگ

جلد پیغامِ خلاصی تجھے مل جائے گا
اب تو کچھ اور طرح سے تیرا بیمار ہے تنگ

دل کو اے درد نہ چھیڑ اتنا کہ نالہ پھوٹے
نغمۂ عشق کو یہ گنبدِ دوّار ہے تنگ

ہم نے بازارِ سخن میں ہیں بکھیرے موتی
جنس گو مفت ہے یہ پھر بھی خریدار ہے تنگ

Marfat.com

آج اک مست تڑپتے ہوئے کہتا تھا نظام
فیضِ ساقی ہے فزوں، ظرفِ قدح خوار ہے تنگ ۵۰ء

☆

چمن ہے مجھ سے چمن کی بہار مجھ سے ہے — کلی کلی کا یہ تازہ نکھار مجھ سے ہے
چھری گلے پہ چلے اور پھڑک نہ ظاہر ہو — جہانِ عشق میں رسمِ شکار مجھ سے ہے
صبا ہے تجھ سے، چمن تجھ سے، داستاں تجھ سے — بس ایک گریہء بے اختیار مجھ سے ہے
غرض ہوں میں تو تری ذاتِ جوہرِ اولیٰ — ترا وجود ہی خود آشکار مجھ سے ہے
خدا بچائے مجھے ایسی قوم سے کہ جہاں — عزیز تر مرا عکسِ مزار مجھ سے ہے
مرے قلم سے ہے روشن روایتِ اسلاف — بنائے عہدِ قدیم استوار مجھ سے ہے
لکھا ہے عہدِ معظم کا تذکرہ میں نے — بلند، نام شیوخِ کبار مجھ سے ہے
مبالغہ ہے نہ کچھ اس میں جوشِ لاف زنی — نظامیوں کا سرِ افتخار مجھ سے ہے
ترا طریق الگ ہے، مرا طریق جدا — رجوع ایک ہے تجھ سے، ہزار مجھ سے ہے
عجب نہیں کہ ہو بخشش مری اسی کے سبب — جو تیرے خانہء دل میں غبار مجھ سے ہے
کس انجمن میں ہوئے جمع شبنم و خورشید — منافقوں کا ہمیشہ فرار مجھ سے ہے
ہمائے اوجِ سعادت ہوں، مبتلائے امید — قدم قدم پہ یمین و یسار مجھ سے ہے
ابھی سے مسلکِ اسلاف میں یہ صدقِ صفا — فروغِ نسبتِ اہلِ دیار مجھ سے ہے
جنابِ خواجہ معظم کے خانوادے میں — نظامِ خانقہی برقرار مجھ سے ہے

فیوضِ دورِ معظمؒ کی تابشوں کا نظام
خدا کے فضل سے نصف النہار مجھ سے ہے ۵۱ء

☆

Marfat.com

مظہر جعفری

راقم نے "نعت گویان سرگودھا" میں مظہر جعفری کا سن ولادت ۱۹۵۰ء ۲۵۔ تحریر کیا ہے۔ چونکہ یہ پھلروان سے افضل گوہر نے اندازاً بتایا تھا جس کی تصدیق محمد اسلم ایڈووکیٹ (پھلروان) نے بھی کردی تھی۔ لیکن بعد میں مظہر جعفری کے اپنے ہاتھوں سے لکھی تاریخ ولادت "یکم اکتوبر ۱۹۴۱ء" ۲۵۳۔ مل جانے پر تصحیح کا حق استعمال کرتا ہوں۔

مظہر جعفری کا اصل نام مظہر حسین تھا۔ جبکہ مظہر جعفری اور مظہر سیاہ پوش کے ناموں سے اپنی پہچان رکھتا تھا۔ آپ کے والد کا نام فضل الٰہی تھا۔ جو ضلع انبالہ سے مع بال بچوں کے ہجرت کر کے آئے تھے۔ مظہر نے میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول پھلروان سے پاس کیا اور پھر ہومیو پیتھی میں ڈپلومہ حاصل کر کے پریکٹس کرنے لگے۔ اور اسی کو ہی اپنا وسیلۂ حصولِ رزق بنائے رکھا۔

مظہر نے سکول میں طالب علمی کے دوران ہی شوقِ شعری پال لیا تھا۔ لیکن اسے اپنی مجبوری یا ضرورت کبھی نہیں بنایا۔ بس شوق کی حد تک کبھی کبھی کچھ کہہ لینے پر ہی اکتفا کرلیا۔ کبھی کبھی اور کسی کسی مشاعرے میں بھی شرکت کرلیا کرتے۔ اور پھر ایک دن منڈی بہاؤالدین سے مشاعرہ پڑھ کر ٹرین میں رات کو واپس پھلروان آرہے تھے۔ ڈبے میں رش ہونے کی وجہ سے دروازے میں ہی بیٹھ گئے۔ اور ٹرین جبکہ پھلروان سے ایک دو میل پیچھے تھی تو نہ جانے کیا ہوا۔ باہر گر گئے اور فوراً ہی موت نے آلیا۔ یہ ۱۹۹۵ء کے لگ بھگ حادثہ پیش آیا۔

مظہر سیاہ پوش نے کتنا لکھا اور وہ کس کے پاس ہے کوئی نہیں جانتا لیکن چند ایک رسائل میں اس کا کلام بکھرا پڑا ہے۔ کچھ مظہر جعفری کے نام سے اور کچھ مظہر سیاہ پوش کے نام سے۔ اور اسی بکھرے کلام سے نمونے کے طور پر یہ انتخاب کیا گیا ہے۔

نعت رسول مقبول ﷺ

یا محمدؐ مصطفیٰؐ تیرے سوا کوئی نہیں   منبعِ دینِ خدا تیرے سوا کوئی نہیں !

Marfat.com

جو تجھے بھولا وہ بھولا ہے خدا کی ذات کو — جو نہیں رب سے جدا تیرے سوا کوئی نہیں
چاندنی اور کہکشاں شمس و قمر تیرے لئے — رونق ارض و سما تیرے سوا کوئی نہیں
تو غریبوں کا ہے مولا بے کسوں کا آسرا — میرا بھی مشکل کشا تیرے سوا کوئی نہیں

آل سے تیری محبت، مظہرِ دینِ خدا
مظہرِ نور خدا تیرےؐ سوا کوئی نہیں ۵۵۴

یہی نعت ''جان رحمت'' میں چند ایک تبدیلیوں کے ساتھ شامل کی گئی ہے۔ جو کچھ یوں ہے۔

یا محمدؐ مصطفیٰ تیرے سوا کوئی نہیں — ہے تہیؐ خیرالوریٰ تیرےؐ سوا کوئی نہیں
جو ترا منکر وہ منکر ہے خدا کی ذات کا — جو نہیں رب سے جدا تیرےؐ سوا کوئی نہیں
یہ جہاں شمس و قمر ہیں بس تیرے ہی واسطے — وجہ تخلیق و بنا تیرےؐ سوا کوئی نہیں
تا ابد تو مصطفیٰ ہے تو ہی محبوبؐ خدا — تا قیامت مجتبیٰؐ تیرےؐ سوا کوئی نہیں

نعت لکھی تھی لکھی ہے اور لکھتا جاؤں گا
مقصدِ اعلیٰ مرا ترےؐ سوا کوئی نہیں ۵۵۵

☆

تمہارے شہر میں اک داستاں ہم چھوڑے جاتے ہیں
ذرا تم غور سے سننا فغاں ہم چھوڑے جاتے ہیں
فقط دو سانس پر موقوف تھی جب زندگی اپنی
تمہاری دوستی دیکھو کہاں ہم چھوڑے جاتے ہیں
جبیں سے خون جو ٹپکا وہ سجدوں کا امیں ہو گا
تم اپنا آستاں دیکھو نشاں ہم چھوڑے جاتے ہیں
میں اک شیشے کا انساں تھا یہاں، ہاتھوں میں پتھر تھے
وفا سے بے خبر لوگو جہاں ہم چھوڑے جاتے ہیں

Marfat.com

خرد والوں کی مظہر بے حسی اک زہر قاتل تھی
قلم کاغذ زباں سب کچھ یہاں ہم چھوڑے جاتے ہیں ۵۵۶

لیفٹیننٹ کرنل محمد افضل ملک

ضلع سرگودھا کی مغربی پٹی (جواب ضلع خوشاب کا حصہ ہے) کے لوگ فوج کی ملازمت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس ترجیح میں وطن سے محبت کا جذبہ بہرحال کارفرما ہوتا ہے۔ اور یہ سلسلہ نسل در نسل چلتا آرہا ہے۔ کرنل محمد افضل بھی اسی جذبے کے تحت فوج میں سیکنڈ لیفٹیننٹ کے رینک سے شامل ہوئے اور لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر پہنچے۔ بقول اسد بھٹی ۱۹۸۰ء میں آپ نے ریٹائرمنٹ لے لی۔ ۵۵۷

لیکن مجھے اُن کی ریٹائرمنٹ کی تاریخ میں شک ہے۔ کیونکہ محمد افضل ملک ۱۹۴۲ء میں رسالدار عطا محمد وراہ کے ہاں موضع ہڈالی ضلع شاہ پور میں پیدا ہوئے تھے۔ ۱۹۵۸ء میں گورنمنٹ ہائی سکول ہڈالی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور پہلی پوزیشن حاصل کی۔ اگر انٹرمیڈیٹ کے بعد فوج میں کمشن لیا ہو تو فوج کے لئے منتخب ہونے کی عمر ۱۸ سال ہوگی۔ یوں فوج میں جانے کا سن ۱۹۶۰ء سے پہلے نہیں ہو سکتا۔

آرمی لسٹ میں ۵ جولائی ۱۹۴۲ء کو پیدا ہونے والے محمد افضل خان کے فوج میں کمشن پانے کی تاریخ ۱۹ اپریل ۱۹۶۴ء ہے جبکہ بحیثیت کیڈٹ فوج میں شامل ہونے کی تاریخ ۵ جولائی ۱۹۶۲ء ہے۔ اس محمد افضل خان نے فرنٹیئر فورس رجمنٹ میں کمشن حاصل کیا تھا۔ یوں اُن کے ریٹائرمنٹ کی تاریخ ۱۹۹۰ یا ۱۹۹۴ء بنتی ہے۔

بہرحال ریٹائرمنٹ کے بعد آپ نے پاکستان سٹیل ملز میں ملازمت اختیار کر لی اور ترقی کر کے اس کے چیئرمین کے عہدے تک پہنچے۔ تب تک آپ کے بارے کسی کے علم میں نہیں تھا کہ آپ شعر بھی کہتے بالکل ایسے ہی جیسے جنرل کے ایم عارف نے جرنیلی میں خود کو ظاہر کیا تھا۔ یہ ایک

Marfat.com

پیشہ ورانہ مجبوری کہہ لیں۔ چیئر مین بننے پر جب آپ نے وہاں شاعروں کا انتظام کیا اور اُن میں اپنا کلام بھی سنایا تو لوگوں کے علم میں آپ کے شاعر ہونے والی جہت آئی۔ لیکن ان ادبی محفلوں میں بہت کم آپ کو اٹھنا بیٹھنا نصیب ہوا کیونکہ اسی دوران ۲۰۰۳ء میں آپ نے وفات پائی۔

کرنل محمد افضل ایک عمدہ منتظم اور دیانتدار افسر کے طور پر جانے جاتے تھے۔ جب آپ پاکستان سٹیل ملز کے چیئر مین بنے تو ملز نقصان میں جا رہی تھی۔ آپ نے ایک مختصر عرصے میں نہ صرف غیر ملکی قرضے ادا کیے بلکہ اسے اپنے پاؤں پر کھڑا کر کے منافع بخش بنا دیا۔ آپ کو حکومت پاکستان نے ستارۂ امتیاز سے بھی نوازا۔

کرنل محمد افضل خان کی شاعری کا نمونہ ملاحظہ ہو۔ پہلی غزل میں لفظوں کی تکرار سے ا
خوبصورتی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جبکہ دوسری رجوعی غزل کا تجربہ ہے ۔

خواب سہانے سپنے، سپنے ہوتے ہیں — خواب پرانے سپنے اپنے ہوتے ہیں
میں سمجھا تھا غیر بھی اپنے ہوتے ہیں — غیر تو سارے اپنے اپنے ہوتے ہیں
کتنی نظریں ہوتی ہیں اک چہرے پر — اک اک آنکھ میں کتنے سپنے ہوتے ہیں
آگے پیچھے دوست بھی دشمن جیسے ہوں — اپنے سامنے غیر بھی اپنے ہوتے ہیں
خوشیاں بانٹیں تو مل جائیں لوگ کئی — آنسو سارے اپنے اپنے ہوتے ہیں
سچ ہے تالی دو ہاتھوں سے بجتی ہے — لیکن دونوں ہاتھ تو اپنے ہوتے ہیں

کچھ آنکھیں تو خالی ہوتی ہیں افضل
کچھ آنکھوں میں لاکھوں سپنے ہوتے ہیں

☆

چلتے چلتے راہ میں ہنس دے کوئی میری طرح — میرا جی چاہے مجھے دیکھے کوئی میری طرح
رہ گزر پر روکنا چاہوں خیالوں میں اسے — میرا جی چاہے مجھے روکے کوئی میری طرح
کیا بتائیں کس قدر بے تابیاں ہیں موجزن — میرا جی چاہے مجھے چھو لے کوئی میری طرح

Marfat.com

میں نہیں منکر بدن کی قربتوں کا تو مگر　　میرا جی چاہے مجھے سوچے کوئی میری طرح
لمحہ لمحہ اک نیا چہرہ نئی خواہش کے ساتھ　　میرا جی چاہے مجھے مانگے کوئی میری طرح
سانس کی ڈوری سے اس کی یاد باندھی تھی کبھی　　میرا جی چاہے مجھے بھولے کوئی میری طرح
میں نے تو چاہا کسی کو یوں کہ گویا کائنات　　میرا جی چاہے مجھے چاہے کوئی میری طرح
فرقتوں میں، قربتوں میں، سوچ میں، احساس میں　　میرا جی چاہے مجھے سہہ لے کوئی میری طرح

ساری دنیا سے الگ افضل کوئی مجھ سا لگے
میرا جی چاہے مجھے سمجھے کوئی میری طرح ۵۵۸

پروانہ شاہ پوری

شاہ پور، ضلع سرگودھا کا ایک متوسط دور کا شہر، جو سرگودھا کے ضلعی صدر مقام بننے سے پہلے خود ضلعی صدر مقام تھا۔ لیکن اپنی ادبی پہچان بنانے میں ناکام رہا۔ البتہ محمد حیات جو پروانہ شاہ پوری کے نام سے پنجابی ادب میں اپنا مقام بنا پائے اسے بھی ایک پہچان دے گئے۔

محمد حیات پروانہ شاہ پوری حافظ محمد دین کے ہاں ۲۰ دسمبر ۱۹۴۲ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جو مکمل تعلیم کی صورت اختیار کر گئی یعنی پرائمری جماعت تک شاہ پور شہر سے حاصل کی۔ ہاں! بعد میں فاضل پنجابی کا امتحان پاس کیا۔ اور اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ نعت خوانی کا شوق آپ کو نعت نگاری کی طرف لے آیا اور فاضل پنجابی آپ کے منظوم قصے کہانیوں کا سبب بنا۔ آپ نے شاعری کا آغاز ۱۹۶۲ء میں کیا اور پنجابی کے معروف اور معتبر شاعر دائم اقبال دائم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

بعد ازاں آپ سرگودھا شفٹ ہو گئے۔ کچھ عرصہ دیارِ غیر میں بھی گزارا۔ پروانہ شاہ پوری خود استادی کے مقام پر پہنچ گئے تھے۔ کئی تنظیموں کے ساتھ منسلک رہے۔ جن میں پنجابی ادبی محفل، حلقہ اربابِ ذوق، بزمِ اہلِ سخن سرگودھا رائٹرز کلب اور پاکستان رائٹرز گلڈ وغیرہ شامل ہیں۔ پروانہ خوش الحان اور خوش تحریر تو تھے ہی، خوش گفتار بھی تھے۔ پنجابی زبان کے فروغ کے لیے اگرچہ بہت کام

Marfat.com

کیا اور کئی ایوارڈ حاصل کیے لیکن کتابچوں (قصے کہانیوں) سے آگے نہ بڑھ سکے اور وہ قصے ہیں۔

پاکستان شیر، بارہ ماہ، گر توبہ جنت جاویں گا۔ جیسے آٹھ کتابچوں کے نام آپ نے بتائے تھے۔ ۵۵؁ زندگی کے آخری دور میں آپ ریڈیو پاکستان سرگودھا سے منسلک تھے ہفت روزہ ''فریاد'' سرگودھا نے آپ کے اعزاز میں ایک خصوصی نمبر ''جشنِ پروانہ شاہ پوری'' شائع کیا تھا۔ جس میں بہت سے اہلِ قلم آپ کی شخصیت اور فن پر تحریریں شامل تھیں۔ اقبال ندیم کے دو شعر ملاحظہ فرمائیں۔

تیرے سوہنے گیتاں دے وچہ سدھراں ڈھلکاں ماردیاں
تیریاں غزلاں گل سناون دکھاں نال یرانے دی
وچ ہنیریاں تیرے اکھر رج کے چانن ونڈدے نیں
توں جدوں کی بیعت کیتی سخی سیال گھرانے دی

پروانہ شاہ پوری نے ۶۸ سال کی عمر پا کر ۱۷ اگست ۲۰۱۰ء کو سرگودھا میں وفات پائی اور مقامِ حیات کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

نعتیہ تضمین

کروں شان اُنؐ کی میں کیا بیاں — کہ ہیں اُن کے سائے میں دو جہاں
سرِ عرش حق سے ملے ہیں وہ — بلغ العلیٰ بکمالہٖ
ہیں حسین جملہ جہاں سے وہ — ہیں عظیم کون و مکان سے وہ
نہیں اُنؐ سا کوئی جہاں میں — کشف الدجیٰ بجمالہٖ
ہے حسین اُن کی ہر اک ادا — کہ ہر اک ادا ہے خدا نُما
وہ کرینِ حُسنِ جہان ہے — حسنت جمیع خصالہٖ
میں ثنا خلقِ عظیم پر — ہو سلام درِ یتیم پر
ہو درود آپ کی آل پر — صلو علیہ والہٖ

Marfat.com

غزل

ہے میرے دل میں اندھیرا اجاڑ گھر کی طرح
خدا کرے کوئی آئے یہاں سحر کی طرح

جفا کی دھوپ سے ہارے مسافروں کے لیے
کھڑے ہیں راہ میں ہم تو گھنے شجر کی طرح

میں دوڑتا ہوں کہ آگے ہر ایک سے نکلوں
یہ اٹھ رہے ہیں قدم ریت کے سفر کی طرح

بھٹک رہا ہوں ابھی رہگزارِ ہستی میں
ملا نہ راہنما کوئی بھی خضر کی طرح

ہوئے ہیں اور بھی شاعر جہاں میں پروانہ
"ہوا نہ کوئی خدائے سخن ببر کی طرح" ۶۱ے

جاوید اختر سید

سید جاوید اختر ۱۰ جنوری ۱۹۴۸ء ۶۲ے ۱۰ جنوری ۱۹۴۳ء ۶۳ے سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد معروف تاریخ دان، ادیب اور عالم رشید اختر ندوی تھے۔

سید جاوید اختر نے تعلیمی مراحل رحیم یار خان میں طے کیے۔ اردو میں ایم اے کیا اور بینکاری کے شعبے میں ملازمت اختیار کر لی۔ اور بہاولپور میں مستقلاً قیام پذیر ہوئے۔ بعدازاں آپ نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور تدریس کے شعبہ سے وابستہ ہو گئے۔ ۲۰۰۴ء کے لگ بھگ آپ کا انتقال ہوا اور آپ دنیا کے اس منظر نامے سے روپوش ہو گئے لیکن آپ کی قلمی کاوشیں آپ کو زندہ رکھیں گی۔ آپ ایک نثر نگار کی حیثیت سے اپنی پہچان رکھتے تھے شعر بھی اگرچہ کہتے تھے لیکن بہت کم۔ نثری حوالے سے آپ کی جو کتب شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: (۱) بے تیغ سپاہی (ترجمہ) (۲) ویران محل (بچوں کا ناول) (۳) اک شاخ تمنا (ناول) (۴) زہر خوشی کا (افسانے) (۵) کس سے منصفی چاہیں (افسانے) (۶) مٹی اور شگوفے (ڈرامے) (۷) دوستی کی شاہراہ پر (سفرنامہ)۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو

کچھ اس طرح سے آج تری یاد آ گئی
قلب و نظر پہ درد کی برکھا سی چھا گئی

Marfat.com

حسن و جمالیات کے سانچے دھرے رہے
بس اک ادائے ناز مرے دل کو بھا گئی

جانے لگی تو آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے
واپس ہوئی تو جان میں پھر جان آ گئی

جیسے فلک پہ چاند کی تنویر پھیل جائے
اس طرح میری ہستی پہ وہ شکل چھا گئی

روتا ہوں اپنے دوست کی تصویر دیکھ کر
آخر نجانے اس کو نظر کس کی کھا گئی ! ۵۲۴

لینڈاسکیپ

ریل کی پٹڑی سے کچھ آگے
اک مل ہے
مل کے اوپر اونچی چمنی
دھواں اگلتی
سہ منزل تک روشن کمرے
جن میں کئی مزدور
شور مچاتے پہیوں پر ہیں
کام میں دھت مخمور
مل کے پیچھے پھیلا ہے آکاش
دور افق پر نیا نویلا چاند
جیسے ہو اک خنجر براں
ویسا ہے یہ چاند

محمد نواز نسیم

راقم (شاکر کنڈان) نے ''نعتِ حضورؐ اور ضلع سرگودھا کے شعراء'' کی ترتیب میں محمد نواز

Marfat.com

نسیم کی گیارہ اشعار کی ایک نعت درج کی تھی جس کا مطلع تھا ؎

ہدیہ آقا کو دو وفاؤں کا

زور پھر دیکھنا جزاؤں کا

جس پر راجا رشید نے اپنے ادارتی نوٹ میں لکھا:

''جناب شاکر کنڈان نے نواز نسیم کے نمونہ کلام کے طور پر گیارہ اشعار کی جو نعت دی ہے وہ مدیر ''نعت'' راجا رشید محمود کی ہے اور ان کے مجموعہ کلام ''منظومات'' میں بھی چھپ چکی ہے۔ عمران نقوی نے روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور میں ان کے انٹرویو کے ساتھ بھی شائع کی تھی۔'' ۵۲۵

دراصل وہ نعت محمد نواز نسیم کی وفات کے بعد آستانہ فضل سے شائع ہونے والی ان کی تصنیف ''فضل القرآن'' سے لی گئی تھی۔ اس کتاب کا حصہ سوم تفسیر القران اور حصہ چہارم منظومات پر مشتمل ہے۔ ان منظومات میں کئی ایک کے مقطع میں نسیم تخلص بھی استعمال کیا گیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ سارا کلام محمد نواز نسیم ہی کا ہے۔ مثلاً ایک غزل کا مقطع ملاحظہ ہو ؎

کون سا گیت مر گیا ہے نسیم

سسکیاں بھر رہی ہے شہنائی

کتاب میں کہیں بھی ذکر نہیں کہ دوسرے شعراء کی منظومات کون سی ہیں یا کیوں شامل کی گئی ہیں۔ اب کے مجھے تھوڑا احتیاط سے کام لینا پڑ رہا ہے۔

جناب محمد نواز نسیم کا تعلق انگہ تحصیل خوشاب کے جناب مولوی سلطان محمود مرحوم کی نسل سے تھا۔ وہ تعلیم کے حصول کے بعد کہیں ٹک کر نہ بیٹھے۔ اُن کے اندر کوئی ایسی کسک تھی جو انہیں جگہ جگہ لئے پھری۔ پھر یوں ہوا کہ آستانہ فضل نزد ۴۹ ٹیل سرگودھا آئے اور ایک روحانی سکون محسوس کرتے ہوئے یہیں کے ہو رہے۔ ایک درویش منش کو کیا چاہیے۔ صحافت کو بھی اپنایا اور جو مضامین لکھے وہ بھی صوفیانہ روش کے تھے۔ قرآن مجید کی چند آیات منتخب کر کے اُن کی تفسیر بھی لکھی۔ شعر بھی

Marfat.com

کہے لیکن شاعری کو بھی اپنی ڈگر سے ہٹنے نہیں دیا۔ جو حد بندی انہوں نے نثر میں روا رکھی تھی شاعری میں بھی اس پر کار بند رہے۔

محمد نواز نسیم نے ۱۴ اگست ۱۹۹۴ء کو جس وقت فضا میں قومی ترانے کا مصرع "تو نشانِ عزمِ عالی شان" گونج رہا تھا اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کی تحریروں کو یکجا کر کے "فضل القرآن" کے نام سے جناب ظہور سبحانی نے کتاب مرتب کی۔ جس کے چار ابواب ہیں۔ پہلے حصے میں مضامین شامل ہیں جن میں سے اکثر مضامین اخباروں میں شائع ہو چکے تھے۔ دوسرا حصہ وظائفِ آیات پر مشتمل ہے جبکہ تیسرا چوتھا حصہ جیسے اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ آپ کی منظومات میں زیادہ کلام نعتیہ ہے۔ جبکہ غزل بھی شامل کی گئی ہے۔

نعت شریف

تاجدارِ حرم، شاہ والا کرم بحرِ جود و کرم، حسنِ لوح و قلم
وارثِ ھل اتیٰ، مصطفیٰ مصطفیٰ

فخرِ کون و مکاں، باعث کن فکاں رحمتِ دو جہاں، ہادیِ انس و جاں
خاتم الانبیا، مصطفیٰ مصطفیٰ

ہے بشیر آپؐ سا، دستگیر آپؐ سا بے نظیر آپؐ سا، دل پذیر آپؐ سا
کون بعد از خدا، مصطفیٰ مصطفیٰ

رخت سادہ ترا، عرش جادہ ترا حق لبادہ ترا، دل کشادہ ترا
تو عطا ہی عطا، مصطفیٰ مصطفیٰ

تو امیرِ عرب، تو ہی ممدوحِ رب تیرا امی لقب، تجھ سے منسوب سب
عظمت واعتلا، مصطفیٰ مصطفیٰ

گھر ترا خاک پر، ذکر لولاک پر ہفت افلاک پر، فہم و ادارک پر
کب یہ عقدہ کھلا، مصطفیٰ مصطفیٰ

Marfat.com

اے رسولِ زمن، انجمن انجمن تو ہی جلوہ فگن، دل میں تیری لگن

لب پہ تیری ثنا، مصطفیٰ مصطفیٰ

نور ہی نور تو، خندۂ طور تو حق کا منشور تو، حسب دستور تو

منظرِ جاں میں آ، مصطفیٰ مصطفیٰ

میرے افکار میں، ذکر و اذکار میں حرف و اظہار میں بزمِ سرکار میں

تو صدا در صدا، مصطفیٰ مصطفیٰ

غزل

دل کو ناداں کہوں کہ سودائی بھیڑ میں ڈھونڈتا ہے تنہائی

میں وہ ناداں کہ شہرِ طفلاں میں بیچتا پھر رہا ہوں دانائی

گفتگو کا ہنر نہ کام آیا عقل کی جیب کٹ گئی بھائی

یہ بتا شہرتوں کی منڈی میں بک گئی کیسے تیری رسوائی

مان لوں کیسے اس کو میں دریا جس نے ہونٹوں کو پیاس پہنچائی

کون سا گیت مر گیا ہے نسیم

سسکیاں بھر رہی ہے شہنائی ۵۶۶

اختر امان

اختر امان کا خاندانی نام امان اللہ ملک ہے۔ آپ ۱۴ ستمبر ۱۹۴۳ء کو سرگودھا میں پیدا ہوئے ۵۶۷ تاریخ پیدائش کے بارے ماہنامہ اخبار اردو کی ۱۱ ستمبر ۵۶۸ کی دی ہوئی تاریخ کو میں اس بنا پر یہاں رد کرتا ہوں کہ "ماہنامہ شاعر، ہم عصر اردو ادب نمبر" ۵۶۹ "ہمارے اہل قلم" ۵۷۰ "سخنوران سرگودھا" ۵۷۱ اور سب سے بڑھ کر اختر امان کا شعری مجموعہ "خوابوں کے بے نام جزیرے" ۵۷۲ میں ۱۴ ستمبر ہی تاریخ متفقہ طور پر درج ہے۔ آپ نے انگریزی ادب میں ایم اے کیا اور سرکاری ملازمت

Marfat.com

اختیار کر لی جبکہ صحافت میں بھی باقاعدہ اپنا شوق پورا کرتے رہے جو سکول کے زمانے سے ادبی حیثیت سے شروع ہوا تھا۔ پہلی تحریر ساتویں جماعت میں لکھی۔ اور پہلا شعر ماسٹرز کے بعد کہا۔ جبکہ اسی دوران افسانہ بھی لکھنا شروع کر دیا تھا۔ روزنامہ ''شعلہ'' سے صحافتی زندگی کی ابتدا کی۔ سرگودھا سے ہی ''نوائے سرگودھا'' کے نام سے ایک ہفت روزہ جاری کیا۔ جو زیادہ مدت نہ چل سکا۔ بعدازاں روزنامہ ''تعمیر'' راولپنڈی روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور۔ روزنامہ ''امروز'' لاہور۔ ماہنامہ ''راہ نما'' اسلام آباد۔ روزنامہ ''نوائے وقت'' راولپنڈی۔ روزنامہ ''مسلم'' اسلام آباد سے کسی نہ کسی حیثیت سے منسلک رہے۔

اختر امان نے انگریزی، اردو اور پنجابی زبان میں شاعری، افسانہ، تنقید، کالم نگاری، خاکہ، انشائیہ، سیاسی مضامین وغیرہ میں اپنی نگارشات چھوڑی ہیں۔ سید ضمیر جعفری کا کہنا ہے کہ:

> ''اختر امان گھسے پٹے، روایتی، رسمی جملوں کو پسند نہیں کرتا۔ مگر یہ جملہ تو کہنا ہی پڑتا ہے کہ اختر امان ایک تازہ طرز شاعر، مستند ادیب اور چوکس دانشور کی حیثیت سے کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ بلکہ جب سے روزنامہ ''نوائے وقت'' کا ادبی ایڈیشن اس کے ہاتھوں سے پروان چڑھنے لگا ہے اور ادبی ماہنامے۔ قبرستان میں اترنے لگے ہیں۔'' ۳ے

جاوید انور نے اختر امان کی شاعری کو یکسانیت سے تنگ آئے ہوئے ایک نارمل انسان کی شاعری کہا ہے۔ اور ایک ایسی منزل کی سمت نما قرار دیا ہے جس کے کم از کم خواب دیکھنا تو ہم سب کا فرض بنتا ہے۔ ۴ے

اختر امان کا شعری مجموعہ اگرچہ ایک ہی شائع ہوا ہے لیکن وہ اپنی پہچان رکھتا ہے۔ اردو شاعری کے اپنے وقت میں اس نے قاری اور نقاد کو کچھ سوچنے کی طرف ضرور مائل کیا۔ ''خوابوں کے بے نام جزیرے'' (شعری مجموعہ) کے علاوہ ''سات رنگ'' اس کے شخصی خاکوں کا مجموعہ ہے:

Pakistan and the challenge of history.

Marfat.com

Pakistan new trends in Foreign Policy.

Z.A. Bhutto the poltical thinker (co-author)

اور The Role of Opposition in Pakistan آپ کی مطبوعہ کتب ہیں۔ جبکہ تنقیدی مضامین کا مجموعہ ''تضادات'' انٹرویوز ''ملاقاتیں'' سفرنامہ ''ایک سمندر پار''۔ افسانے ''شناخت'' اور طنزیہ ومزاحیہ مضامین بعنوان ''ابھی عشق کے امتحان'' کے مسودے تیار تھے۔ جب آپ ۱۹ مارچ ۲۰۰۲ء/۴ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ کو بروز منگل اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو سدھارے۔ چونکہ اسلام آباد دوران ملازمت آپ نے وفات پائی اس لئے وہیں مرکزی قبرستان میں دفن ہوئے۔ آپ نے کسی سے متاثر ہو کر یا کسی کو آئیڈل بنا کر شعر نہیں کہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ مختلف سوچ اور فکر کی مختلف اصناف میں ہمیں ان کے مجموعہ کلام میں شعر ملتے ہیں۔ اور آپ کی اس بات سے ہمیں اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ:

''شعر ذہن کے لئے ایک کھڑکی کا کام دیتا ہے۔ یہ ایک روزن ہے۔ ایک زینہ ہے جس سے تازہ ہوا کے جھونکے اور روشنی کی کرنیں شخصیت کے تہہ خانے میں در آتی ہیں'' ۵۷۵

غزل

اک پیڑ ہوں اور سرد ہواؤں میں گھرا ہوں	باہر سے تو سوکھا ہوں پر اندر سے ہرا ہوں
اک چوٹ سے شیشے کی طرح ٹوٹ گیا ہوں	تو نے تو یہ سمجھا تھا میں پتھر سے بنا ہوں
سوچا تھا کہ لوٹ آؤں گا ان قدموں پہ گھر کو	اب دشت میں پاؤں کے نشاں ڈھونڈ رہا ہوں
آنکھوں کو ذرا کھول کے جھانکو مرے اندر	سورج ہوں مگر کہر کی چادر میں چھپا ہوں

اب قہقہے کی مثل سر راہ جلوں گا
اے اندھی ہوا میں کوئی مٹی کا دیا ہوں ۵۷۶

☆

Marfat.com

یہاں موسم بھی بدلیں تو نظارے ایک جیسے ہیں
ہمارے روز و شب سارے کے سارے ایک جیسے ہیں
ہمارا کس لیے احساسِ محرومی نہیں جاتا
کہ سب قسمت کے ماروں کے ستارے ایک جیسے ہیں
کہیں گر فرق نکلے گا تو بس شدت کا کچھ ورنہ
یہاں پر غم ہمارے اور تمہارے ایک جیسے ہیں
ہمیں ہر آنے والا زخم تازہ دے کے جاتا ہے
ہمارے چاند سورج اور ستارے ایک جیسے ہیں
خدایا تیرے دم سے اپنا گھر اب تک سلامت ہے
وگرنہ دوست اور دشمن ہمارے ایک جیسے ہیں
میں کس امید پر دامن کسی کا تھام لوں اختر
کہ سب سے دوستی میں اب خسارے ایک جیسے ہیں ۷۷ء

عاشق حسین عاشق

عاشق حسین ولد وزیر محمد ۱۰ مارچ ۱۹۴۵ء کو موضع ڈھاکہ (سونِ سکیسر) ۷۸ء میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کا امتحان ۱۹۶۰ء میں گورنمنٹ ہائی سکول نوشہرہ تحصیل خوشاب سے پاس کیا اور اسی سال یعنی ۱۹۶۰ء میں روزگار کے سلسلے میں راولپنڈی منتقل ہو گئے۔

قمر رعینی عاشق حسین عاشق کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''۱۰ مارچ ۱۹۳۵ء کو ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔ تلاش معاش کے سلسلے میں مدت سے راولپنڈی میں مقیم ہیں۔ غزل، نظم، ہائیکو، ماہیا، پنجابی گیت، ملی نغمے اور نعت رسول مقبول بھی کچھ کہتے ہیں۔ عروضی اوزان پر

Marfat.com

خاص محنت کر رکھی ہے۔'' ۵۷۹ے

یہاں میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ قمر رعینی نے ۱۹۳۵ء اور میانوالی کہاں سے لے لیا ہے۔ جبکہ راقم کو عاشق حسین عاشق نے ایک خط میں مندرجہ بالا حوالے کے علاوہ درج ذیل کوائف کچھ اس طرح عنایت کئے تھے

''پیشہ: نجی حساب نویسی (اکاؤنٹینسی)۔ ابتداء شاعری: ۱۹۸۶ء نعتیہ (اردو) روحانی استاد: اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی بحوالہ حدائق بخشش کامل ابتدائی ظاہری پرائمری استاد: عرفان رضوی ریٹائرڈ ڈپٹی ڈسٹرکٹ ایجوکیشن افسر راولپنڈی عروضی دسترس: ۱۹۸۷ء از خود تحقیق کے جاں سوز مرحلہ کے بعد دیگر اصناف سخن: حمد۔ مثبت غزل۔ ملی نغمے۔ نظمیں۔ پنجابی میں نعت، مثبت غزل، ملی نظم تخلیق: ۱۹۸۷ء میں نعتیہ کتاب ''بستانِ فیوض'' (نعت ہائے سید الکونینؐ در یک صد بحور) نعتیہ بیاض میں موجود بحروں کی تعداد: ۵۰۰ سے تجاوز، ذرائع ابلاغ تک رسائی: ۱۹۸۹ء سے ٹی وی، ریڈیو، اخبارات میں وقفے وقفے سے ادبی وابستگی: نعتیہ بزم ''گنج نعت'' راولپنڈی'' ۵۸۰ے

قمر رعینی کی تحریر پر میں زیادہ گفتگو نہیں کروں گا۔ دونوں تحریریں سامنے ہیں۔ آپ راولپنڈی میں ہی آخری لمحوں تک دکانداری سے رزق حلال کمانے میں مصروف رہے۔ ابلاغ تک رسائی بالکل محدود ہو کر رہ گئی تھی اور نہ ہی مشاعروں وغیرہ میں جانے کا تردد کرتے تھے۔ ''بستانِ فیوض'' میں کمال یہ ہے کہ ۱۰۰ نعتیں شامل ہیں اور ہر نعت کی بحر دوسری سے الگ ہے۔ یوں ۱۰۰ بحور اس کتاب میں طبع آزمائی کے تحت شامل کی گئی ہیں۔

نعت کے بارے کیا لکھا جائے۔ یہ ہوتی ہے اس وقت ہے جب ذہن اور دل میں حضور نبی کریمؐ کی ذاتِ اقدس موجود ہو اور آپ کی سیرت نگاہوں میں بسی ہو۔ اور جو شخص صرف نعت ہی لکھتا ہو اس کی کیفیت کیا ہو گی۔ اس کا ہم اندازہ لگا سکتے ہیں۔ بس دل میں جھانکنے کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

سلطان رشک لکھتے ہیں:

''بستانِ فیوض، کا شاعر صرف اور صرف نعت کہتا ہے۔۔۔اسی لئے ان کے فن میں بلا کی پختگی ہے۔اور اسے اس فن پر پوری دسترس حاصل ہے......

سو بحور میں نعتیں اور اس میں صرف فاعلاتن فاعلاتن فاعلات ہی نہیں۔اچھی نعتیہ شاعری کا اندراج بھی ہو تو کیا یہ فنِ شاعری میں کارنامہ نہیں اور کیا یہ ہم ایسے شعر کے طالب علموں کے لئے سبق آموز نہیں۔یقیناً ہے۔'' ۵۸۱

عاشق حسین عاشق نے ۲۶ ستمبر ۲۰۰۸ء بروز جمعۃ الوداع راولپنڈی میں ہی وفات پائی۔

وفات تک آپ ۹۶۴ بحور میں نعت کہہ چکے تھے۔

نعت رسول مقبول ﷺ

خرد و شعور کے رہنما کو سلام ہو حکم و فیوض کے مقتدیٰ کو سلام ہو

نئے دور کی نئی روشنی کی اساس کا ہمہ دور نور کی ہر ادا کو سلام ہو

وہ ادب نواز کہ بردہ بخش کہیں جسے بہ درود اس سخن آشنا کو سلام ہو

نئی راہیں کھول دیں ہم پہ علم و فنون کی خبرِ حدیثِ رسولنا کو سلام ہو

جو ہزاروں لاکھوں سروں پہ سایہ فگن ہوئی اس انیسِ ہر دوسرا روا کو سلام ہو

مرے غوث کے مرے چارہ ساز حضور کے ہر اک ارتقا کی ہر انتہا کو سلام ہو

میری حسرتوں میری چاہتوں کے وفور کا مہِ حق رسا شہِ انبیاء کو سلام ہو

بصد احترام و خلوص دل مرے میر کو میرے شاہ کو مرے مصطفیٰ کو سلام ہو

بہ سمن بہ لالہ بہ درد عاشق نعت کا
قرشی کی کو کی حسیں فضا کو سلام ہو

☆

نبی صاحب والا محمدؐ عربی رسولِ افضل و بالا محمدؐ عربی

Marfat.com

حیاتیات کی خوشبو مظاہرات کا رنگ مربیِ گل و لالہ محمدؐ عربی
دیارِ حسن و کشش کا حسیں تریں چہرہ جہانِ کن کا اجالا محمدؐ عربی
ہدایتوں کا پیمبر امانتوں کا امیں صداقتوں کا حوالہ محمدؐ عربی
مرا نصیر مرا دستگیر میرا میر حسین گیسوؤں والا محمدؐ عربی

بہت رحیم بہت مہربان ہے عاشق
حبیب رب تعالیٰ محمدؐ عربی ۵۸۳

ندیم حیدر بلوچ

بلوچ خاندان کے چشم و چراغ ندیم حیدر اپنے خاندانی لاحقے کے ساتھ ادب میں وارد ہوئے۔ جمالی بلوچاں جو موجودہ ضلع خوشاب کا ایک گاؤں ہے اور جس کی آبادی میں بلوچ قبیلے کی اکثریت ہے میں ۱۲ اپریل ۱۹۴۵ء کو سردار عالمگیر خان بلوچ کے ہاں پیدا ہوئے۔ راقم کو ایک مکتوب میں انہوں نے سنِ ولادت ۱۹۴۶ء بھی لکھا تھا۔ ۵۸۴ لیکن ان کے کاغذات اور شناختی کارڈ کے مطابق اول الذکر سن درست ہے۔

ندیم حیدر بلوچ نے ڈی بی مڈل سکول جمالی بلوچاں سے مڈل کا امتحان ۱۹۵۹ء میں پاس کیا۔ گورنمنٹ ہائی سکول خوشاب سے ۱۹۶۱ء میں میٹرک پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج جوہرآباد میں داخلہ لیا جہاں سے ۱۹۶۸ء میں گریجوایشن کرنے کے بعد محکمہ ایکسائز اور ٹیکسیشن میں ملازمت اختیار کر لی۔ ملازمت کے دوران آپ نے ایم اے کا امتحان دیا لیکن ناکام رہے۔ بہرحال ملازمت کا سلسلہ جاری رہا۔ جسے ۱۹۹۸ء میں آپ نے ختم کر دیا۔ اس وقت آپ انسپکٹر ایکسائز کے عہدے پر کام کر رہے تھے۔ ۵۸۵

ندیم حیدر بلوچ نے کالج کے دور سے شعر کہنے کا جو سلسلہ شروع کیا تھا وہ آخری لمحات تک قائم رہا۔ اور اُسے ''صدمات''، ''نیم تاریک سڑک'' اور ''بھکارن کی ہتھیلی'' تین شعری مجموعوں کی

Marfat.com

صورت میں محفوظ کرلیا۔ جبکہ نثر میں ''سحر ستارہ'' کے عنوان سے ایک کتاب شائع ہوئی۔ ان کے علاوہ تقریباً ۶۰ سے زائد اخبارات اور رسائل میں ایسا بہت سا مواد بکھرا پڑا ہے جو ترتیب دینے سے رہ گیا ہے۔ البتہ پنجابی زبان میں ایک شعری مجموعہ ترتیب دیا تھا جس کا نام ''اوکھیاں منزلاں'' تجویز کیا لیکن وہ آپ کی زندگی میں شائع نہ ہوسکا۔ کیونکہ سانسوں نے ۵ نومبر ۲۰۰۶ء کو آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ۵۸۶

ندیم حیدر بلوچ نے مجرد زندگی گزاری۔ ریٹائرمنٹ کے بعد مستقلاً جوہرآباد میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ کئی ادبی تنظیموں سے آپ کا تعلق تھا۔ ''حلقہ ارباب ذوق میانوالی'' کے نائب صدر رہے اور ''پاکستان رائٹرز گلڈ (پنجاب)'' کے ممبر تھے۔ کئی ایوارڈز، اسناد اور سرٹیفکیٹ پذیرائی میں ادبی تنظیموں سے ملے جن میں ''سانول سنگیت ایوارڈ'' اور ''Best Performance Award'' بھی شامل ہیں۔

ندیم حیدر بلوچ نے شاعری میں تقریباً تمام اصناف کو برتا ہے۔ لیکن پابند نظم اور غزل میں ہمیں ندیم خود اپنے دکھ، محبتیں اور جذبات سے آگاہ کرتا محسوس ہوتا ہے۔ اگر کہیں ماحول کی بات کرنے کی کوشش کی بھی ہے تو اپنے درد کو اس میں سمو دیا اور قاری کو وہ بات سمجھا نہیں سکا جو اردگرد بکھری ہوئی تھی۔

اداس شام

شام ہوتی ہے تو آ جاتا ہے یادوں کا ہجوم — میں خیالات کے انبار میں سو جاتا ہوں
میں کسے یاد کروں کس کو نہ میں یاد کروں — اپنے ماضی میں کہیں جا کے میں کھو جاتا ہوں

O

جب نکلتا ہوں تیرے کوچہء بے مہر سے میں — میرے قدموں کو پکڑ لیتی ہیں تیری یادیں
پھڑ پھڑاتا ہوں میں محبوس پرندے کی طرح — مجھ کو باہوں میں جکڑ لیتی ہیں تیری یادیں

O

ہو کے خوں رنگ وہ سورج بھی چلا جاتا ہے — غم کے سو داغ سجا کر میرے آئینے پہ

Marfat.com

ختم ہو جاتا ہے اک دن میری تنہائی کا   اک نیا زخم لگا کر وہ میرے سینے پر

O

لوٹ آتے ہیں گھروندوں میں وہ غم کے پنچھی   شام ہوتے ہی تری یاد چلی آتی ہے
پھر مچلتا ہے میرے دل میں اجالوں کا جمال   زندگی آس کے صحراؤں میں کھو جاتی ہے

O

ملگجی شام کی تنہائی کا منظر لے لو   یہ اندھیرا، یہ سیاہی، یہ مقدر نے لو
مجھ کو لوٹا دو میرے سادہ سویرے سارے   اور یہ رنگ بھرے پیار کے پیکر لے لو

مجھ کو اب شام کے ان سایوں سے ڈر لگتا ہے
سچ تو یہ ہے کہ تیری یادوں سے ڈر لگتا ہے ۵۸۷

غزل

کئی غم بھول جاتے ہیں کئی غم یاد رہتے ہیں
ہزاروں درد ہیں لیکن بہت کم یاد رہتے ہیں
سفر کے بعد سب کچھ بھول جاتا ہے مگر پھر بھی
بچھڑ جاتے ہیں راہوں میں جو ہمدم یاد رہتے ہیں
مقدر سے کوئی کہہ دے ہمیں اتنا تو سمجھا دے
اسے کیوں ساری دنیا چھوڑ کر ہم یاد رہتے ہیں
بھلا سکتے ہیں کیسے ہم محبت کی وہ برساتیں
گزرتے ہیں جو الفت میں وہ موسم یاد رہتے ہیں
مٹا ڈالا ہے جن کا ہر تصور ذہن سے ہم نے
تجھے وہ کس لئے اے چشمِ پرنم یاد رہتے ہیں
شکست دل کی منزل پر بھی اکثر ڈوبتے غم کو

Marfat.com

تری زلفوں کے لہراتے ہوئے غم یاد رہتے ہیں
ندیم ان دوستوں کو بھول جانا سخت مشکل ہے
مسلسل یاد رہتے ہیں وہ پیہم یاد رہتے ہیں۵۸۸

حسرت جعفری

حسرت جعفری کا نام محبوب حسین تھا۔حسرت تخلص کرتے تھے اور فقہ جعفریہ سے تعلق کی بنا پر جعفری کا لاحقہ نام کے ساتھ لگا رکھا تھا۔ابتدا میں آپ محبوب حسرت کے نام سے لکھا کرتے تھے۔ حسرت جعفری ۱۹۴۵ء میں بھیرہ میں پیدا ہوئے۔آپ ریاض کالونی کے باسی تھے۔بالکل نفیس اور مہین تھے۔پنجابی دوہڑے، ماہیے اور گیت سن کر شعر کہنے کا شوق پیدا ہوا۔شاعری کے ساتھ ہی موسیقی سے بھی لگاؤ تھا۔آپ اردو اور پنجابی زبانوں میں شعر کہتے تھے۔پنجابی زبان میں چونکہ زیادہ کہا اس لیے منجھے ہوئے شعراء میں شمار ہونے لگ گیا۔بھیرہ میں ادب خدمت اور فروغ کے لیے ایک تنظیم بنائی۔جس کا نام بزمِ حسرت رکھا اور اس کے صدر قرار پائے۔آپ کلاسیکل مزاج کے شاعر تھے۔پنجابی زبان میں کئی مسودے تیار کیے لیکن اردو کی طرف کم توجہ ہونے کے باعث تھوڑا لکھا۔آپ شاعرِ اہلِ بیت کے نام سے بھی جانے جاتے تھے۔

حسرت جعفری نے چونسٹھ سال کی عمر پا کر ۲۰۰۹ء میں وفات پائی۔لالہ موسیٰ کے شاعرِ اہلِ بیت اور ذاکر جناب ذوالقرنین حیدر نے آپ کو ان الفاظ میں یاد کیا ہے۔

وہ جا رہا تھا بڑی بے دلی کے ساتھ مگر — میں اس کی یاد میں اک جان بھی جلا نہ سکا
وہ اپنی ذات میں اک انجمن تھا شیرازی — دیارِ قلب جو اجڑا تو کیوں بسا نہ سکا

حسرت جعفری کو موسیقی کی شدبد تھی۔وہ اس کے رموز سے آگاہ تھا۔لہٰذا اس نے بڑے خوبصورت پیرائے میں موسیقی کا تعارف پیش کیا ہے۔

سات سروں کی ہے موسیقی — سانس کا بندھن گر بھگوان

Marfat.com

تین گرام جسے ہیں کہتے مندر، تار اور مدھ استھان
اک سُر سے کئی راگ ہیں نکلے راگوں سے کئی راگنیاں
کومل تیور ہر اک میں ہے پنچم قائم اور سُر دھان
ققنس نے جب دیپک گایا اپنا تن من آپ جلایا
سات سروں کی نظر کیے ہیں اس نے جانوں پر بلیدان
سرگم پلٹا راگ کی صورت آڑو، گھاڑو، سمپورن
سمجھ گرام حسرت سائیں
موسیقی ہے پہچان

☆

حسیں دل کو جگ میں ہر اک نے ستایا جسے دل دیا بے وفا اس کو پایا
محبت کے ٹھکرائے، جائیں کدھر کو جنھوں نے ستم سہہ کے سر نہ اٹھایا
ہزاروں جفائیں سہیں ان کی، دل پر محبت میں ہم نے جگر آزمایا
کیے ناز جس کی محبت پہ میں نے اسی باغباں نے نشیمن جلایا
نہیں کوئی سنتا مرا قصۂ غم وہ ہی چل دیا ہم نے جس کو سنایا
چلا چھوڑ کر حیف دنیا کی محفل مگر داغ فرقت نہ اُن کو دکھایا
تھا خونِ جگر کا یہی جام حسرت
سمجھ کر جسے بادہ منہ کو لگایا۵۸۹

تنویر ہاشمی

تنویر ہاشمی یا اجمل ہاشمی ایک ہی شخص کے دو ادبی حوالے یا نام ہیں۔ اصل نام محمد اجمل حسین ہاشمی تھا۔ کبھی تنویر اور کبھی اجمل تخلص کرتے۔ آپ ۸ فروری ۱۹۴۶ء کو مشرقی پنجاب میں ہانسی

Marfat.com

کے مقام پر پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۷ء تقسیم ہند کے بعد خاندان کے ہمراہ ہجرت کی اور پاکستان آ گئے۔

آپ نے اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں ایم اے کیے اور پنجاب پبلک سروس کمیشن سے دونوں مضامین میں آپ کی سلیکشن ہوئی۔ آپ کا ارادہ پنجابی کو لے کر آگے چلنے کا تھا اور اسے ہی پڑھانے کا تھا لیکن پنجابی میں لیکچرار کی جگہ نہ ہونے کے باعث آپ کا اردو میں تقرر ہوا۔ دو ایم اے کے علاوہ آپ نے ایل ایل بی کی ڈگری بھی لی، ہومیو پیتھک میں بھی ڈپلومہ حاصل کیا۔ لیکچرر منتخب ہونے کے بعد آپ وکالت اور لیکچررشپ دونوں کیلیے وقت نکالتے رہے۔ آپ ادبی مجالس میں بھی شرکت کرتے تھے۔ انجمن ترقی اردو کے اجلاسوں میں حاضر ہوتے۔ آپ کو ۱۹۷۰ء میں انجمن ترقی اردو نے ''نشانِ سپاس'' سے بھی نوازا۔ پروفیسر ہارون الرشید تبسم لکھتے ہیں

''وہ شعبہ اردو میں اسسٹنٹ پروفیسر کے علاوہ ڈائریکٹر کالجز بھی رہے۔ انہوں نے پروفیسر چوہدری محمد طفیل کے ساتھ مل کر ڈویژن بھر کے کالجز کے سربراہان میں رابطہ کروایا۔ اجمل ہاشمی گورنمنٹ کالج بھلوال سے تبدیل ہو کر گورنمنٹ انبالہ مسلم کالج آئے۔ وہ نہایت ہنس مکھ اور ملنسار تھے۔'' ۱۹۱

سخنوران سرگودھا کے مطابق

''پنجابی شاعراں دے حالات زندگی'' ''سوہنیاں لاٹاں'' تے اردو وچ ''مشہور نثر نگار و شعراء'' کتاباں دے مصنف نیں جیڑیاں کہ چھپتی ای چھپ رہیاں نیں''

لیکن وہ کتابیں منظرِ عام پر نہ آ سکیں بلکہ ان کی اردو شاعری کی کتاب ''رخسارِ غزل'' بھی تیار تھی لیکن ان کے سارے کام وقت نے اپنے ہاتھ میں لے لیے اور وہ ۱۷ جنوری ۲۰۰۰ء ۱۹۲ کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ وہ انبالہ مسلم کالج سرگودھا میں اسسٹنٹ پروفیسر تھے۔ انہیں سرگودھا کے بڑے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ ان کی وفات پر طفیل ثاقب نے کہا تھا۔

Marfat.com

کیا خوب شہر یار تھا اجمل حسین ہاشمی — اک پیکرِ وقار تھا اجمل حسین ہاشمی
تھی نکہتِ وفاگری اس کے مزاج میں رچی — اخلاص کی پکار تھا اجمل حسین ہاشمی
رنجش کسی رفیق کو اس کے وجود سے نہ تھی — پیغامِ انکسار تھا اجمل حسین ہاشمی ۵۹۳ؔ

نعت

شب کی ظلمت کو زلف سیہ کھا گئی — شرق سے غرب تک روشنی چھا گئی
بزمِ کونین میں یوں ہوئے جلوہ گر — گویا عالم میں بادِ بہار آ گئی
اس رخ و الضحیٰ کی ہو تعریف کیا — چاندنی نے جو دیکھا تو شرما گئی
سدرۃ المنتہیٰ چلئے خیر البشرؐ — آج مولا کو بندے کی یاد آ گئی

حق کی تنویر خود بن کے محبوبِ حق
ہم گنہ گار بندوں کو بخشا گئی ۵۹۴ؔ

غزل

تم سنبھلنے لگے دیکھتے دیکھتے — دل مچلنے لگے دیکھتے دیکھتے
ضابطے، قاعدے، زاویے — سب بدلنے لگے دیکھتے دیکھتے
وہ تھا حسنِ جہاں یا عتابِ نظر — ہم دہلنے لگے دیکھتے دیکھتے
دوستی، دشمنی کا عجب امتحاں — سب کو کھلنے لگے دیکھتے دیکھتے

یہ محبت تھی یا کوئی جذبِ دروں
وہ ٹہلنے لگے دیکھتے دیکھتے ۵۹۵ؔ

طفیل ثاقب

محمد طفیل نام اور ثاقب تخلص تھا۔ آپ یکم اکتوبر ۱۹۴۶ء کو لقمان ضلع سرگودھا میں دوست محمد کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سکول ماسٹر تھے۔ اور ان کا تبادلہ ایک جگہ سے دوسری جگہ ہوتا رہتا

Marfat.com

تھا۔ جہاں فیملی بھی ساتھ ہوتی۔

''آپ نے ۱۹۵۴ء میں پرائمری کا امتحان پاس کیا۔۱۹۶۲ء میں گورنمنٹ ہائی سکول بھاگٹانوالہ سے میٹرک کرنے کے بعد انبالہ مسلم کالج سے ۱۹۶۸ء میں گریجوایشن کیا۔ بعد ازاں D.L.S. (ڈپلومہ ان لائبریری سائنس) کیا اور ملازمت اختیار کرلی۔ آپ کی تقرری یکم جنوری ۱۹۷۲ء کو اسلامیہ کالج چنیوٹ میں ہوئی۔ جہاں سے آپ یکم ستمبر ۱۹۷۶ء کو انبالہ مسلم کالج میں تبدیل ہو کر آئے۔''۵۹۶

طفیل ثاقب نے ۳۵ سال لائبریرین کی حیثیت سے گزارے جن میں سے ۳۱ سال کا عرصہ انبالہ مسلم کالج میں گزار کر ۳۱ مارچ ۲۰۰۷ء کو پنشن پائی۔

طفیل ثاقب نے ۱۹۶۲ء میں شعر کہنا شروع کیا۔ کالج کی آب وہوا اور ماحول نے اس شوق میں شدت پیدا کی اور آپ نے عروض میں مہارت حاصل کی۔ لائبریرین ہونے کے بعد کالج کے جس بھی طالب علم کو شوقِ شعری ہوتا وہ آپ کے پاس آتا اور رہنمائی حاصل کرتا۔ یوں بہت سے طلباء کو آپ نے شاعری کی سیدھی ڈگر پر رواں کیا۔ آپ ایک شریف النفس انسان تھے اور وہی رویہ آپ کی شاعری میں بھی نظر آتا ہے۔ نظم ہو یا غزل آپ شعر کو بے لگام نہیں ہونے دیتے تھے۔ آپ کی اگرچہ ابھی تک کوئی کتاب تو شائع نہیں ہوئی۔ لیکن آپ نے جتنا لکھا ہے اس سے کئی کتابیں ترتیب پاسکتی ہیں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو عمرہ کی ادائیگی کا شرف بخشا تو وہاں کی روداد چھ نظموں میں بیان کی۔ جو آپ کی دلی کیفیت کا اظہار ہے۔ جسے آپ نے سوغاتِ حرم کا نام دیا اس سعادت کے کچھ ہی عرصہ بعد ۲۰ اپریل ۲۰۱۰ء کو آپ نے سرگودھا میں وفات پائی لیکن آپ کی میت کو گاؤں لے جایا گیا اور وہاں تدفین ہوئی۔

زیارتِ مدینہ

میری بیتاب نگاہوں نے مدینہ دیکھا　　رنگ و انوار کا شاہکار نگینہ دیکھا

Marfat.com

اب نہ طوفان کا ڈر ہے نہ بھنور کا خطرہ — بحرِ رحمت میں رواں دل کا سفینہ دیکھا
در پہ سرکارؐ کے جاری اشکوں کی زباں — عرض کرنے کا ادب اور قرینہ دیکھا
گوشے گوشے ملی دل کو گواہی اُنؐ کی — حسنِ کردار کی معراج کا زینہ دیکھا
اک سے اک منبر و محراب کے جلوے پائے — یوں عجب شوق کا اظہار کہیں نہ دیکھا
جس کی مہکا پہ قربان تھے خشک و عنبر — خوش نصیبوں نے معطر وہ پسینہ دیکھا

بھر گئی برکت و خیراتِ کرم سے جھولی
ہر طرف رحمتِ عالم کا خزینہ دیکھا ۵۹۷

☆

ناممکن ہے رسمیں توڑیں، سنگ رواجوں کو چیریں
ملنا چاہو مل کب پاؤ کیسی ہیں یہ زنجیریں
دل والوں نے اکثر دیکھے خواب سہانے الفت کے
لیکن سب نے کب پائی ہیں ان خوابوں کی تعبیریں
سونے کے سو پھول سجا لو چاندی کے گلدانوں میں
خوشبوئیں مہکا نہیں سکتیں یہ چمکیلی تدبیریں
داغ جگر کا مرہم کیا ہے کیا جانیں دنیا والے
کب یہ گھاؤ بھر سکتی ہیں دل بہلاتی تقریریں
دل کی مرضی جن پر آئے جس کو چاہے ٹھکرا دے
پاگل دیکھے دشت نہ صحرا دیکھے کب یہ جاگیریں
کیا رکھا ہے غم کے سوائے تنہائی کے جیون میں
دکھتی یادیں، آنسو، آہیں، من سلگاتی تحریریں
کیسے کیسے لوگ جہاں میں رنگ جما کے خاک ہوئے
وقت مٹا دیتا ہے ثاقب کیسی کیسی تصویریں ۵۹۸

Marfat.com

حنیف ساجد

''محمد حنیف المتخلص ساجد ۲ جولائی ۱۹۴۷ء کو رہتک (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ جب بٹوارا ہوا تو محمد حنیف کی عمر ایک ماہ کے لگ بھگ تھی۔ اس کے والدین نے ہجرت کا ارادہ کیا۔ اور وہ اپنے والد اللہ دیا خان کی معیت میں پورے خاندان کے ساتھ رہتک سے چل کر پھلروان ضلع سرگودھا میں آ کر آباد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پھلروان سے حاصل کی۔ سرگودھا بورڈ سے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ ۱۹۶۳ء میں والدہ کے ہمراہ حج کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔''۵۹۹

حنیف ساجد نے ۱۹۸۰ء میں شاعری کے میدان میں قدم رکھا۔ اور اپنی رفتار خاصی تیز رکھی۔ گزشتہ ۲۸ سال میں ان کے پانچ شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں ایک نعتیہ مجموعہ بھی شامل ہے۔ ''آتشِ خاموش، خاکِ بینا، آدمِ خوابیدہ، اقلیمِ کرب اور نعتیہ مجموعہ کلام ''خورشید بطحا''۔ جبکہ وفات کے وقت ایک کتاب اشاعت کے لیے نعیم ساگر کے پاس کئی ماہ سے پڑی تھی۔ جس کی اشاعت کی رقم بھی وہ لے چکا تھا۔ آپ نے ۲۴ جولائی ۲۰۱۱ء کو وفات پائی اور ۲۵ جولائی کو پھلروان میں ہی آپ کی تدفین ہوئی۔

حنیف ساجد نے جب شاعری کے میدان میں قدم رکھا تو رموز شاعری سیکھنے کیلئے ظہور عالم ظہور سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ اگر چہ تجارت سے وابستہ رہے لیکن ساتھ ہی شعر و سخن، فروغ ادب اور صحافت کے لئے بھی وقت نکال لیتے تھے۔ آپ ''انجمن ترقی اردو'' پھلروان کے صدر رہے اور سرگودھا سے شائع ہونے والے پندرہ روزہ اخبار ''تابش'' کے سرپرست بھی رہے۔

آپ کی شاعری پر کئی دانش وروں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور بڑے خوبصورت ریمارکس سے نوازا ہے۔ ایوب جوہر (بنگلہ دیش) نے کہا ہے کہ:

Marfat.com

''حنیف ساجد نے اپنی شاعری کو زندگی سے وابستہ اور مربوط رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری اس زندگی کی شاعری ہے جہاں رنگینیاں بھی ہیں اور زندگی کے بیکراں دکھ بھی۔'' ۲۰۰

ظاہراً کبھی نہ دکھائی دینے والا حنیف ساجد اندر سے کتنا ٹوٹا پھوٹا تھا۔ اسے کتنے دکھ تھے۔ وہ خارجی اور داخلی دونوں طرح کے دکھوں کو کس طرح زبان دیتا رہا یہ اس کی شاعری سے واضح ہوتا ہے۔ وہ خوش قسمت تھا کہ اسے اظہار کا طریقہ بھی آتا تھا۔ اور قرینہ بھی۔ اس کی شاعری ہمیں بتاتی ہے کہ اس نے زمانے کو پڑھا بھی اور برتنے کی کوشش بھی کی۔ وہ اس کوشش میں کس حد تک کامیاب رہا ہے۔ اس کے درج ذیل اشعار سے اندازہ لگایئے ۔

غزل

ستم کی راہ میں دیوار یوں اکثر بناتا ہوں
میں کربل کی زمینوں پر فصیلِ سر بناتا ہوں

سرِ ظلمت میری پلکوں پہ تارے رقص کرتے ہیں
شب تاریک میں جلوہ فگن منظر بناتا ہوں

کبھی آتش فشاں کو میں بجھاتا ہوں تیقن سے
کبھی موجوں پہ کاغذ ہی کے بام ودر بناتا ہوں

تبسم ریز رہتی ہے مرے ادراک پر دنیا
جو راہوں سے نہیں واقف انہیں رہبر بناتا ہوں

مری مٹی پہ ظلمت کا کہیں پہرا نہیں ساجد
میں سورج ہوں سدا کرنوں ہی کے لشکر بناتا ہوں ۲۰۱

☆

گوہرِ اشک جو آنکھوں میں سجا کر رکھیں   شہرِ جاں کو وہ عذابوں سے بچا کر رکھیں

Marfat.com

دشت کربل کے سبھی نقش مٹائیں کیونکر
کس طرح سارے زمانے سے ہٹا کر رکھیں

جبر گاہوں سے نہیں ہم تو ذرا بھی خائف
جو صلیبوں سے ڈریں سر وہ جھکا کر رکھیں

گرنے والوں کو کہیں پھر نہ سنبھلنے دے گا
سیلِ گردش میں ذرا پاؤں جما کر رکھیں

جن پہ رشحاتِ قلم کے وہ دکھائے جوہر
کیوں نہ اوراق وہ شیشوں میں سجا کر رکھیں ۲۰۲

غلام شبیر شاہد

نام غلام شبیر، ادبی حوالہ شبیر شاہد ۹ جولائی ۱۹۴۹ء ۲۰۳ کو تحصیل خوشاب کے ایک گاؤں جوئیہ میں محمد جہانگیر خان جوئیہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ میٹرک کے بعد گورنمنٹ کالج جوہر آباد میں داخلہ لیا۔ جہاں یوسف شیدائی اور اسحاق قریشی جیسے اساتذہ کے علاوہ ف۔م ماجد جیسے پرنسپل نے ان کے اندر چھپے جوہر دیکھ لئے اور ادبی سرگرمیوں میں اُس کو فعال کیا۔ ۱۹۶۹ء میں انہوں نے بی اے کا امتحان پاس کیا۔

صاحب ''دیدۂ خوش آب'' نے اُن کے بی اے کرنے کا سال ۱۹۷۹ء ۲۰۴ لکھا ہے۔ جو اِس لحاظ سے بھی درست نہیں کہ شبیر شاہد نے ۱۹۷۱ء میں ایم اے کر لیا تھا مزید یہ کہ ''دیدۂ خوش آب'' میں رقم ہے: ''شبیر شاہد ۱۹۷۰ء کی دہائی میں جدید غزل کے حوالے سے ابھرنے والا اہم ترین نام ہے'' ۔۲۰۵

جبکہ ۱۹۶۰ء کی دہائی کے آخر میں اُن کا کلام گورنمنٹ کالج جوہر آباد کے مجلّہ ''جوہر'' میں شائع ہونے لگ گیا تھا۔ اِس وقت اُنکی ایک غزل کے دو اشعار مجھے یاد آ رہے ہیں جو ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئے تھے۔

دن ڈھلے آ کے ترے صحن میں بکھرا ہوتا
سوچتا ہوں کہ مرا جسم بھی سایہ ہوتا

شاخِ امید پہ اک پھول سلامت ہے ابھی
کاش اس کو بھی تری زلف نے مانگا ہوتا ۲۰۶

Marfat.com

شبیر شاہد نے ایم اے کے لئے اوری اینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ جہاں اس کے ادبی ذوق کی مہمیز ملی۔ اور گورنمنٹ کالج جوہر آباد سے شاعری کی ابتداء کرنے والا یہ شخص ان دو سالوں میں لاہور کے ادبی افق پر واضح دکھائی دینے لگا۔ اس دوران احمد جاوید، حسن رضوی اور اجمل نیازی جیسے ادب دوست جو وہاں زیرِ تعلیم تھے کی محفل میں شبیر شاہد بھی شامل ہو گیا۔ اس پر مستزاد کہ یہ تمام لوگ سید سجاد باقر رضوی کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ جنہوں نے انہیں مزید پالش کیا۔

شبیر شاہد نے ایم اے (اردو) میں اول پوزیشن حاصل کی اور گولڈ میڈل حاصل کیا۔ اس کے فوراً بعد ہی پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ میں ملازمت اختیار کر لی اور پھر وہ ایک دن اپنے ہی ایک شعر کی صورت میں ڈھل گیا۔

فرطِ حیرت سے بھرا گھر دیکھتا رہ جائے گا : ہم چلے جائیں گے دروازہ کھلا رہ جائے گا

اور ایسے ہی ہوا۔ ۱۹۷۴ء کی ایک صبح وہ گھر سے نکلا اور پھر اس کی راہ کھلے دروازے دیکھتے رہ گئے وہ واپس نہ لوٹا۔ شاید ایسے حساس لوگوں کا یہی المیہ ہوتا ہے۔ شکیب جلالی اور بعد میں آنس معین جیسے کئی بینا لوگ موت کو ہنس کر گلے لگانے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ شبیر شاہد نے اپنے کھو جانے سے قبل اپنی شاعری جلا دی تھی۔ البتہ جو باقی بچ گئی یا کہیں شائع ہو کر اوراق میں محفوظ تھی۔ وہ ہم تک پہنچی۔ جسے ڈاکٹر ضیاء الحسن نے ''گمشدہ ستارہ'' کے عنوان سے حالات و شاعری کو ایک کتابی صورت میں یکجا کر دیا۔

شبیر شاہد جدید لہجے کا خود سر شاعر تھا جو خاندانی پس منظر اور جدید تغیر کے درمیان ایک عجیب سی شکست و ریخت کا شکار ہو گیا۔ دو غزلیں دیکھئے اور فیصلہ دیجئے۔

غزل

ابھی وہ نقشِ کمال بھولا نہیں ہے مجھ کو : وہ ساحلِ بے مثال بھولا نہیں ہے مجھ کو
وہ ریگِ ساحل سے چاندنی میں لپٹتی لہریں : وہ بحر و بر کا وصال بھولا نہیں ہے مجھ کو
وہ آسمانوں کی جھوک وہ کھاڑیوں کا پانی : وہ ؔس میں تاروں کا جال بھولا نہیں ہے مجھ کو

Marfat.com

نفس میں آباد ہیں ابھی رس بھری ہوائیں ۔۔۔ وہ موسمِ برشگال بھولا نہیں ہے مجھ کو
نئے دنوں کے اداس خوابوں کے جمگھٹوں میں ۔۔۔ گئے دنوں کا خیال بھولا نہیں ہے مجھ کو
سفر نے دھندلا دیئے ہیں ماضی کے عکس لیکن
وطن سے رخصت کا سال بھولا نہیں ہے مجھ کو ۲۰۷

☆

ئے فراغت کا آخری دور چل رہا تھا ۔۔۔ سبو کنارے وصال کا چاند ڈھل رہا تھا
فراق کا گیت گا رہا تھا مغنیء شب ۔۔۔ فلک پہ صبحِ سفر کا تارا نکل رہا تھا
وہ ساز کی لے کہ ناچتا تھا لہو رگوں میں ۔۔۔ وہ حدتِ مے کہ لمحہ لمحہ پگھل رہا تھا
فضا میں لہرا رہے تھے افسردگی کے سائے ۔۔۔ عجب گھڑی تھی کہ وقت بھی ہاتھ مل رہا تھا
ہوائے غربت کی لہر انفاس میں رواں تھی ۔۔۔ نئے سفر کا چراغ سینوں میں جل رہا تھا
بدن پہ طاری تھا خوف گہرے سمندروں کا
رگوں میں شوقِ شناوری بھی مچل رہا تھا ۲۰۸

محمد حسین جامی

جامی تخلص سے اگرچہ فارسیت کا احساس ہوتا ہے اور مولانا عبدالرحمٰن جامی نظروں کے سامنے آجاتے ہیں لیکن یہاں محمد حسین جامی ہیں جو اردو کے شاعر اور سرگودھا کے باسی تھے۔ آپ ۲۱ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو پیدا ہوئے۔ انکے رکھ رکھاؤ اور چال ڈھال سے اُنکے تعلیم یافتہ ہونے کا گمان ہوتا تھا۔ لیکن حقیقت میں وہ کچھ زیادہ تعلیم حاصل نہ کر سکے تھے اور فائر بریگیڈ کے محکمے میں ملازم ہو گئے تھے۔ معاشی پریشانیوں نے اُسے شاعری کی طرف متوجہ کیا نوجوانی میں انہوں نے مشقِ سخن شروع کی لیکن جوانی میں وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ صرف ۳۲ سال کی عمر میں ۱۹۸۱ء میں انہوں نے وفات پائی۔

محمد حسین جامی چھوٹی بحر میں بڑے پُر مغز شعر کہتے تھے۔ بقول ہارون الرشید تبسم:

Marfat.com

''چھوٹی بحر میں شعر کہنا خاصا مشکل فن ہے۔ اس فن کو محمد حسین جامی نے اپنے طور پر نبھانے کی کوشش کی ہے۔ میر تقی میر کے تصورِ غم کی پیروی کرنے والوں میں محمد حسین جامی اسی قافلے کے رکن ہیں جو لوگ جامی صاحب کی محفل میں رہ چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ مرحوم عجیب بے چین طبیعت کے مالک تھے''۔۲۰۹

نعت رسول ﷺ

السلام اے رحمۃ للعالمین السلام اے ہادیِ دینِ مبیں
السلام اے آمنہ کے نورِ عین السلام اے فاتحِ بدر و حنین
السلام اے مرجعِ انوارِ حق السلام اے مطلعِ اسرارِ حق
السلام اے ماہِ تابانِ عرب السلام اے ارفع و عالی نسب
السلام اے سرورِ دنیا و دیں
السلام اے عرشِ اعلیٰ کے مکیں۔۲۱۰

☆

اپنے غم کا اسیر رہنے دے مفلسی میں امیر رہنے دے
بادشاہت کا اعتبار نہیں احتیاطاً فقیر رہنے دے

☆

دلِ بیمار کو کیا ہو گیا ہے جنوں کی وسعتوں میں کھو گیا ہے
حکایت دلبری کی کہتے کہتے کوئی بسمل تڑپتا سو گیا ہے ۲۱۱

☆

پر جلے، سینہ جلا، آخر تڑپ کر مر گیا
صدم پھر دید کے قابل تھی پروانے کی لاش

Marfat.com

ہو گیا ماتم بپا گورِ غریباں چارسو
جس گھڑی مرقد میں تڑپی تیرے دیوانے کی لاش

سید ذکی الحسنین

سید ذکی الحسنین شاہ دسمبر ۱۹۴۹ء میں سید نذر حسین شاہ کے ہاں موضع میٹر تحصیل شاہ پور (حال ساہیوال) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا گاؤں مرکزِ رشد و ہدایت موضع سیال شریف کے نزدیک واقع ہے۔ تعلیم کے ضلع سرگودھا کے مختلف مقامات پر طے کیے یعنی پرائمری میٹر سے، مڈل نہنگ سے، نہم گورنمنٹ ہائی سکول گوندل سے اور میٹرک ہائی سکول نمبر ا سرگودھا شہر سے کیا۔ ۱۹۶۹ء میں آپ پاک فوج کے شعبہ میڈیکل کور میں بھرتی ہو گئے۔ جہاں آپ کو فزیوتھراپسٹ ٹریڈ دیا گیا۔ اور پھر آپ نے اسی کو مستقبل کا پیشہ بنا لیا۔ ۱۹۷۶ء میں لانس نائیک تھے جب آپ نے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی۔ یہ ریٹائرمنٹ انہوں نے جنرل محمد یحیٰی خان کے ایماء پر لی تھی جس کے آپ ذاتی فزیوتھراپسٹ رہے تھے۔ انہوں نے ذکی الحسنین کو امریکہ بھجوانے کا وعدہ کیا تھا لیکن آپ کے والدین باہر بھیجنے پر راضی نہ ہوئے کیونکہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو نظروں سے دور نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا آپ نے میو ہسپتال لاہور میں ملازمت اختیار کر لی۔ اسی دوران آپ نے ایف ایس سی کیا۔ پھر ۱۹۹۲ء میں بی ایس سی کیا۔ بعد ازاں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے فزیوتھراپی کا کورس کیا۔ کچھ عرصہ آپ اسی کالج میں انسٹرکٹر رہے۔ ۱۹۹۶ء میں آپ کینسر کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ جس کا علاج کروایا اور صحت یاب ہونے پر ۱۹۹۸ء پر کالج کو بھی خیر باد کہہ دیا۔ لیکن آپ کو دل کا عارضہ لاحق ہو گیا اور یوں ۲۰۰۳ء میں بائی پاس کروانا پڑا۔ اب آپ نے العباس ہسپتال سرگودھا کو جوائن کر لیا۔ ساتھ ہی سیال ہسپتال ساہیوال میں بھی مریضوں کو دیکھا کرتے اور پھر شام کے بعد میٹر میں بھی گاؤں کے لوگوں کا علاج کرتے۔ آپ ہر روز ویگن یا بس پر گھر سے سرگودھا پھر ساہیوال اور پھر رات کو گھر واپس آتے۔ ۲۲ دسمبر ۲۰۱۱ء کو العباس ہسپتال سے فارغ ہو کر سیال ہسپتال میں آ کر اپنے کمرے میں

Marfat.com

بیٹھے تھے کہ دل کا حملہ ہوا جو جان لیوا ثابت ہوا۔[۲۱۲]

سید ذی الحسنین نے فوج میں جانے کے بعد لکھنا شروع کیا تھا اور جو کچھ اور جیسا بھی لکھتے ایک طرف رکھ دیتے۔ کبھی کسی رسالے میں اپنی تحریریں بھیجنے یا شائع کروانے کا نہیں سوچا۔ آخری عمر میں معرفت ہمدانی نے آپ کو کھوج نکالا اور دریچہ انٹرنیشنل میں ان کی تحریروں کو جگہ دی اور مشاعروں میں بھی لانا شروع کیا۔ لیکن دونوں کی زندگی کے دن محدود تھے اور یکے بعد دیگرے دونوں نے عدم کا سفر اختیار کیا۔

سید ذی الحسنین کی عزت بحیثیت انسان اپنے علاقے میں بہت زیادہ تھی۔ رستے میں بھی جہاں سے آپ گزر رہے ہوتے لوگ کھڑے ہو جاتے۔ اور بحیثیت انسان یہی سب سے بڑا اثاثہ ہوتا ہے جو شاہ کے پاس تھا۔

غزل

سکون و ضبط گیا دل سے دل لگی نہ گئی　　تمام عمر نگاہوں کی مفلسی نہ گئی
وہ میرے گھر سے تو دریا کچھ اتنا دور نہ تھا　　مرے لبوں کی مگر پھر بھی تشنگی نہ گئی
سماعتوں کو ہے مدت سے انتظار اس کا　　وہ ایک بات جو مجھ سے کبھی کہی نہ گئی
گئی رتوں کا تعاقب نہ کر سکے لیکن　　دل و نظر سے ترے دل کی سادگی نہ گئی
وہ جن کے نام پر تم نے حکومتیں پائیں
اُسی غریب کے دامن سے بے کسی نہ گئی [۲۱۳]

☆

ترے خیال نے کیا کیا نہیں دیا ہے مجھے　　میں فرد ہو کے بھی رہتا ہوں انجمن کی طرح

☆

آگہی کے بہ سبب، خودشکنی کے بہ طفیل　　دل کی تطہیر جو ہوتی ہے تو ہو جانے دو

Marfat.com

جمال احسانی

''اردو شاعر جمال احسانی کی ولادت ۲۱ اپریل ۱۹۵۱ء کو کراچی میں ہوئی۔'' ۲۱۴

''محمد جمال عثمانی کی ولادت ۲۱ اپریل ۱۹۵۰ء کو سرگودھا میں ہوئی۔'' ۲۱۵

''جمال احسانی ۲۱ اپریل ۱۹۵۱ء کو سرگودھا میں پیدا ہوئے۔'' ۲۱۶

مندرجہ بالا تین حوالے معمولی اختلاف کے ساتھ سامنے آئے ہیں۔ لیکن یہاں میں جمال احسانی کے شعری مجموعہ ''تارے کو مہتاب کیا'' سے اصل حوالہ دینا چاہوں گا۔

''۱۹۴۷ء کے آخر میں والدین بھارت کے ایک قصبے پانی پت سے ہجرت کر کے سرگودھا میں آ بسے۔ پہلے ہی ان کے دو بڑے بھائی اور دور و نزدیک کے عزیز و اقرباء پانی پت سے آ کر جم چکے تھے۔ ۲۱ اپریل ۱۹۵۱ء کو سرگودھا ہی میں پیدا ہوا۔ وہیں سے مارے باندھے میٹرک کیا۔ ایک مکان کا نصف حصہ ابا نے بعد از طویل صبر آزما مقدمے بازی حاصل کیا جسے ان کے انتقال کے بعد فوری اور اشد ضرورت کے ہاتھوں مجبوراً بیچنا پڑا اور پھر کسمپرسی کی حالت میں کراچی آ گیا۔'' ۲۱۷

لہٰذا یہاں بلاشبہ کہنا پڑتا ہے کہ حوالہ نند کشور وکرم کا دیا شہر ولادت کے حوالے سے غلط ہے۔ صابر براری کا دیا ہوا دوسرا حوالہ ایک سال کے فرق سے غلط ہے۔ البتہ تیسرا حوالہ زاہد حسین انجم نے جو دیا ہے وہ صحیح ہے اور یہی حوالہ جمال احسانی کی اپنی تحریر کی تائید کر رہا ہے۔

جمال احسانی کا اصل نام محمد جمال عثمانی اور والد کا نام ظہور حسین عثمانی تھا۔ سرگودھا سے کراچی جانے پر مختلف اداروں کے ساتھ وابستہ رہے۔ اور ملازمت کے انہی دنوں میں گریجوایشن

Marfat.com

کیا۔ آپ کو شاعری کا شوق سرگودھا قیام کے دوران ہوا تھا جو کراچی کی محفلوں میں آ کر پروان چڑھا اور جسے احسان امروہوی نے جمال عثمانی سے جمال احسانی بنا دیا۔ راغب شکیب ۱۸ ۳۱۸ نے اپنی پہلی ملاقات سرگودھا میں جمال احسانی سے ہونے کا ذکر کیا ہے۔ میرے خیال میں یہ ۱۹۶۸ء یا ۱۹۶۹ء کا زمانہ ہوگا۔ جب راغب شکیب سرگودھا کے ادبی حلقوں میں اپنی پہچان رکھتا تھا اور حلقہ ارباب ذوق کے جنرل سیکرٹری کے طور پر کام کر رہا تھا۔

کراچی چلے جانے کے بعد جمال احسانی نے مختلف ادبی رسائل، اخبارات اور جرائد میں لکھا۔ انہوں نے شاعری کے علاوہ تراجم بھی کیے، کہانیاں بھی لکھیں اور شخصی خاکے بھی۔ ''ستارہ سفر'' ان کا پہلا شعری مجموعہ ہے۔ اس کتاب کی تقریب بھی سرگودھا میں ہوئی۔ اور جو مضمون ریاض احمد شاد نے پڑھا وہ بعد میں دوسرے شعری مجموعہ ''رات کے جاگے ہوئے'' میں بطور دیباچہ شامل کیا گیا۔ ڈاکٹر پیرزادہ قاسم لکھتے ہیں:

> ''جمال ہر اعتبار سے ایک زندہ انسان تھا۔ مگر وہ ایک لاپرواہ آدمی بھی تھا۔ وہ جملے بازی کا ماہر تھا اور بہت بلیغ جملے کہا کرتا تھا۔ اس نے بڑے تیور کے ساتھ شاعری کی۔'' ۳۱۹

جمال احسانی کی بلاغت اور لہجے میں نیاپن بعد میں آنے والے تمام ناقدین اور شعراء کے لئے ایک فکر اور مواد مہیا کرتا رہا اور کرتا رہے گا۔ وہ آخری دنوں میں اسلام آباد میں جب زیرِ علاج تھا تو کراچی کو یعنی سمندری ہواؤں کو اکثر یاد کرتا تھا اور شاید اس لئے کہ اسلام آباد میں اس کی سوچ کی تازگی ختم ہوگئی تھی اور وہ پھر تازہ سمندری ہواؤں سے تازہ خیالات کشید کرنا چاہتا تھا۔ اعتبار ساجد اسلام آباد میں جمال احسانی سے ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اسلام آباد میں اس سے آخری سے پہلے کی ملاقات ہاسپٹل کمپلیکس میں اس کے چھوٹے سے کمرے میں ہوئی تھی۔ جہاں وہ زیر علاج تھا اور بڑے اضطراب میں تھا۔ بار بار کہتا تھا کہ: شہر تو اچھا ہے لوگ بھی

Marfat.com

اچھے ہیں مگر سمندری ہوائیں بہت یاد آ رہی ہیں۔ وہ شہر اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔"[۲۴۰]

اور بالآخر سمندری ہواؤں اور کراچی نے اسے اپنی جانب کھینچ لیا۔ لیکن موت نے اسے ۱۰ فروری ۱۹۹۸ء بمطابق ۱۴۱۸ھ[۲۴۱] کو کراچی سے اپنے پاس بلا لیا۔ یہاں عالمی اردو ادب نمبر[۲۴۲] میں شائع ۱۹۹۷ء کی تاریخ وفات کو میں ایک بار پھر رد کروں گا۔ کیونکہ یہاں مضمون نگار پھر غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔

نہ سننے میں، نہ کہیں دیکھنے میں آیا ہے
جو ہجر و وصل مرے تجربے میں آیا ہے

نئے سرے سے جل اٹھی ہے پھر پرانی آگ
عجیب لطف تجھے بھولنے میں آیا ہے

نہ ہات میرے، نہ آنکھیں مری، نہ چہرہ میرا
یہ کس کا عکس مرے آئینے میں آیا ہے

جواز رکھتا ہے ہر ایک اپنے ہونے کا
یہاں پہ جو ہے، کسی سلسلے میں آیا ہے

ہے واقعہ ہدف سیل آب تھا کوئی اور
مرا مکان تو بس راستے میں آیا ہے

وہ راز وصل تھا جو نیند میں کھلا مجھ پر
یہ خواب ہجر ہے جو جاگتے میں آیا ہے

جمال دیکھ کے جیتا تھا جو کبھی تجھ کو
کہیں وہ شخص بھی کیا دیکھنے میں آیا ہے[۲۴۳]

☆

جمال اب تو یہی رہ گیا پتہ اس کا
بھلی سی شکل تھی اچھا سا نام تھا اس کا

پھر ایک سایہ در و بام پر اتر آیا
دل و نگاہ میں پھر ذکر چھڑ گیا اس کا

کسے خبر تھی کہ یہ دن بھی دیکھنا ہو گا
اب اعتبار بھی دل کو نہیں رہا اس کا

جو میرے ذکر پر اب قہقہے لگاتا رہا
بچھڑتے وقت کوئی حال دیکھتا اس کا

مجھے تباہ کیا اور سب کی نظروں میں
وہ بے قصور رہا، یہ کمال تھا اس کا

سو کس سے کیجئے ذکرِ نزاکتِ خدوخال
کوئی ملا ہی نہیں صورت آشنا اس کا

Marfat.com

جو سایہ سایہ شب و روز میرے ساتھ رہا　　گلی گلی میں پتہ پوچھتا پھرا اس کا
جمال اس نے تو ٹھانی تھی عمر بھر کے لئے
یہ چار روز میں کیا حال ہو گیا اس کا ۲۲۴

بلال اُمّی

اصل نام غلام دستگیر تھا لیکن اپنے ادبی نام بلال اُمّی سے اس طرح پہچان بنائی کہ لوگ غلام دستگیر کو بھول گئے۔ آپ ایک بہت اچھے مصور تھے۔ آرٹ میں ہی آپ کو لوگوں نے جانا۔ اپنی کاوشوں کی اور فن پاروں کی نمائش ملکی سطح پر کروائی اور بڑے بڑے آرٹسٹوں نے آپ کے کام کو سراہا۔ میرے شعری مجموعہ ''رفاقتوں کی فصلیں'' کا ٹائٹل بھی آپ نے بڑی محنت اور محبت سے بنایا تھا۔

بلال اُمّی ۱۹۵۲ء میں کلیاں تحصیل شاہ پور میں پیدا ہوا۔ اس کے والد کا نام غلام محمد تھا۔ اس نے ابتدائی تعلیم خوشاب اور بہاولپور میں حاصل کی۔ ۲۲۵

بلال امی نے مصوری باقاعدہ سیکھی اور اسے ہی معاشی مسئلے کا حل بنالیا۔ زندگی میں شہروں شہروں گھومنے کے بعد خوشاب میں آکر سکونت اختیار کی۔ آپ اگرچہ پنجابی زبان کے شاعر کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں لیکن اردو میں بھی کبھی کبھی لکھتے تھے۔ مشاعروں میں بھی کئی دفعہ انہیں سننے کا اتفاق ہوا وہ اپنا اردو کلام سنایا کرتے تھے۔ چونکہ سنگیت کی شُد بُد رکھتے تھے لہٰذا سٹیج پر اپنی موجودگی کا احساس دلوا دیتے تھے۔ بلال امی نے چھیالیس سال کی عمر میں مئی ۱۹۹۸ء میں وفات پائی۔ آپ کو اپنے آبائی گاؤں میں دفن کیا گیا۔

غزل

یہ رشتہ پیار کا ٹوٹے نہ بدگمانی میں　　خدا یہ لمحہ دکھائے نہ زندگانی میں
وہ کارواں سے بچھڑنا تجھے تو یاد نہیں　　ابھی تو رقص ہے زلفوں کی اس جوانی میں
اسی کی شکل مرے ذہن سے نہیں اتری　　وہ ایک شخص ملا تھا جو قصہ جوانی میں

Marfat.com

بتا وہ لو ہے کہاں، لاالہ الا اللہ سکون ہم کو ملے گا اسی کہانی میں
جہاں ملے نہ تحفظ کسی کی غربت کو مجھے نہ دفن کرو ایسی راجدھانی میں

مرے تو پاس ندامت کے چند قطرے ہیں
یہی لٹا کے چلے اتنی زندگانی میں ۲۲۶

اے۔ایچ انیس

امیر حسین نام، انیس تخلص جبکہ اے۔ایچ۔ انیس کے ادبی نام سے اپنی پہچان رکھتے تھے۔امیر حسین انیس ۱۰ جون ۱۹۵۳ء ۲۲۷ کو ساہیوال ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد کا نام محمد اللہ یار تھا۔ پرائمری تک تعلیم سکول نمبر ا ساہیوال سے حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان ہائی سکول ساہیوال سے پاس کیا اور پھر گورنمنٹ کالج سرگودھا سے بی۔اے کرنے کے بعد محکمہ تعلیم میں ملازم ہو گئے۔اسی دوران پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے کی ڈگری لی۔

اے۔ایچ انیس نے ۱۹۷۲ء میں لکھنا شروع کیا۔آپ کی توجہ نثر اور نظم کے علاوہ صحافت پر بھی یکساں تھی۔آپ اردو، پنجابی، انگریزی اور فارسی ہر چہار زبان میں لکھتے تھے۔اس کے علاوہ ساہیوال میں ادبی تنظیموں کے بھی روح رواں تھے۔اور ادبی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ ''گوشہ ادب ساہیوال'' کے آپ جنرل سیکرٹری تھے۔ادب تو آپ کے اندر سمایا ہوا ہی تھا۔آپ سماجی کاموں میں بے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ ''اشکوں میں ڈوب کر'' (ناول) اور ''سوانح عمری حضرت قاری عبدالشکور ترمذی'' آپ کی مطبوعہ تصانیف ہیں۔جبکہ ''اور وہ مر گئی'' (ناول) اور ایک شعری مجموعہ بھی ترتیب دے چکے تھے۔ان کے علاوہ آپ کے کالم اور وہ تحریریں جو ابھی تک یکجا نہیں کی گئی تھیں وہ بھی آپ کی بیوہ کے پاس محفوظ ہیں۔وہ چونکہ ایک پڑھی لکھی خاتون ہیں اور شعبہ تعلیم سے وابستہ ہیں۔اس لئے امید ہے ان کو ان تحاریر کی اہمیت کا احساس ہوگا:

''اے۔ایچ انیس نے ۱۱ فروری ۱۹۹۷ء کو ساہیوال ضلع سرگودھا میں ہی

Marfat.com

وفات پائی۔''۶۲۸

نعت

سب کی قسمت کو جگانے پاک احمدؐ آ گئے	عالمِ انسانیت کو نیک راہ دکھلا گئے
زہد و تقویٰ، دردِ انساں میں ہی عظمت ہے چھپی	عظمتِ آدم کا وہ مفہوم یہ بتلا گئے
چار سو پھیلی ہوئی تھی نفرتوں کی تار رات	دل ہوئے ایماں سے روشن نور وہ پھیلا گئے
لے کے مشعل ہاتھ میں اللہ کے پیغام کی	کفر کی تاریکیوں پہ غلبہ پانے آ گئے

اے انیسوا! اے رفیقو! آؤ ہم بھی وہ کریں

جو خدا کے لاڈلے محبوبؐ ہیں فرما گئے۶۲۹

غزل

میری ہر بات لگی ان کو فسانوں کی طرح	میں تو ذہنوں میں رہا الجھے سوالوں کی طرح
جانے احباب میرے مجھ سے گریزاں کیوں ہیں	میں تو مخلص تھا کسی ماں کی دعاؤں کی طرح
حسرتیں ٹھیک رہیں گی اے مرے پگلے جنوں	خوشیاں گھر بار جلاتی ہیں شراروں کی طرح
دولتِ درد نے غربت کا نہ احساس دیا	اپنی اس کٹیا میں رہتا ہوں میں شاہوں کی طرح

جو جھلستی ہوئی اس دھوپ میں سایہ تھے انیسؔ

اب وہی روٹھ گئے روٹھی بہاروں کی طرح۶۳۰

عبدالستار آثم

تحقیق میں کچھ نکات رد کرنے پڑتے ہیں اور نئے لانے پڑتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بات کبھی لکھ دی دوبارہ تحقیق سے پتہ چلا کہ وہ تو غلط تھی۔ تو ایسے ہی یہاں آج تردید اور تصدیق سے واسطہ پڑا ہے۔ اور وہ یہ کہ ''اردو ادب اور عساکرِ پاکستان''۶۳۱ میں عبدالستار آثم کو میں نے صوبیدار لکھا تھا لیکن اس کی بیوہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ ''آثم حوالدار تھا جب اس کا

Marfat.com

کورٹ مارشل ہوا۔'' ۱۳۲؎

عبدالستار آثم ۱۳اپریل ۱۹۵۴ء کو ماڑی انڈس کے مقام پر کالے خان کے ہاں پیدا ہوا۔ آپ کے والدین ہجرت کر کے یہاں آ کر مقیم ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم ماڑی انڈس سے حاصل کی جبکہ میٹرک کا امتحان میانوالی سے پاس کیا۔ چندے بیکاری کے بعد فوج میں بھرتی ہو گیا۔ وہ ای ایم ای کے شعبہ میں تھا۔ حوالدار کے عہدے پر تھا کہ سعودی عرب عسکری خدمات کے سلسلے میں جانے کا موقع ملا۔ تین سال وہاں رہا۔ اسی دوران حج کی ادائیگی کا شرف بھی حاصل ہوا۔

عبدالستار آثم نے سکول کے زمانے سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ جب آپ فوج میں تھے تو عسکری اور ادبی رسائل میں اُن کی نگارشات شائع ہوتی رہتی تھیں۔ اسی دوران اُس کی منگنی ملتان کے ایک گھرانے میں اس کے والدین نے کر دی۔ سسرال نے یہ شرط رکھی کہ لڑکی بیاہ کر ماڑی انڈس نہیں جائے گی۔ لہٰذا آثم سرگودھا میں دلہن کو بیاہ کر لائے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔

''سعودی عرب سے واپسی پر یونٹ میں حالات بگڑ گئے اور کسی افسر سے جھگڑا کر بیٹھے جس بنا پر انہیں کورٹ مارشل کی سزا دی گئی۔ گھر آنے پر بحالی کی اگرچہ کوشش کی لیکن بے سود۔ اور یوں تقریباً ساڑھے تین سال بیکاری کے عالم میں رہ کر ۱۹۹۸ء میں وفات پائی۔'' ۱۳۳؎ آثم کی بیٹی نے انگریزی میں ایم اے کر رکھا ہے اور انگریزی میں وہ شعر کہہ کر والد کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کر رہی ہے۔ جبکہ اس کا بیٹا اپنا کاروبار کر رہا ہے۔

غزل

وہ لوگ جو چڑھتے رہے حالات کی سولی
کب ان کا مقدر تھی یہ صدمات کی سولی

وہ دیکھو فدا شمع پہ ہوتے ہیں پتنگے
اور شمع کی تقدیر ہے اک رات کی سولی

کس شان سے نکلا ہے محبت کا جنازہ
احباب نے دی ہے ہمیں بارات کی سولی

ہم کیسے یقیں ان کی وفاؤں کا دلائیں
ہر شخص ہمیں دیتا ہے آفات کی سولی

کہتے ہیں اسے لوگ تو اعجازِ محبت
ہے زیبِ گلو اُن کے حسیں ہاتھ کی سولی

Marfat.com

بے ربط سی رسموں میں گھرے اہلِ محبت
آثم بھی چڑھا اُن ہی خرافات کی سولی ۳۴؎

☆

عشق خانہ خراب لے ڈوبا — پیار کا ارتکاب لے ڈوبا
حسن کا ماہتاب لے ڈوبا — آپ کا یہ شباب لے ڈوبا
وقتِ رخصت وہ اعتراف جفا — قصہء لاجواب لے ڈوبا
زندگی اک حسین وادی تھی — خوفِ روزِ حساب لے ڈوبا
حق پرستوں کو آج آثم کیوں
نفرتوں کا عذاب لے ڈوبا ۳۵؎

مقصود احمد راہی

مقصود احمد نام اور راہی تخلص تھا۔ آپ ۳ مئی ۱۹۵۵ء ۳۶؎ کو جناب عبدالغنی کے ہاں سرگودھا شہر میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ خالقیہ ہائی سکول سرگودھا سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور محکمہ تعلیم میں ملازمت اختیار کر لی۔ ابھی میٹرک کا طالب علم تھا جب شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ تعلیم سے فارغ ہوتے ہی جناب حافظ محمد یوسف آزاد کی شاگردی اختیار کر لی۔ استاد سے رموز شاعری سیکھے اور اس قربت میں استاد کی طرح شاگرد کے اندر بھی موسیقی پنپنے لگی۔ شاعری اور موسیقیت ویسے بھی لازم وملزوم ہیں۔ لیکن کچھ بحریں ایسی ہوتی ہیں جو موسیقاروں کی من پسند ہوتی ہیں اور انہیں ہی وہ موسیقی کی ''سارے گاماپا'' پر پرکھتے ہیں۔

مقصود کو اللہ تعالیٰ نے ترنم بھی ودیعت فرمایا تھا۔ جس بنا پر سکول کے زمانے میں ہی آپ کے چاہنے والوں کا ایک حلقہ پیدا ہو گیا تھا۔ جب شعر کہنا شروع کیا تو کچھ عرصہ استاد کے ساتھ شعری محافل میں جاتے رہے لیکن ان کی وفات کے بعد یہ سلسلہ بہت کم کر دیا۔

Marfat.com

مقصود احمد راہی ایک دن دفتر میں کام کر رہے تھے کہ سر میں درد ہوا۔ شاید بلڈ پریشر بہت زیادہ بڑھ گیا تھا۔ جس سے دماغ کی شریان پھٹ گئی اور صرف ۴۵ سال کی عمر میں یہ ستارہ ۲۲ جون ۲۰۰۰ء کو ڈوب گیا۔[۲۳۷] آپ کو سرگودھا میں ہی دفن کیا گیا اور بعد میں آپ کی قبر پر یہ شعر کندہ کرا دیا گیا۔

میں مر چکا ہوں مگر رونے والی آنکھوں میں
عقیدتوں کا نشانِ سپاس کیسا ہے

پروفیسر ہارون الرشید تبسم لکھتے ہیں:

''ان کے شعروں میں پختگی بھی ہے اور روانی بھی۔ کرب والم کا اظہار بھی ہے اور ٹوٹنے بکھرنے اور بکھر کے سمٹنے کے جذبات بھی نمایاں ہیں۔ انہوں نے غم دوراں اور غم جاناں کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ معاشی حالات ان کی راہ میں حائل رہے۔ پریشانیوں نے ان کا راستہ روکا۔ حساس شخصیت ہونے کی وجہ سے مقصود احمد راہی نے زندگی کے تمام دکھ اپنی ذات میں سمیٹ لئے۔''[۲۳۸]

غزل

مقام آہ و فغاں سے گزر گیا ہوں میں
تری طلب میں کہاں سے گزر گیا ہوں میں

ہر ایک سمت سے اٹھتی ہیں انگلیاں مجھ پر
کبھی جو کوئے بتاں سے گزر گیا ہوں میں

بچھڑتے وقت سے اب تک نہ تم نے یاد کیا
یہ لگ رہا ہے جہاں سے گزر گیا ہوں میں

اڑی ہے راکھ ہر اک سمت آشیانے کی
نگاہِ برق تپاں سے گزر گیا ہوں میں

شب فراق بھی روئی ہے سسکیاں لے کر
کبھی جو دردِ نہاں سے گزر گیا ہوں میں

ہر ایک عضو بدن یوں ہے مضمحل راہی
کہ جیسے عہد جواں سے گزر گیا ہوں میں[۲۳۹]

☆

Marfat.com

سورج، زمین، چاند، ستارے بدل گئے
بدلی تری نگاہ تو سارے بدل گئے
طوفاں کی سمت موج کے دھارے بدل گئے
کشتی کے ڈوبتے ہی کنارے بدل گئے
بھڑکی کچھ اس طرح سے مرے آشیاں میں آگ
تنکے جو تھے وہ راکھ میں سارے بدل گئے
نکلا تھا آب و تاب سے کل چودھویں کا چاند
بکھری جو تیری زلف، نظارے بدل گئے
بیٹھے تھے بزم غیر میں، جب میں نظر پڑا
پہلو وہ اپنا شرم کے مارے بدل گئے
اے راہیؔ سخت وقت میں نظریں چرا گئے
وہ لوگ جو تھے جان سے پیارے بدل گئے ۶۴۰

صلاح الدین ساجد

صلاح الدین نام اور ساجد تخلص ہے۔ آپ ۱۹۵۷ء میں انصاری قوم کے جناب نسیم الدین کے ہاں پھلروان میں پیدا ہوئے۔ پھلروان میں ہی تعلیم حاصل کی۔ گورنمنٹ ہائی سکول پھلروان نے اپنے طالب علموں کی علمی اور ادبی دونوں طرح کی تربیت کی ہے۔ صلاح الدین نے بھی اگرچہ ادبی تربیت حاصل کی لیکن ادبی سفر کا آغاز بڑی خاموشی سے کیا۔ اور پھر اسی خاموشی اور گمنامی سے چلتے رہے۔

پہلی بار ''سخن آثار'' کی ترتیب میں ان کی دو غزلیں اور ایک نظم شائع ہوئی تو یہی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ شاید کل کلام یہی ہے۔ شاید تلاش یا انتخاب میں کوئی کمی رہ گئی ہوگی۔ لیکن جب افضل

Marfat.com

گوہران کا ایک مسودہ میرے پاس دیباچے کے لئے لائے تو کلام پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ جس میں میں نے تحریر کیا تھا کہ:

''ریت کی دیوار'' استعاراتی موت کا ہے۔ ریت کی دیوار جب کھڑی ہوتی ہے۔ تو بس...... ''اساری'' اور گری۔ بس اتنی ہی زندگی ہے جس کے پیچھے موت رواں ہے اور موت کا یہ استعارا صلاح الدین کی شاعری میں بہت استعمال ہوا ہے۔ پھر یوں لگتا ہے وہ زندگی سے زیادہ موت کو یاد کرتا تھا۔ ''ریت کی دیوار'' میں موت کے حوالے سے اتنے اشعار ہیں کہ باقی موضوعات اس میں دب کر رہ گئے ہیں اور یہ مومن کی پہچان ہے کہ وہ موت کو یاد رکھتا ہے۔

ساجد نے زندگی کو موت کے سہارے یا موت کے لئے ہی بسر کیا ہے اور جہاں غمِ زمانہ غمِ جاناں، غمِ دل اور غمِ جاں وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے۔ وہاں ان سب غموں سے چھٹکارا اور ان کا انت صرف موت کو ہی قرار نہیں دیا سمجھا بھی ہے اور عمل بھی کیا ہے۔ اس نے موت کو بھی ''دکھ دکھ'' پہلوؤں اور زاویوں سے دیکھا ہے۔

دل برباد ساری رونقیں برباد نہ کر دے
تمہاری انجمن سے اب مرا اٹھ جانا بہتر ہے
ہمارے رتجگے اے دوستو اب ختم ہوتے ہیں
کہ بوجھل ہو گئیں آنکھیں ہمیں اب نیند آتی ہے[۱۴۱]

صلاح الدین ساجد نے ابھی زندگی کو پوری طرح دیکھا اور پرکھا بھی نہیں تھا کہ فرشتہ اجل نے آن کر سانس کا سلسلہ ختم کر دیا۔ اور یہ سب کچھ ''۱۹ اکتوبر ۲۰۰۱ء بروز جمعہ''[۱۴۲] کو ہوا۔ پھلر وان ضلع سرگودھا ہی آپ کی آخری آرام گاہ بنی۔

Marfat.com

نوٹ: ۲۰۰۸ء میں صلاح الدین ساجد کا شعری مجموعہ ''ریت کی دیوار'' کی بجائے ''عجلت'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ جس میں راقم کے لکھے ہوئے پیش لفظ میں سے مندرجہ بالا پیرا جو ''ریت کی دیوار'' کے حوالے سے ہے نکال دیا گیا ہے۔ نیز ''کہیں تم میکدے کا یہ سماں تبدیل کر لیتے'' غزل بھی ''عجلت'' میں شامل نہیں ہے۔

غزل

ارادہ پھر تو ہم پیرِ مغاں تبدیل کر لیتے ۔۔۔ کہیں تم مے کدے کا یہ سماں تبدیل کر لیتے
ستارے چاند سورج آسماں تبدیل کر لیتے ۔۔۔ زمانے کا گلہ کرتے ہیں جو اُن سے مخاطب ہوں
خزاں آنے سے پہلے آشیاں تبدیل کر لیتے ۔۔۔ بہاروں کے ہی شیدائی اگر ہوتے تو ہم شاید
وگرنہ ہم یہ اندازِ فغاں تبدیل کر لیتے ۔۔۔ خموشی بھی تو اک انداز ہے اپنا، شکایت کا
نہ کرتے ہم یہ احساں تم بیاں تبدیل کر لیتے ۔۔۔ نہیں میں نے کیا یہ جرم یارو پُر یقیں تم تھے
سرِ محفل یہ انداز بیاں تبدیل کر لیتے ۔۔۔ جو کہنا تھا وہ سب کچھ کہہ لیا ہوتا مگر ساجدؔ

یہ کم ہمت ہیں ساجد یہ پلٹ آئیں گے رستے سے
خبر ہوتی تو ہم بھی کارواں تبدیل کر لیتے! ۱۹۸۳ء

☆

ورنہ کس دن یہ بتا تیرے لئے دھڑکا نہ دل ۔۔۔ تیری رسوائی نہ ہو، اس خوف سے تڑپا نہ دل
لاکھ سمجھاتا رہا لیکن کبھی سمجھا نہ دل ۔۔۔ دار تک لے جائے نہ تجھ کو تری دیوانگی
آج تک حیران ہوں مجھ سے کبھی روٹھا نہ دل ۔۔۔ جب میں روٹھا پیار سے دل نے منایا اس گھڑی
آ گیا میں تیری محفل میں مگر آیا نہ دل ۔۔۔ لاکھ دل کی منتیں کیں آج میرے ساتھ چل

دیکھ ساجدؔ زندگی بھر تجھ کو تڑپائے گا یہ
مجھ کو تم دفنا چلے کیوں میرا دفنایا نہ دل ۱۹۸۵ء

☆

Marfat.com

منیر ایاز

نام محمد منیر اور ایاز تخلص ہے۔ آپ ۱۱ اپریل ۱۹۶۱ء کو خوشاب شہر میں محمد نذیر کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ نے ۱۹۷۶ء میں گورنمنٹ ہائی سکول خوشاب سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ گورنمنٹ کالج جوہر آباد سے گریجوایشن کی ڈگری لی۔ کالج کے دوران ساحر کی نظم ''خودکشی سے پہلے'' پڑھی جو آپ کو شاعری کی طرف لانے کا سبب بنی۔ اس نظم نے آپ کے اندر کے شاعر کو جہاں جگایا وہاں ایک اتھل پتھل بھی کر دی اور جب تک آپ باوا طاہر شاہ کی بیعت نہ ہوئے اس کے حصار میں رہے۔ باوا طاہر شاہ کے بیعت کے بعد آپ ایک اور توڑ پھوڑ کے عمل سے گزرے اور پھر حالات آپ کو ایسی ڈگر پر لے گئے کہ منیر ایاز کو دیکھ کر رشک آتا تھا۔

منیر ایاز بزم فکروفن کے بانی ممبران میں سے تھے اور پنجابی ادبی سنگت سے بھی آپ کا ناطہ رہا۔ چونکہ آپ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ اس لئے ان دونوں تنظیموں کے اجلاس اور محافل میں شرکت کرتے۔ پھر تصوف کی سمت کا اُن کا یہ سفر انہیں سماجیات اور جمالیات کے ماضی سے تھوڑا دور لے گیا۔ انہوں نے مجاز سے حقیقت کا سفر شروع کیا اور یہ سفر ابھی جاری ہی تھا کہ رمضان المبارک ۲۰۰۸ء میں آپ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اُن کے پرانے کلام میں سے اسلوب نگارش ملاحظہ ہو۔

غزل

مجھ کو اس دور نے اک دخترِ عریاں بخشی — فاقہ مستی بھی سرِ شام کو مہماں بخشی
تم جہانگیر ہوئے بھی تو ہمیں کچھ نہ ملا — ہم فقیروں نے تمہیں مسندِ شاہاں بخشی
ہائے مجبور تماشا کا تماشا لوگو — اس نے لاچاری بھی بخشی تو نمایاں بخشی
مجھ کو آرائشِ گلشن پہ بھی مامور کیا — اور پھر ڈھلتی ہوئی عمرِ گریزاں بخشی

مجھ سے ایاز کو پجوایا ہے کالا پتھر
بے یقینی بھی مجھے آپ نے یزداں بخشی ۲۳۶

Marfat.com

☆

مجھ کو خدا کی بن کے پہچان مل گیا ہے
دل کی حویلیوں کو مہمان مل گیا ہے

فن کی اجودھیا میں روشن ہے دیپ مالا
شاید مکینِ دل کو بھگوان مل گیا ہے

حسنِ خدا رسیدہ تیرے ہی چھچوں سے
میری سماعتوں کو ایمان مل گیا ہے

اے دل خموش ہو جا گستاخیاں نہ کر تو
کرنے دے مجھ کو سجدے یزداں مل گیا ہے

دشتِ جنوں میں آ کر عقل رسا یہ بولی
مجھ کو قسم خدا کی عرفان مل گیا ہے

ایاز چھوڑ جینا مرنے کی جستجو کر
لوگوں کو زندگی کا سامان مل گیا ہے [۲۴۷]

عمر دراز ساجد

خاندانی نام عمر دراز اور تخلص ساجد ہے۔ آپ ۳ اگست ۱۹۶۱ء [۲۴۸] کو پدھراڑ تحصیل خوشاب ضلع سرگودھا میں خدمت علی کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کے تعلیمی ریکارڈ کے بارے محسن عباس کا کہنا ہے:

> ''۱۹۷۸ء میں میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول نکڑوال ضلع میانوالی سے پاس کیا۔ ۱۹۹۲ء میں نجی حیثیت سے ایف اے اور ۱۹۹۸ء میں نجی حیثیت سے پنجاب یونیورسٹی سے بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔'' [۲۴۹]

عمر دراز ساجد نے میٹرک کرنے کے بعد پنجاب پراونشل کوآپریٹو بینک میں ملازمت اختیار کر لی اور عمر کا زیادہ حصہ منڈی بہاؤالدین میں گزار دیا۔ بینک کی مصروفیات بھی عجیب ہوتی ہیں۔ صبح سے شام تک ہندسوں کا کھیل۔ اس سے وقت نکال کر ادب کے لئے کچھ مختص کرنا بڑی بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عمر دراز ساجد نے بہت کم لکھا۔ یہ تو خوشاب کا سالانہ مشاعرہ یا کبھی کبھی دوستوں سے ملاقات تھی جو اسے تحریک دیتے رہے وگرنہ وہ کب کا شعر و سخن کی دنیا سے کٹ گیا ہوتا۔

Marfat.com

عمر دراز ساجد نے جو کچھ لکھا اس میں فکری اور فنی پختگی تو بہر حال ہے ہی لیکن اس کی فکر کے بارے بدر منیر کا خیال ہے کہ:

''عمر دراز کے ہاں سماجی ناہمواریوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی گھٹن کا ردِعمل بڑا بھرپور ہے۔ آج کے فرد اور معاشرے کا کرب کسی بھی صاحب دل انسان کے لئے بلاشبہ ایک تکلیف دہ امر ہے۔ عمر دراز بھی ایک متحرک، حساس اور باشعور تخلیق کار کے طور پر اپنے فریضۂ سخن کی تقدیس کا پوری طرح ادراک رکھتے ہوئے زندگی کے سماجی اور نفسیاتی حقائق کی عکاسی احسن انداز سے کرتے ہیں۔ انسان کے داخل میں ہونے والی ٹوٹ پھوٹ، دم توڑتی اخلاقی اقدار اور روز مرہ زندگی کے دیگر المیوں کو انہوں نے جس طرح اپنے انفرادی محسوسات سے ہم آہنگ کیا ہے، وہ قابل غور ہے۔'' ۲۵۰

اور پھر اسی ٹوٹ پھوٹ نے ایک دن انہیں بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا اور وہ ۳ جولائی ۲۰۱۱ء کو منڈی بہاؤالدین میں ملازمت کے دوران ہی اس دنیا سے ناطہ توڑ گئے۔ آپ کی تدفین آپ کے گاؤں پدھراڑ میں کی گئی۔

غزل

جو روح بن کے زیست کے دیوار و در میں تھا
آسیب تھا وہ جسم کے سونے کھنڈے میں تھا
اک موج درد تھی مرے سینے میں موجزن
اس کا خیال سوچ کے گہرے بھنور میں تھا
شب بھر، گئے دنوں کی صدا گونجتی رہی
اک ٹوٹتا سا عکس مری چشمِ تر میں تھا
اس سے نظر ملا کے ہوائیں پلٹ گئیں

Marfat.com

کچھ ایسا حوصلہ ابھی بوڑھے شجر میں تھا
اس محوِ رقص مور کی آنکھوں میں اشک تھے
کیا آگہی کا زہر بھی اس جانور میں تھا
ساجد مرے جنوں سے بھی وہ طے نہ ہو سکا
اک مرحلہ جو شوق کے اندھے سفر میں تھا ۱۵۱

☆

بچھڑ کے یاد نہیں کتنے ماہ و سال ہوئے ۔۔۔ سیاہ لے کے چلے تھے سفید بال ہوئے
ہم اپنا آپ کہیں راستے میں چھوڑ آئے ۔۔۔ ترے خیال میں ہم کتنے بے خیال ہوئے
ترے ہی فیض سے پہنچے عروجِ زعم تلک ۔۔۔ ترے کرم ہی سے ہم صاحب زوال ہوئے
روش روش پہ ہمیں روشنی نے بھٹکایا ۔۔۔ قدم قدم پہ اندھیروں سے مالا مال ہوئے
سکت نہیں تھی ترا ہاتھ تھام لینے کی ۔۔۔ سفر سے لوٹے تو ہم اس قدر نڈھال ہوئے
تری تلاش میں بے چہرہ ہو گئے ساجد
کہ صرف تیرے ہی رستے میں خدوخال ہوئے ۱۵۲

یوسف خورشید

زندگی نے کب کسی کا ساتھ دیا ہے۔ ایک وقت وہ ضرور آتا ہے جب موت غلبہ پالیتی ہے۔ میں سوچتا ہوں ایک آدمی ایک عرصے سے دل کا مریض چلا آرہا ہے۔ مکمل علاج کے بعد اللہ تعالیٰ اسے صحت عطا فرماتا ہے۔ ڈاکٹر مشورہ دیتا ہے کبھی کبھی چیک اپ ضروری ہے۔ ایک دن وہ شخص ڈاکٹر کے پاس پہنچتا ہے۔ صبح کا وقت ہے۔ ڈاکٹر اسے چیک کرنے کے بعد کہتا ہے:

''ماشاءاللہ اب آپ مکمل صحت یاب ہیں۔ کوئی ایسا مسئلہ نہیں۔''

وہ شخص ہسپتال سے باہر نکلتا ہے۔ کار کا دروازہ کھول کر بیٹھنے لگتا ہے کہ موت کا فرشتہ پہنچ کر

Marfat.com

امانت وصول کر لیتا ہے اور وہ امانت جس کے بارے ہر مسلمان کو یقین ہے کہ:

''اس کی طرف سے آئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

ہے نا عجیب بات! لیکن زندگی اور موت کے کھیل میں کچھ عجب نہیں۔ موت نے آنا ہے۔ اس کا وقت مقرر ہے۔ اور یہ وقت ۳۱ مارچ ۲۰۰۷ء کا یوسف خورشید کیلئے مقرر تھا۔ ڈاکٹر جو بھی کر لیتا موت کو روک نہیں سکتا تھا اور بیماری صحت میں بدل جانے کے بعد بھی یہ تو ہونا ہی تھا۔ وہ شخص اردو کا شاعر، ضلع سرگودھا کے گاؤں شریفہ کا باسی محمد یوسف المعروف ''یوسف خورشید یکم جنوری ۱۹۶۴ء کو اسی گاؤں شریفہ میں پیدا ہوا تھا۔'' ۶۵۳ راقم کی اس سے پہلی ملاقات ۱۹۸۴ء کے ایک مشاعرہ میں ہوئی۔ اس نے ابھی نیا نیا شعر کہنا شروع کیا تھا اور ان دنوں شاید خوشاب میں مقیم تھا۔ کیونکہ غزل سے پہلے جو شعر اس نے پڑھا تھا مجھے آج بھی یاد ہے ۔

دیکھو تمہارے واسطے ستا گیا ہوں میں ورنہ خوشاب شہر سے اکتا گیا ہوں میں

شاید اس کے ستانے کا مقصد تعلیم کی تکمیل تھی۔ گورنمنٹ کالج جوہر آباد میں وہ بی۔ اے کا طالب علم تھا۔ ۱۹۸۳ء میں کالج کے دور طالب علمی میں ہی اسے شعر کہنے کا شوق پیدا ہوا۔ کالج کے مجلّہ ''جوہر'' نے اس کی صلاحیتوں کو ابھارا۔ جس کے ادارتی حلقہ میں بھی وہ شامل رہا۔ مزید یہ ہے کہ آپ کو یہ شوق اپنے خاندان کے دیگر افراد ''خورشید گوہر قلم، ڈاکٹر شعیب احمد اور ڈاکٹر معین نظامی وغیرہ سے ملا تھا جبکہ پروفیسر شعیب اور پروفیسر ڈاکٹر معین نظامی نے اسے Polish کیا۔ اور یوسف خورشید بھی ان کی شاگردی پر نازاں تھا۔'' ۶۵۴

یوسف خورشید نے بی۔ اے کرنے کے بعد اپنا ذاتی کاروبار شروع کیا اور اپنی درویشی و عاجزی کو برقرار رکھتے ہوئے اس میں کامیاب رہا۔ آپ میں اگرچہ گوندلوں والا رکھ رکھاؤ اور اپنے والا مولا بخش گوندل والا ایک دبدبہ سا تھا لیکن دوستوں اور احباب کے ساتھ آپ کا رویہ اتنا عاجزانہ اور مخلصانہ ہوتا کہ رشک آنے لگتا تھا۔ جب تک وہ تعلیم حاصل کرتا رہا خواہ دھریمہ ہو یا جوہر آباد اس میں وہ رگ موجود رہی۔ جو وراثتاً چلی آ رہی تھی۔ آپ کا خاندان چونکہ علم و فضل میں بھی نمایاں تھا تو

Marfat.com

ان اثرات کا اس میں در آنا بھی کوئی عجیب بات نہیں۔ اور یہ دل کا درد بھی انہیں والد کی طرف سے حصے میں ملا تھا۔ کیونکہ ان کے والد بھی دل کے دورے سے اللہ کو پیارے ہوئے تھے۔ پھر بھائی کی وفات نے اس کے اندر بھی ایک آگ جلا دی۔ یوسف خورشید شاعری کے ساتھ ساتھ کالم بھی لکھنے لگا۔ بہت سے رسائل میں اس کی نثر اور نظم شائع ہونے لگی۔ شاید یہی اس کا وہ Turn تھا جس میں ہم نے اسے دیکھا۔ اور ۲۰۰۲ء میں ''آئینوں کے اپنے دکھ'' اس کا شعری مجموعہ شائع ہوا۔ وہ واقعی ایک آئینہ تھا اور اس کے اپنے دکھ تھے جنہیں وہ جھیل بھی رہا تھا اور ان میں آہستہ آہستہ ڈھل بھی رہا تھا۔ اوپر سے مسکرا کر ملنے والا اندر سے شاید ٹوٹ چکا تھا اور پھر وہ لمحہ آ گیا جو ہر ذی نفس پر آتا ہے۔ خورشید عالم گوہر قلم کا کہنا ہے:

> ''یوسف خورشید زندگی کا ایک ایسا ورق ہے کہ جس سے کسی طور انکار نہیں ہو سکتا۔ اس نے زندگی میں جو سختیاں برداشت کیں وہ شاید اس کی تربیت کیلئے ضروری تھیں۔ کیونکہ ریگستان میں کھلنے والا پھول بہرحال دوسرے پھولوں کی نسبت زیادہ تحسین کا مستحق ہوتا ہے۔
>
> یوسف خورشید کا رواں انداز، سادگی کے ساتھ بے پناہ جذبے کا ظہار اور بناوٹ کے بغیر حقیقت کا اعتراف اس کی شاعری کے نمایاں پہلو ہیں۔'' ۲۵۵

برف لوگوں نے جو ہاتھوں پہ اٹھائے سورج	پھر بہت دور سمندر نے چھپائے سورج
اس نے اک بار کیا تھا جو اندھیروں کا گلا	ہم نے تا عمر پھر آنگن میں اگائے سورج
لوگ کہتے ہیں کہ تب حبس بہت ہوتا ہے	جب بھی ساحل پہ سرِ شام نہائے سورج
ہم کو پھر بھول گئے اپنے ہی گھر کے رستے	جب سے اس چاند نے آنکھوں میں سجائے سورج

صفحہ خاک پہ کل میں نے اندھیرا لکھا
اس نے پھر میری ہتھیلی پہ بنائے سورج ۲۵۶

☆

Marfat.com

منزل نہ کوئی دوستو رستہ دکھائی دے — رہبر بھی آج تو مجھے اندھا دکھائی دے
ضد ہے کہ چاند روشنی بانٹے نہ شہر میں — اور یہ بھی شوق ہے کہ وہ پورا دکھائی دے
حالانکہ ایک پیار کا دریا تھا چار سو — لیکن حدِ نگاہ پہ صحرا دکھائی دے
اس نے تعلقات کو دی ہے نئی روش — ہر شخص اب تو شہر میں اس کا دکھائی دے
دل کے مکان میں کوئی ٹھہرا تھا عمر سے — آنسو کے روپ میں کوئی بہتا دکھائی دے
کاجل ہے اور آنکھ میں کچھ رتجگا بھی ہے — آنچل بھی اس کا بیچ پہ بھیگا دکھائی دے
خود ہی تو ترکِ دوستی کا فیصلہ کیا — کیوں اشک تیری آنکھ میں ڈھلتا دکھائی دے

یوسف غزل کو ہیر کے سانچے میں ڈھال دو
اس کو ہر ایک شعر میں رانجھا دکھائی دے ۱۵۷

سید معرفت ہمدانی

جواں مرگ سید معرفت ہمدانی کا اصل نام سید ادریس احمد شاہ ہمدانی اور آپ کے والد کا نام سید عبدالعزیز شاہ ہمدانی تھا۔ "آپ ۱۹۶۴ء میں موضع لکھی وال تحصیل ساہیوال ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔" ۱۵۸ آپ کا خاندان مذہبی، ادبی اور علمی تھا۔ یہاں سے اس لئے نہیں لکھا کہ اب اس گھرانے کے حالات علمی و ادبی نہیں رہے۔ صرف دور کے رشتہ دار سید احمد سعید ہمدانی علم و ادب میں اپنا ایک نام لئے پھر رہے ہیں۔ آپ اپنی ایک تحریر میں لکھتے ہیں:

"آپ کو تجسس اور حیرانی ہوگی کہ میں بارہ یا تیرہ برس کی عمر میں محنت مزدوری کی خاطر کراچی گیا۔ ۱۹۶۵ء میں پیدا ہوا تھا۔ کراچی میں نہ کوئی ہمارا سرپرست تھا نہ کوئی رشتہ دار اور نہ کوئی ہمدرد۔ جب ہم سات برس کے تھے تو والدہ وفات پا گئیں اور پندرہ یا چودہ برس کی عمر میں والد بزرگوار دنیا سے اٹھ گئے اور ہم سایہ پدری سے محروم ہو گئے۔ بچپن اورنگی ٹاؤن سیکٹر نمبر ۱۲

Marfat.com

میں گزارا۔"۱۵۹

دراصل معرفت ہمدانی مکمل طور پر اپنی شخصیت کو بنانے میں اپنی ذات کے زیرِ اثر تھا۔ اگرچہ مجھے انہوں نے بتایا تھا کہ میں ۹ جماعت تک پڑھا ہوں لیکن اس میں بھی حقیقت نہیں۔ اس نے بہت کم تعلیم حاصل کی تھی۔ ساری زندگی محنت مزدوری کی لیکن مطالعہ اس کا بہت وسیع تھا۔ سنِ ولادت کے بارے میں بھی ان کی دورائیں شاید اسی باعث ہوں کہ محنت مزدوری نے انہیں اس طرف سوچنے کا موقع ہی نہ دیا ہو۔ البتہ علم کی اس کمی کو پورا کرنے اور پیاس بجھانے کیلئے ہزاروں کتابیں مختلف علوم پر پڑھ ڈالیں۔ ان کی کتابوں کی ذاتی Collection بھی عمدہ اور ہزاروں میں تھی۔

سید معرفت ہمدانی کراچی سے آنے کے بعد حاصل پور، بہاولنگر اور ساہیوال (سرگودھا) میں اپنا کاروبار کرتا رہا اور بالآخر سرگودھا منتقل ہو گیا۔ اس کے اندر ایک ادبی ہلچل موجود تھی لیکن تنہا روی اور کوئی احساس اسے لوگوں سے ملنے میں مانع تھا۔ وہ خاموشی سے شعر کہتا اور پھاڑتا رہا۔ وہ شعر سننے سنانے کا بھی شوقین نہیں تھا۔ باتیں کرنے کا بھی اسے کوئی شوق نہیں تھا البتہ باتیں سنتا بڑے غور سے تھا اور اچھی بات پلے باندھ لیتا تھا یعنی تمام عمر طالب علمی میں گزارتا رہا۔ اور کبھی کبھار ریڈیو پر کوئی فرمائش بھیج دیتا یا کوئی غزل کسی کی پڑھ کر پسند آتی تو خط لکھ دیتا۔ اسی طرح نذیر اے قمر سے اس کا رابطہ ہوا۔ نذیر اے قمر سپین میں مقیم ہے۔ دونوں نے مل کر سرگودھا سے "دریچہ انٹرنیشنل" کے نام سے ایک ادبی جریدہ جاری کیا۔ اس پرچے پر معرفت ہمدانی نے بہت محنت کی۔ اور اسے معیاری حوالے سے واقعی بین الاقوامی بنا دیا۔ پہلے شمارے کی اشاعت کے ساتھ ہی ان کا اپنا شعری مجموعہ "میری شرط محبت ہے" بھی شائع ہوا تو لوگوں کو ان کے شاعر ہونے کا علم ہوا۔

"میری شرط محبت ہے" میں انہوں نے کئی شاعرانہ پیش گوئیاں بھی کیں۔ جس میں سے ایک ان کی موت کی بھی ہے۔ اگرچہ موت سے مفر نہیں لیکن جب اسے زیادہ یاد کیا جائے تو مطلب کچھ اور ہی اخذ کیا جاتا ہے۔

معرفت ہمدانی دوستوں کا دوست تھا اور خاموشی سے دوستی نبھانے کو عبادت سمجھتا تھا۔

Marfat.com

معرفت کی زندگی کے آخری پانچ دن میری اس سے زیادہ ملاقاتیں رہیں۔ کیا پتہ تھا کہ یہ خلوص و محبت کا پیکر اپنے دکھوں میں اندر ہی اندر گھلتا ہوا ۱۵ جون ۲۰۰۷ء کی شب کو ہمیں یوں ہی ایک نئے دکھ سے آشنا کر کے چلا جائے گا۔

معرفت ہمدانی چونکہ گھر میں اپنے معذور بھائی کے ساتھ اکیلا رہتا تھا۔ اس کا بھائی بولتا نہیں تھا مکمل خاموشی کی زندگی گزار رہا تھا۔ اس لئے رات وفات کے بعد جو سب سے پہلی اطلاع تھی وہ اس کے پڑوسیوں نے مجھے دی۔ اور میں نے رات بارہ ایک بجے تک مختلف دوستوں کو اس سانحہ سے آگاہ کر دیا۔ دوسرے دن صبح ان کی میت آبائی گاؤں لکھیوال لے جا کر اپنے والد کے نزدیک دفن کی گئی۔

''میری شرط محبت ہے'' کے علاوہ معرفت ہمدانی نے ''دریچہ انٹرنیشنل'' کا ماں نمبر جس خوبصورتی اور محنت سے ترتیب دیا تھا۔ وہ بھی قابل تحسین اور ایک دستاویز ہے۔ اسی طرح جب ۲۰۰۵ء میں زلزلہ آیا تو اس شمارے میں اس حوالے سے بہت سا مواد جمع کرنا اس کے اندر کے انسان کو سمجھنے کے لئے خاصی معاونت دیتا ہے۔

''دریچہ انٹرنیشنل'' معرفت ہمدانی کی وفات کے بعد اسد اعوان (ساہیوال) کے پاس چلا گیا۔ جس نے دوسرا شمارہ ''معرفت ہمدانی نمبر'' نکال کر اپنی محبتوں اور نذیرائے قمر کی دوستی کی لاج رکھ لی۔

راقم (شاکر کنڈان) نے ''میری شرط محبت ہے'' کے پیش لفظ میں اس کی فکری پرواز کے بارے یہ الفاظ تحریر کئے تھے:

> ''آج ''میری شرط محبت ہے'' کا مسودہ پڑھتے ہوئے معرفت پر قدوسی طاقت کے اثرات کا مجھے بھرپور ادراک ہوا۔ اور میں اس کی جبلت کی لطافت اور فکر کی پرواز سے آشنا ہوا۔ وہ جب کہتا ہے ۔
>
> اس اجالے کے بعد کیا ہو گا ۔۔۔ یہ اجالا جو تیرگی سا ہے
>
> تو اس کے فکر کی پرواز نہ جانے کس عالم کے افق پر ہوتی ہے۔ حال کو وہ بڑی

Marfat.com

باریکی سے دیکھنے کے بعد مستقبل کے اندھیروں میں جھانک رہا ہوتا ہے۔ جسے
ہم اجالے سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس میں کتنی سیاہی ہے اور اس کے بعد مزید
جس سیاہی نے ہمیں حصار میں لینا ہے معرفت ان لمحوں کی سوچ رکھتا ہے۔'' ۶۶۰
معرفت نے شاعری میں غزل، نظم اور ماہیا کی اصناف کو برتا ہے۔ افسوس کہ ''میری شرط محبت ہے'' کے بعد کی شاعری یا اس میں سے بچی ہوئی شاعری کا نجانے کیا ہوا۔ کیونکہ بچے بہت چھوٹے ہیں۔ اور بھائی اس قابل نہیں کہ سنبھال سکیں۔

غزل

یہی وقت ہے مانگ لو ہم سے اب کچھ　　محبت میں ہم بھول جائیں گے سب کچھ
چمن میں اسے روبرو گل کے دیکھا　　حسیں لگ رہا تھا وہاں پر عجب دیکھا
چلو بھیک ہی مانگ کر دیکھتے ہیں　　عطا وہ جو کرتا نہیں بے طلب کچھ
نہیں صرف تارے ہی ٹوٹے فلک سے　　زمیں پر بھی دیکھے گئے جاں بلب کچھ
یہی اک سبب ہے تجھے چاہنے کا　　تجھے چاہنے کا نہیں ہے سبب کچھ
لو پھر بج اٹھیں گھنٹیاں دھڑکنوں کی
مجھے اس نے شاید کہا زیر لب کچھ ۶۶۱

☆

ہر وقت ذہن میں جو یہ مرنے کا ڈر رہے　　بہتر ہے اس عذاب سے انسان مر رہے
یہ بھی مرے نصیب کی تاثیر سے ہوا　　اشجار میرے کھیت کے جو بے ثمر رہے
کوئی عطا کرے مجھے اشکوں کا سلسلہ　　تنہائیوں کی دھوپ میں دامن تو تر رہے
جن کو زمین پر کوئی منزل نہ مل سکی　　بالائے آسمان بھی وہ دربدر رہے
میرا کہا تو ایک بھی مانا نہیں گیا
لیکن انگشت غیر پر وہ ناچ کر رہے ۶۶۲

Marfat.com

عامر انصاری

''عامر انصاری کا خاندانی نام شجاع الدین تھا۔ آپ ۴ اپریل ۱۹۶۴ء کو پھلروان ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔'' ۶۶۳ آپ کے بڑے بھائی اصلاح الدین ساجد بھی شعر کہتے تھے لیکن وہ کبھی سامنے نہ آئے اور گمنامی میں رہے۔ آپ کے والد کا نام نسیم الدین انصاری تھا۔

عامر انصاری نے میٹرک تک تعلیم پھلروان سے حاصل کی۔ بعد ازاں سرگودھا سے ڈی کام کی ڈگری لی۔ جب میٹرک کے طالب علم تھے تو شاعری کے میدان میں قدم رکھا۔ چونکہ شوکت راز بھی اسی سکول میں تدریسی شعبے سے وابستہ تھے۔ عامر نے ان سے شاعری کے اصول سیکھنے کے لئے شاگردی اختیار کی۔ ڈی کام کے بعد جب واپس پھلروان میں فراغت سے وقت گزارنے کا موقع ملا تو مجلس فکر و شعور اور تنویر ادب پھلروان کی تنظیموں سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۹۸۸ء میں عامر اکیڈمی کے نام سے اپنی ایک ادبی تنظیم بنائی۔ اس تنظیم نے اگرچہ ادب کے فروغ کے لئے کوئی زیادہ کام نہیں کیا لیکن عامر کی ساری کتابیں اسی تنظیم کے تحت شائع ہوئیں۔ عامر انصاری کی جو تصانیف شائع ہوئیں ان کے نام ہیں:

(۱) دراڑیں (۲) انگور میٹھے ہیں (۳) خیالوں کا سفر (۴) زرد آدمی

(۵) بجھتے دیپ (۶) جدائی

جو شعری مجموعے تشنہ اشاعت رہے ان کے نام ہیں:

''عکس''۔ ''سناٹا''۔ ''شیشہ اور میں''۔ ''صدیوں کا سفر''۔ ''رات کے مسافر''۔ ''یہ شیشہ ٹوٹ جاتا ہے'' ۶۶۴

عامر انصاری کے خاندان میں ہیپاٹائٹس کا موذی مرض کئی جانیں لے چکا ہے اور اسی بیماری میں عامر نے بھی ۸ ستمبر ۲۰۰۴ء ۶۶۵ کو پھلروان میں ہی وفات پائی۔

عامر انصاری نے غزل اور قطعات میں اپنا بہت سا کلام چھوڑا اور ان میں تجربات سے

Marfat.com

بھی گزرے۔ خاص طور پر غزل میں طویل بحر کو بھی اپنایا۔ نظم بھی کہی۔ اور پوری شاعری میں اپنی ذات کا عکس چھوڑ گئے۔

جو سب سے پہلے گرے گی مری سواری ہے — کہ قتلِ عام میں اس بار میری باری ہے
ہزاروں پھانسیاں دیں جس نے بے گناہوں کو — اسی جلاد نے گردن مری اتاری ہے
وہ بدلا لے رہا ہے اپنی آپ بیتی کا — جو کل شکار تھا خود آج وہ شکاری ہے
جو اپنی چھاؤں میں سب کو بٹھایا کرتا تھا — اُس درخت کے سینے پہ آج آری ہے
کیا ہے اس قدر حالت نے ہمیں لاغر — بدن پر اپنے ہی سر کا وزن ہی بھاری ہے

دکھوں کی کھیتیاں پکتی ہیں اس سے عامر آج
مری زمیں پہ جو ہر سمت اشک باری ہے

☆

الاؤ بڑھ گیا انسان جلنے والا ہے — زمین کی کوکھ سے لاوا ابلنے والا ہے
لہو سے کھیلتی ہے پھر جنوں کی کٹ پتلی — لہو میں کس کا بدن پھر اترنے والا ہے
چلو اب اور کہیں دیکھیں بے کفن لاشے — فصیلِ شہر کا منظر اجڑنے والا ہے
ہر ایک سمت ہیں پانی میں ماتمی چیخیں — سمندر آج کسی کو نگلنے والا ہے
وہ خود کو لائے گا خیرالبشرؐ کے سائے میں — وہ روز و شب کے قلق سے نکلنے والا ہے

بچا لو جسم کو شعلے گریں گے عامر اب
شبیہِ وقت کا سورج پگھلنے والا ہے ۶۶۲

شاہد راہی

شاہد راہی کے بارے میں لکھتے ہوئے مجھے سبطِ الم کی یاد آگئی۔ انہوں نے پبلشر کو اپنا شعری مجموعہ دیا تو جلدی اشاعت کے سلسلے میں ہر روز اس کے پاس چکر لگاتے۔ پبلشر وعدہ یاد دلا

Marfat.com

دیتا کہ ابھی تو اتنے دن باقی ہیں۔ ایک دن پہلے شام کو پبلشر کے پاس گئے کہ مجھے بہت جلدی ہے۔ اور پھر دوسرے دن یعنی مقررہ تاریخ کو کتاب چھپ گئی لیکن پبلشر انتظار کرتا رہا اور سہط الم نہ آئے تو وہ خود ایک کاپی لے کر اُن کے گھر گیا۔ دیکھا تو صفِ ماتم بچھی ہے اور وہ اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔

ایسا ہی شاہد راہی کے ساتھ ہوا۔ کتاب جب شائع ہو کر اس کے گھر پہنچی تو وہ اللہ کو پیارا ہو چکا تھا۔ یہ بھی ''اتفاقات ہیں زمانے کے''۔

شاہد راہی ۲۵ مارچ ۱۹۶۸ء کو چک نمبر ۲۲ شمالی تحصیل بھلوال میں پیدا ہوئے۔ ۶۶۷ پانچویں جماعت کے طالب علم تھے جب شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ لیکن تعلیمی سلسلہ جاری رکھا۔ اور پھر فراغت کے بعد ۱۹۹۰ء میں باقاعدہ شاعری کا آغاز کیا۔ ابتدا گیت سے ہوئی بعد میں وقت کے ساتھ ساتھ ہر صنفِ سخن پر طبع آزمائی کی۔ وہ اس سلسلے میں تحریر کرتے ہیں:

''آغاز شاعری سے ۱۹۹۶ء تک کا عرصہ لاہور میں گزرا جہاں ذہن و قلب دنیاوی جدت طرازیوں سے آشنا ہوئے مگر شاعری میں ایک ایسی کلاسیکی چھاپ لگ چکی تھی کہ اسے بدلنا میرے اختیار سے باہر ہو گیا۔ اسی طرزِ سخن کو جاری رکھتے ہوئے ماضی قریب میں ایک وقت آیا کہ مجھے لہجے پر فخر ہونے لگا۔'' ۶۶۸

شاہد راہی ۱۹۹۶ء میں گاؤں واپس آیا تو سرگودھا رائٹرز کلب کے اجلاسوں میں بھی شرکت کرنے لگا۔ بھلوال کے شعراء سے ملا تو سوچ اور خیالات میں پختگی آئی۔ وہ جو ایک نغمہ نگار تھا اور گیت لکھنے کے فن سے آگاہ تھا اُسے بھی آزمایا اور غزل کی جانب متوجہ ہوا۔

''مری مفلسی مرا جرم ہے'' شاہد راہی کا پہلا مجموعہ کلام ہے۔ جس کا تعارف اُس نے خود لکھا اور اس پر ۱۶ اپریل ۲۰۰۱ء کی تاریخ لکھی۔ اس مجموعۂ کلام کی اشاعت کی تاریخ ۲۰ مئی ۲۰۰۱ء ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ شاہد کی وفات ۱۶ اپریل اور ۲۰ مئی کے درمیان ہوئی ہو گی۔ میں جب چک نمبر ۲۲ شمال گیا تو وہاں بھی وہی ''جانکہ'' نظام کہ صحیح تاریخ تو یاد نہیں۔

Marfat.com

تیری سوچوں کا محور ہو گیا ہوں　　کہ میں ذرے سے گوہر ہو گیا ہوں
مجھے غم کا خزانہ مل گیا ہے　　کہ اب میں بھی سکندر ہو گیا ہوں
غمِ الفت نے مجھ سے کہہ دیا ہے　　کہ میں تیرا مقدر ہو گیا ہوں
ابھی طوفان مجھ سے کھیلتے ہیں　　سمجھ لو میں سمندر ہو گیا ہوں
ستمگر وقت سے لڑنا ہے مجھ کو　　تمناؤں کا لشکر ہو گیا ہوں
تمہارے حسن کی تعریف لکھ کے　　چلو میں بھی سخنور ہو گیا ہوں
کہ راہی دیکھ کر تصویر تیری
شناسائے مصور ہو گیا ہوں ۱۶۹

☆

تیری آنکھوں سے لڑ گئی آنکھیں　　کس مصیبت میں پڑ گئی آنکھیں
اور تکتی نہیں کسی شے پر　　تیری چوکھٹ پہ اڑ گئی آنکھیں
جانے کیسے نشے میں رہتی ہیں　　جانے کیوں کر بگڑ گئی آنکھیں
اب بہاتی ہیں خون کے آنسو　　اب کسی سے بچھڑ گئی آنکھیں
حسرتِ دید جان لے لے گی　　ہائے سولی پہ چڑھ گئی آنکھیں
ان میں راہی ترا بسیرا ہے
تم گئے تو اجڑ گئی آنکھیں ۱۷۰

ساغر چشتی

ساغر چشتی کا تعلق اگرچہ میرے گاؤں موضع کنڈان سے ہے لیکن اُس سے میری پہلی ملاقات خوشاب میں ہوئی۔ جب اُس کو والدین کے ساتھ یہاں منتقل ہوئے تقریباً تیس سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ لیکن اُس کے والد مشتاق احمد سے گاؤں میں میری صرف دور نزدیک کی

Marfat.com

''سلامالکی'' تھی۔ مشتاق کی شادی کا بھی مجھے علم ہے اور ساغر کی پیدائش کا بھی۔ ساغر چشتی کا اصل نام محمد اسلم تھا۔ ساغر اُس کا تخلص تھا وہ سید مبارک علی شاہ صاحب آف جی شریف سے بیعت ہیں جن کا سلسلہ چشتیہ ہے۔ اسی نسبت سے چشتی کو نام کا حصہ بنالیا۔

محمد اسلم ۱۱ نومبر ۱۹۶۹ء کو موضع کنڈان کلاں تحصیل شاہ پور ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں سکول جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ محمد خان جونیجو کے دور میں جب روشنی سکول کھلے تو محمد اسلم نے بھی داخلہ لے لیا۔ گیارہ دن لگاتار سکول جاتا رہا۔ اُس کے بعد انیس دن تک کسی مجبوری کے تحت نہ جاسکا۔ جب بیسویں دن گیا تو سکول بند ہو چکے تھے۔ کیونکہ انہیں دنوں میں الیکشن ہوئے اور حکومت کی تبدیلی روشنی سکولوں کا خاتمہ کرگئی۔ اسلم کے لئے یہ خبر افسردہ کردینے والی تھی۔ سو اُسی دن واپس لوٹنے پر یہ شعر کہا:

قدرت کا یہ عجوبہ نرالا ہے دوستو : مکتب ہوا جو بند مرا ذہن کھل گیا

اور پھر اس دن سے لے کر بقول بدر منیر ع وہ جب ملتا ہے اک تازہ غزل کے ساتھ ملتا ہے۔ ساغر چشتی کا کہنا ہے:

''یہ پیرومرشد کی نظرِ فیض ہے کہ اندرون شش لسان من شعرمی گویم۔ یکے پنجابی دوئم اردو، سوئم فارسی، چہارم سرائیکی، پنجم انگریزی وششم سندھی۔'' [۱۷۶]

اور یہ واقعی ایک عجوبہ ہے کہ جو شخص کنڈان اور خوشاب سے کہیں باہر نہیں گیا۔ کسی سے کچھ پڑھا نہیں اور وہ چھ زبانوں میں شعر کہتا ہے تو یہ واقعی کوئی خاص بات ہے گویا اللہ تعالیٰ کے نظام کو تسلیم کئے بغیر یہاں چارہ نہیں۔

ساغر چشتی درویشانہ اور جلالی فطرت کا مالک تھا۔ جوش میں آتا تو ہوش سے بیگانہ ہو جاتا۔ اس وقت اُس کی گفتگو سننے والی اور حالت دیکھنے والی ہوتی ہے۔ پروفیسر بدر منیر کا کہنا ہے:

''ساغر چشتی درویشانہ اور قلندرانہ مسلک رکھنے کے باوجود اپنی

Marfat.com

شاعری میں ایک جلال اور تمکنت رکھتے ہیں۔ ان کے وجود میں سلگنے والا اضطراب اور بے چینی جب شعروں میں ڈھلتی ہے تو ان کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اُن کی شاعری میں حقیقت اور مجاز کے رنگ اس طرح گھلتے ملتے ہیں کہ کوئی تیسری کیفیت وجود میں آجاتی ہے۔''[۲۷۶]

واقعی ساغر چشتی، ساغر صدیقی کی آج کی تصویر تھا۔ جو صرف اچھا شعر ہی نہیں کہتا اپنا الگ رنگ بھی رکھتا تھا۔ وہ خوشاب کی مائنز میں مزدوری کرتا تھا اور پھر ۴ جون ۲۰۱۲ء کو سخت گرمی اور حبس کے باعث مائن کے اندر ہی سانس گھٹنے سے دم توڑ گیا۔

جو میری آنکھوں سے دیکھتا ہے وہ میں نہیں ہوں
جو میرے کانوں سے سن رہا ہے وہ میں نہیں ہوں
ہے وہ بھی کوئی مجھے جگا کر جو سو گیا ہے
سلا کے جو مجھ میں جاگتا ہے وہ میں نہیں ہوں
عیاں ہے لوگو تمہاری آنکھوں سے میرا ظاہر
جو میرے اندر چھپا ہوا ہے وہ میں نہیں ہوں
جو اس کو خود میں چھپا رہا ہے وہ میں ہوں بیشک
جو خود ہی مجھ میں عیاں ہوا ہے وہ میں نہیں ہوں
میں اپنی خاطر کما رہا ہوں تو کھا رہا ہوں
جو ساری خلقت کو پالتا ہے وہ میں نہیں ہوں
بھلے زباں اور ہونٹ چشتی کے ہل رہے ہیں
غزل تمھیں جو سنا رہا ہے وہ میں نہیں ہوں[۲۷۷]

☆

تھا نیا نیا پہ عتیق تھا اسے کیا ہوا وہ عدو نہیں تھا رفیق تھا اسے کیا ہوا

Marfat.com

میرے حال کو نہ سمجھ سکا یہ جہاں تو کیا ہوا　　میرے جال میں وہ عمیق تھا اسے کیا ہوا

بڑے الجھے الجھے سوال تھے میرے ذہن میں　　جو سوال خاص دقیق تھا اسے کیا ہوا

میں تو سیم تھا تبھی رونقیں نہیں لا سکا　　وہ تو خاص یعنی عقیق تھا اسے کیا ہوا

تھا وہ خاص صاحب خلق بھی میرے واسطے　　بڑا مہرباں شفیق تھا اسے کیا ہوا

سر راہ چشتی وہ جو ملے تو میں پوچھ لوں

جو قلندروں کا طریق تھا اسے کیا ہوا ۱۷۴؎

☆☆☆

Marfat.com

ماخذات

۱۔ مکتوب محمد صادق قصوری (برج کلاں۔قصور) بنام راقم (سرگودھا)، ۱۹ مئی ۲۰۰۷ء

۲۔ خفتگانِ خاک لاہور، پروفیسر محمد اسلم، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب، لاہور ۱۹۹۳ء

۳۔ تذکرہ علمائے پنجاب، حصہ دوم، اختر راہی، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص ۴۶۹

۴۔ ماہنامہ شام وسحر (نعت نمبر ۲) لاہور، جنوری فروری ۱۹۸۲ء، ص ۲۸۸

۵۔ نورِ خوارق حیدری، سید حافظ حسن علی شاہ گیلانی چشتی حیدری، آستانہ عالیہ جی شریف ضلع سرگودھا، ۱۳۹۵ھ ص ۵

۶۔ تقویم تاریخی، عبدالقدوس ہاشمی، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، طبع دوم، ۱۹۸۷ء، ص ۳۱۹

۷۔ نورِ خوارق حیدری، ایضاً ص ۷

۸۔ ایضاً ص ۱۰۴

۹۔ مقناطیس الوحدت، حضرت مخدوم سید حیدر شاہ حنفی چشتی قادری سلیمانی، لاہور، ۱۹۰۷ء مختلف صفحات سے اشعار لیے

۱۰۔ نورِ خوارق حیدری، ایضاً ص ۳۴۸

۱۱۔ بیسویں صدی کے رسول نمبر تحقیقی وتعارفی جائزہ، پروفیسر محمد اقبال جاوید، فروغ ادب اکادمی، گوجرانوالہ، ۱۹۹۹ء ص ۵۱۲

۱۲۔ تاریخ مشائخ نقشبندیہ، پروفیسر صاحبزادہ محمد عبدالرسول للّہی، زاویہ۔ دربار مارکیٹ، لاہور، ۲۰۰۰ء ص ۵۳۰

۱۳۔ ایضاً ص ۴۹۵

۱۴۔ ماہنامہ شمس الاسلام، بھیرہ، فروری ۱۹۴۹ء ص ۲

۱۵۔ تذکار بگویہ، جلد اول، ڈاکٹر صاحبزادہ انوار احمد بگوی، مرکزیہ مجلس حزب الانصار پاکستان، بھیرہ، بار دوم ۲۰۰۷ء ص ۳۹۱

۱۶۔ تاریخ بھیرہ، ابوشاہین فاروقی ہفت روزہ تبسم، سرگودھا، بار دوم، ۱۹۹۴ء ص ۳۵۹

۱۷۔ سخنورانِ سرگودھا، محمود اسیر، ادارہ شاہینِ ادب سرگودھا، ۱۹۸۳ء ص ۳۸۰

۱۸۔ پنجابی ادب دی کہانی، عبدالغفور قریشی، پنجابی ادبی بورڈ لاہور، ۱۹۸۷ء

۱۹۔ تقویم تاریخی، ایضاً ص ۳۲۴

۲۰۔ پھل کرانہ بار دے، ملک جاوید کھنجیرا، راوی پبلشرز اردو بازار لاہور، ۱۹۹۴ء ص ۱۶۶

۲۱۔ تاریخ بھیرہ، ایضاً ص ۳۵۹

۲۲۔ تذکار بگویہ، ایضاً ص ۳۹۹

۲۳۔ واصف علی واصف۔ احوال وآثار، پروفیسر محمد ظہیر بدر، القمر انٹرپرائزز اردو بازار لاہور، ۱۹۹۷ء ص ۱۹

۲۴۔ واصف علی واصف کا سوانحی خاکہ، ثروت طارق حبیب، مشمولہ: سہ ماہی شبیہہ، خوشاب، اپریل تا ستمبر ۱۹۹۹ء

۲۵۔ واصف علی واصف۔ احوال وآثار، ایضاً ص ۱۹

Marfat.com

۲۶۔ The History of Sargodha, Prof. Sahibzada Muhammad Abdul Rasul, University of Sargodha, 2006, P-269

۲۷۔ آئینۂ حق نما، مولوی محمد امین خوشابی، قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور، س ن، ص ۳

۲۸۔ ایضاً ص ۱۱، ۱۲

۲۹۔ تذکار بگویہ، ایضاً ص ۲۱۸

۳۰۔ ایضاً ص ۲۲۴

۳۱۔ ایضاً ص ۱۶۴

۳۲۔ سوہ حرفی مع غزل وکافی، مولوی عبدالمجید، کرم الدین تاجران کتب، لاہور، س ن، ص ۱۵، ۱۶

۳۳۔ تذکار بگویہ، ایضاً ص ۶۱۰

۳۴۔ باب الاعوان، مولوی نورالدین سلیمانی، لاہور، ۱۳۱۹ھ، ص ۳

۳۵۔ ایضاً ص ۲۰۴

۳۶۔ ایضاً ص ۲۰۵

۳۷۔ تقویم تاریخی، ایضاً ص ۳۲۳

۳۸۔ وادیٔ سون سکیسر، محمد سرور اعوان، لوک ورثہ اسلام آباد، س ن، ص ۱۵۱

۳۹۔ ایضاً ص ۱۵۲

۴۰۔ باب الاعوان، ایضاً ص ۱

۴۱۔ ہندو دھرم کی عظمت، جی این نندا، لاہور، س ن، ص ۷، ۸

۴۲۔ سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۱۷۷

۴۳۔ اخلاق عاطف (سرگودھا) سے راقم کی تحریر ملی

۴۴۔ سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۱۷۷

۴۵۔ جانِ رحمت، مرتبہ: اخلاق عاطف مجلسِ خدامِ اسلام سرگودھا، ۱۹۸۵ء ص ۱۲۶

۴۶۔ سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۱۷۹

۴۷۔ اظہار حقیقت، باوا محمد عمر رند خوشابی، سرگودھا، س ن

۴۸۔ وفیاتِ ناموران پاکستان، ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ، اردو سائنس بورڈ لاہور، ۲۰۰۶ء ص ۷۵۵

۴۹۔ سلسلہ طیبہ نقشبندیہ مجددیہ، حضرت مولانا محمد شفیع سرگودھوی، خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ کندیاں شریف، ۱۴۲۵ھ

۵۰۔ گلِ دیدہ ور، پروفیسر ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم، بزمِ علم وفن سرگودھا، ۲۰۰۵ء ص ۳۳

۵۱۔ سلسلہ طیبہ نقشبندیہ مجددیہ، ایضاً

Marfat.com

۵۲۔ نعت گویان سرگودھا، شاکر کنڈان، ادارہ فروغ ادب پاکستان، سرگودھا، ۲۰۰۶ء ص ۱۰۳

۵۳۔ تاریخ بھیرہ، ایضاً ص ۳۵۹

۵۴۔ وفیات نامورانِ پاکستان، ایضاً ص ۶۳۱

۵۵۔ غزلیات اردو رباعیات، حافظ فضل کریم گوندل، بھیرہ ضلع سرگودھا، ۱۹۷۰ء

۵۶۔ مکتوب، مقصود وارثی (چک نمبر ۲۴ جنوبی) بنام: اخلاق عاطف (سرگودھا) ۱۹۸۳ء

۵۷۔ جانِ رحمت، ایضاً ص ۱۶۶

۵۸۔ ماہنامہ کامران، سرگودھا، اگست ۱۹۵۵ء ص ۱۱

۵۹۔ گجرات دے پنجابی شاعر، ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ، غیر مطبوعہ

۶۰۔ ماہنامہ کامران، سرگودھا، اگست ۱۹۵۵ء ص ۱۱

۶۱۔ روزنامہ امروز، لاہور یکم جون ۱۹۷۱ء

۶۲۔ ماہنامہ بیسویں صدی، دہلی، اگست ۱۹۶۵ء

۶۳۔ ماہنامہ کامران، سرگودھا، جلد ۱۲، شمارہ ۲

۶۴۔ تذکار بگویہ، ایضاً ص ۴۳۳

۶۵۔ تذکرہ، صاحبزادہ ابرار احمد بگوی المعات احمد بگوی، مرکزی مجلس حزب الانصار پاکستان، بھیرہ، ۱۴۲۴ھ ص ۱۸

۶۶۔ تقویم تاریخی، ایضاً ص ۳۲۰

۶۷۔ تذکار بگویہ، ایضاً ص ۴۲۳

۶۸۔ سخنوران سرگودھا، ایضاً ص ۱۵۴

۶۹۔ گلہائے عقیدت، ایم احمد بخش ریاض، سرگودھا، ۱۹۶۸ء ص ۶

۷۰۔ ایضاً ص ۹، ۴۷، ۵۱

۷۱۔ جنھیں ہم بھول بیٹھے ہیں، پروفیسر ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم، بزمِ علم و فن کوٹ فرید، سرگودھا، ۲۰۰۳ء ص ۱۰۲

۷۲۔ سہ ماہی کامران، سرگودھا، جلد ۱۲، شمارہ ۱

۷۳۔ بشکریہ اخلاق عاطف

۷۴۔ سخنوران سرگودھا، ایضاً ص ۳۰۲

۷۵۔ ایضاً

۷۶۔ جانِ رحمت، ایضاً ص ۷۹

۷۷۔ ماہنامہ نعت، لاہور، مارچ اپریل ۱۹۹۶ء ص ۳۷۵

۷۸۔ سخنوران سرگودھا، ایضاً ص ۳۰۲

Marfat.com

۷۹۔ گجرات کے اردو نعت گوشعراء، ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ، ماہنامہ نعت، لاہور، فروری ۱۹۹۸ء
۸۰۔ لوحِ مزار، بڑا قبرستان، سرگودھا
۸۱۔ مقامِ شوق، راجا محمد یعقوب الحفیظ، شوق پبلی کیشنز راولپنڈی، ۱۹۹۱ء
۸۲۔ نوائے شوق، پروفیسر ہارون الرشید تبسم، شوق پبلی کیشنز سرگودھا، ۲۰۰۳ء
۸۳۔ مقامِ شوق، ایضاً ۱۵ مئی ۲۰۰۶ء
۸۴۔ ملاقات محمد صفدر خان (عبدالغنی ناز کے ہم کار) سرگودھا، ۲۳ فروری ۲۰۰۶ء
۸۵۔ وادیٔ سون سکیسر، ایضاً ص ۱۶۷
۸۶۔ صدیق اکبرؓ، عبدالغنی ناز، خورشید بک ڈپو چیل ضلع سرگودھا، ۱۹۶۲ء ص ۴
۸۷۔ ملاقات محمد صفدر خان، ایضاً
۸۸۔ ایضاً
۸۹۔ ملاقات عبدالرشید نائی (چیل میں عبدالغنی ناز کا پڑوسی) سرگودھا، ۵ جنوری ۲۰۰۴ء
۹۰۔ صدیق اکبرؓ، ایضاً ص ۱۷
۹۱۔ ہفت روزہ ہلال، راولپنڈی، ۱۷ اگست ۱۹۷۹ء
۹۲۔ ملاقات بھائی ظفر، ساہیوال ضلع سرگودھا، ۲۹ جولائی ۲۰۱۲ء
۹۳۔ ملاقات محمد اشفاق ونی، ساہیوال ضلع سرگودھا، ۲۹ جولائی ۲۰۱۲ء
۹۴۔ جانِ رحمت، ایضاً ص ۱۴۷
۹۵۔ توارد کا شک ہے
۹۶۔ بشکریہ بھائی ظفر (ساہیوال) ادیب
۹۷۔ ملاقات پروفیسر عبدالقیوم رانا ولد فراق کنگروی، سرگودھا، ۵ جولائی ۲۰۰۸ء
۹۸۔ ایضاً
۹۹۔ فراق کنگروی کی ذاتی ڈائری سے نقل
۱۰۰۔ تفکراتِ فراق، فراق کنگروی، ترتیب و انتخاب: قیوم رانا، نقش گر راولپنڈی، س ن ص ۶۳
۱۰۱۔ ملاقات سید صوفی نقوی، بھلوال، ۱۳ جنوری ۲۰۰۲ء
۱۰۲۔ سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۳۲۲
۱۰۳۔ انہماک، سید اقبال محمد صوفی نقوی، الکاظم پبلی کیشنز بھلوال، س ن ص ۱۳
۱۰۴۔ سید اقبال محمد صوفی نقوی کی شخصیت اور شاعری، محمد خان، مقالہ برائے ایم اے، گورنمنٹ کالج سرگودھا، ۱۹۹۹ء
۱۰۵۔ ملاقات سید محمد حسین رضا نقوی، بھلوال، ۱۷ نومبر ۲۰۰۲ء

Marfat.com

۱۰۶۔ انہماک، ایضاً ص ۸۷

۱۰۷۔ ایضاً ص ۱۷۲، ۱۷۳

۱۰۸۔ بہر زماں بہر زباں صلی اللہ علیہ وسلم، نور احمد میرٹھی، ادارہ فکرِ نو کورنگی کراچی، ۱۹۹۶ء ص ۲۴۶

۱۰۹۔ ماہنامہ فلمی ستارے، دہلی، دسمبر ۱۹۸۶ء

۱۱۰۔ بساط، مرتب: ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، مکتبہ کوہسار بہرہ پور، بھاگلپور، انڈیا، ۱۹۸۹ء

۱۱۱۔ سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۱۴۵

۱۱۲۔ پندرہ روزہ ترجمان، سرگودھا، ۱ تا ۱۵ مئی ۱۹۹۱ء

۱۱۳۔ سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۱۴۵

۱۱۴۔ ایضاً ص ۱۴۶

۱۱۵۔ ایضاً ص ۱۴۷

۱۱۶۔ نعت گویانِ سرگودھا، ایضاً ص ۱۱۹

۱۱۷۔ ملاقات، افضل عباس شیرازی ولد سید وزیر شیرازی، سرگودھا، ۱۲۷ اگست ۱۹۸۵ء

۱۱۸۔ سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۲۸۳

۱۱۹۔ اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر، پروفیسر ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم، بزمِ علم و فن کوٹ فرید، سرگودھا، ۲۰۰۳ء ص ۱۹۱

۱۲۰۔ خیابانِ نجات، سید وزیر حسین شیرازی، مکتبہ تحسین بلاک نمبر ۱۹ سرگودھا، ۱۹۷۷ء ص ۵۶

۱۲۱۔ نقوشِ سرگودھا، عابد خورشید/ ذوالفقار احسن، سرگودھا رائٹرز کلب سرگودھا، ۲۰۰۲ء ص ۶۹

۱۲۲۔ اردو ادب اور عساکرِ پاکستان، جلد اول، حصہ اول، شاکر کنڈان، ادارہ فروغ ادب پاکستان، کنڈان، ۱۹۹۷ء

ص ۲۷۲

۱۲۳۔ سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۲۹۵

۱۲۴۔ ایضاً ص ۲۹۶

۱۲۵۔ مکتوب حافظ محمد رمضان ولد حاجی سلطان احمد سالک (نور پور تھل) بنام راقم (سرگودھا) ۱۳ فروری ۲۰۰۶ء

۱۲۶۔ ایضاً

۱۲۷۔ نعت گویانِ سرگودھا، ایضاً ص ۱۲۵

۱۲۸۔ مزارات اولیائے کرام، میاں عطا محمد نعیمی، مشمولہ: روزنامہ عوامی رائے، سرگودھا، ۲۲ جنوری ۲۰۰۶ء

۱۲۹۔ ملاقات نصرت چوہدری، سرگودھا، ۱۵ جنوری ۲۰۰۶ء

۱۳۰۔ ہندو شعراء کا نعتیہ کلام، حضرت مولانا عبدالمجید سوہدروی، مسلم پبلی کیشنز اردو بازار لاہور س ن ص ۴۲

۱۳۱۔ ایضاً

Marfat.com

۱۳۲۔ غیر مسلموں کی نعت گوئی، راجا رشید محمود، (خصوصی اشاعت) ماہنامہ نعت، لاہور، نومبر ۱۹۹۵ء ص ۷۸

۱۳۳۔ ایضاً

۱۳۴۔ نور سخن، نور احمد میرٹھی، ادارہ فکر نو کورنگی کراچی، ۱۹۸۸ء ص ۶۱

۱۳۵۔ ایضاً ص ۶۲

۱۳۶۔ بہر زماں بہر زباں صلی اللہ علیہ وسلم، ایضاً ص ۱۹۰

۱۳۷۔ ایضاً ص ۱۹۱

۱۳۸۔ خیر البشرؐ کے حضور، ممتاز حسن، ادارہ فروغ اردو لاہور، ۱۹۷۵ء ص ۱۰۷

۱۳۹۔ ایضاً

۱۴۰۔ Biographical Encyclopedia of Pakistan, Tahawar Ali Khan, Biographical Research Institute, Pakistan, Edition 1987-88

۱۴۱۔ دیدۂ خوش آب، بدر منیر، خزینۂ علم وادب، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۳ء ص ۵۳

۱۴۲۔ جوہر، گورنمنٹ کالج جوہر آباد کا مجلہ، ۲۰۰۰ء تا ۲۰۰۳ء ص ۵۳

۱۴۳۔ دیدۂ خوش آب، ایضاً ص ۵۵

۱۴۴۔ ملاقات خالد یوسفی ابن یوسف آزاد، سرگودھا، ۱۳ مارچ ۲۰۰۶ء

۱۴۵۔ حافظ یوسف آزاد کی قلمی بیاض

۱۴۶۔ ایضاً

۱۴۷۔ جذبات دل، میاں فضل الرحمان بسمل، انجینئر محمود مجیب اصغر، ۲۰۰۲ء

۱۴۸۔ ایضاً

۱۴۹۔ اردو ادب کے فروغ میں خوشاب کا حصہ، محسن عباس، مقالہ برائے ایم فل، ۲۰۰۷ء علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد ص ۷۵

۱۵۰۔ نعت گویانِ سرگودھا، ایضاً ص ۱۴۳

۱۵۱۔ اردو ادب کے فروغ میں خوشاب کا حصہ، ایضاً ص ۸۶

۱۵۲۔ ماہنامہ الرشید، لاہور، اپریل ۱۹۹۷ء

۱۵۳۔ لوحِ محفوظ، جوہر نظامی، مکتبہ تخلیق میکلیگن روڈ لاہور، ۱۹۷۸ء

۱۵۴۔ وہم رسا، جوہر نظامی، نیرنگِ خیال پبلی کیشنز لیاقت روڈ راولپنڈی، ۱۹۸۸ء

۱۵۵۔ تنقیدی اشکال، غلام نبی اعوان، اسامہ ٹریڈرز مسجد روڈ کوئٹہ، ۱۹۹۳ء ص ۶۶

۱۵۶۔ لوحِ محفوظ، ایضاً

۱۵۷۔ وہم رسا، ایضاً ص ۵۳

Marfat.com

۱۵۸۔ تذکارِ بگویہ، ایضاً ص ۹۰۷

۱۵۹۔ ماہنامہ نعت لاہور، اکتوبر ۱۹۹۴ء

۱۶۰۔ لوحِ مزار غلام نبی میر ناسک، بڑا قبرستان، سرگودھا

۱۶۱۔ خیابانِ بدر، بدر الدین بدر، سرگودھا، ۱۹۸۵ء ص ۴

۱۶۲۔ اب نہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر، ایضاً ص ۲۰۸

۱۶۳۔ جمالِ بدر، بدر الدین بدر، سرگودھا، ۱۹۷۸ء ص ۶

۱۶۴۔ ایضاً ص ۷

۱۶۵۔ اب نہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر، ایضاً ص ۲۰۹

۱۶۶۔ جمالِ بدر ایضاً ص ۱۰

۱۶۷۔ ایضاً ص ۳۹

۱۶۸۔ ایضاً ص ۴۰

۱۶۹۔ ضلع خوشاب تاریخ، ثقافت، ادب، امتیاز حسین امتیاز، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور، ۱۹۹۹ء ص ۲۹۳

۱۷۰۔ ادبی سیریز صدائے سخن، خوشاب، فروری ۱۹۹۰ء

۱۷۱۔ ملاقات کیپٹن محمد یونس آف ہڈالی، راولپنڈی، ۱۵ نومبر ۲۰۰۰ء

۱۷۲۔ اردو ادب اور عساکرِ پاکستان، ایضاً ص ۲۷۸

۱۷۳۔ ملاقات کیپٹن محمد یونس آف ہڈالی، راولپنڈی، ۲۳ نومبر ۲۰۰۰ء

۱۷۴۔ دیوانِ خادم، کپتان ملک خادم حسین خان، دارالتجلید اردو بازار لاہور، ایڈیشن دوم، ۱۹۸۶ء

۱۷۵۔ دیوانِ خادم، جمعدار ملک خادم حسین خان، لکھنو، باراول: ۱۹۴۴ء

۱۷۶۔ دیوانِ قیصر، ڈاکٹر محمد شریف قیصر، تازیانہ پبلی کیشنز گجرات، س ن

۱۷۷۔ قلمی ڈائری مرزا امول انور، بوساطت، سلیم حسن مرزا ابنِ مرزا امول انور، ۵ فروری ۲۰۰۸ء

۱۷۸۔ نقوشِ سرگودھا، ایضاً ص ۶۳

۱۷۹۔ داستانِ سرگودھا، افضال حسن انصاری، پندرہ روزہ اکبر حافظ آباد، ۲۰۰۷ء ص ۲۲۵

۱۸۰۔ سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۲۵۸

۱۸۱۔ اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر، ایضاً ص ۱۰۱

۱۸۲۔ ہفت روزہ المقالہ، سرگودھا، ۲۹ اگست ۱۹۳۲ء ص ۱

۱۸۳۔ اشتہار مشاعرہ، عبد الغفور جوہر (نظامی) سیکرٹری بزمِ ادب سرگودھا، ۲۰ دسمبر ۱۹۳۶ء

۱۸۴۔ داستانِ سرگودھا، ایضاً ص ۵۲۲

Marfat.com

۱۸۵۔اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر، ایضاً ص ۱۰۴

۱۸۶۔قانونِ مکافات، مرزا امول انور، ندیم اکیڈیمک سوسائٹی، سرگودھا، ۱۹۹۰ء ص ا

۱۸۷۔ذاتی ڈائری مرزا امول انور، ایضاً

۱۸۸۔باب جبریل، غلام فخرالدین سیالوی، رہبر پرنٹرز ایبٹ روڈ لاہور، س ن ص ۹

۱۸۹۔فخر نامہ، اصغر علی نظامی، مشمولہ: ماہنامہ لہراں، لاہور، جون ۱۹۹۹ء

۱۹۰۔بابِ جبریل، ایضاً ص ۱۳

۱۹۱۔داستانِ سرگودھا، ایضاً ص ۴۸۳

۱۹۲۔نعت گویانِ سرگودھا، ایضاً ص ۱۵۵

۱۹۳۔بابِ جبریل، ایضاً ص ۳۹

۱۹۴۔مایۂ حیات بوظفر نور محمد، حکیم حاجی نور محمد، شاہ پور شہرہ ۱۹۶۷ء ص ۳

۱۹۵۔ایضاً

۱۹۶۔سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۳۰۷

۱۹۷۔گجرات میں اردو شاعری، پروفیسر کلیم احسان بٹ، ناوک پبلی کیشنز جلالپور جٹاں (گجرات) ۱۹۹۶ء

۱۹۸۔سخنورانِ جہلم، قاضی غلام کبریا راحل، جہلم، ۱۹۶۲ء

۱۹۹۔ایضاً

۲۰۰۔انتخاب، حلقہ اربابِ ذوق گجرات، طاہر پبلی کیشنز گجرات، ۱۹۷۳ء

۲۰۱۔نعت گویانِ سرگودھا، ایضاً ص ۱۵۷

۲۰۲۔سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۲۰۳

۲۰۳۔نقوشِ سرگودھا، ایضاً ص ۴۴

۲۰۴۔عبدالرشید اشک کی یاد میں، انور سدید، مشمولہ: ماہنامہ اوراق لاہور، مارچ اپریل ۱۹۸۶ء ص ۷۳

۲۰۵۔قلمی ڈائری میر عبدالرشید اشک، ملکیت: ارشد محمود (بیٹا) ۱۱ نومبر ۲۰۰۶ء

۲۰۶۔ایضاً

۲۰۷۔ملاقات: محمد نعیم پسر غلام سرور نعیمی، سرگودھا، ۷ جولائی ۲۰۰۸ء

۲۰۸۔احادیث اربعین فی شانِ رئیس الغریبین، غلام سرور نعیمی، سرگودھا ۱۴۰۸ھ ص ۷

۲۰۹۔ایضاً ص ۱۷

۲۱۰۔ایضاً ص ۲۸

۲۱۱۔ایضاً ص ۹۷

Marfat.com

۲۱۲۔سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۲۹۸

۲۱۳۔تاریخ بھیرہ، ایضاً ص ۳۶۱

۲۱۴۔ملاقات فیاض احمد خان (سلیم بھٹی کا بھانجا) بھیرہ، ۲۲ اگست ۲۰۱۲ء

۲۱۵۔تذکار بگویہ، جلد دوم ڈاکٹر صاحبزادہ انوار احمد بگوی، مجلس مرکزیہ حزب الانصار پاکستان، بھیرہ، ۲۰۰۹ء ص ۸۷۳

۲۱۶۔سہ ماہی نالۂ دل، بھیرہ، اپریل ۲۰۱۰ء ص ۷۵ تمبر ۲۰۱۰ء ص ۴۹

۲۱۷۔وفیات مشاہیر پاکستان، پروفیسر محمد اسلم، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۹۰ء ص ۳۰

۲۱۸۔داغِ نیل، الطاف مشہدی، عوامی کتب خانہ سرگودھا، ۱۹۵۰ء ص ۹

۲۱۹۔شاخِ گل، الطاف مشہدی، ملک دین محمد اینڈ سنز اشاعت منزل لاہور، ۱۹۵۴ء

۲۲۰۔گلہائے رنگ رنگ (انتخاب) جلد دوم، محمد شمس الحق نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء ص ۶۴۰

۲۲۱۔ہمارے اہلِ قلم، زاہد حسین انجم، ملک بک ڈپو اردو بازار لاہور، ۱۹۸۸ء ص ۱۰۲

۲۲۲۔اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر، ایضاً ص ۲۹

۲۲۳۔سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۸۶

۲۲۴۔شعرستان (تذکرہ شعرائے پاکستان) نعمان تاثیر و مظہر صدیقی، مکتبہ پرچم حسن آنندی روڈ، کراچی، ۱۹۵۲ء

۲۲۵۔ایضاً

۲۲۶۔شاخِ گل، ایضاً فلیپ

۲۲۷۔ایضاً

۲۲۸۔ماہنامہ اردو زبان، سرگودھا، مئی جون ۱۹۸۴ء ص ۲۷

۲۲۹۔گیت الطاف مشہدی، حکیم محمد یوسف حسن، مشمولہ: ماہنامہ نیرنگِ خیال لاہور، دسمبر ۱۹۶۰ء ص ۵

۲۳۰۔ماہیے کی ہیئت کا قضیہ، شاکر کنڈان، مشمولہ: سہ ماہی دریچہ انٹرنیشنل پاکستان، سپین، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ء ص ۷

۲۳۱۔وفیات ناموران پاکستان، ایضاً ص ۱۵۸

۲۳۲۔تذکرہ ماہ و سال، مالک رام، مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ۱۹۹۱ء ص ۶۱

۲۳۳۔گل گفتار، کرم حیدری، مکتبہ الحمود، سٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی، ۱۹۹۹ء ص ۷۵

۲۳۴۔داغِ نیل، ایضاً ص ۱۰، ۱۱

۲۳۵۔لذت رنگ و بو، الطاف مشہدی، عوامی کتب خانہ، سرگودھا، ۱۹۷۷ء ص ۴۶

۲۳۶۔تاریخ بھیرہ، ایضاً ص ۳۳۶

۲۳۷۔چھ ماہی لیکھ، لاہور، جنوری تا جون ۲۰۰۸ء ص ۵۸

۲۳۸۔شخصیات سرحد، محمد شفیع صابر، یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور، ۱۹۸۹ء ص ۹۴۶

Marfat.com

۲۳۹۔تاریخ بھیرہ، ایضاً

۲۴۰۔ہم قلم، تاج سعید، مکتبہ ارژنگ ظہیر آباد پشاور، ۱۹۷۷ء ص ۱۶۰،۱۵۹

۲۴۱۔ماہنامہ ادبِ لطیف، لاہور، فروری ۱۹۵۶ء

۲۴۲۔نیا پرانا لہجہ، ادارہ علم وفن پاکستان، دارالاشاعت ادارہ علم وفن پاکستان، پشاور، ۱۹۷۹ء

۲۴۳۔بے باک حریت پسند شاعر اخگر سرحدی، راجہ محمد یعقوب حفیظ، مشمولہ: ماہنامہ ماہِ نو، لاہور، اپریل ۱۹۹۷ء ص ۷۲

۲۴۴۔کوہاٹ کا ذہنی ارتقاء، احمد پراچہ، مکتبہ مستجاب پراچہ محلہ پراچگان کوہاٹ، ۱۹۸۴ء ص ۱۱۳

۲۴۵۔شخصیاتِ سرحد، ایضاً ص ۱۰۲

۲۴۶۔نیا پرانا لہجہ، ایضاً ص ۱۷

۲۴۷۔لالۂ اردو، مولانا اخگر سرحدی، ہارون الرشید تبسم، دیدہ ور اکادمی کوٹ فرید سرگودھا، ۱۹۹۱ء

۲۴۸۔نیا پرانا لہجہ، ایضاً

۲۴۹۔ایضاً

۲۵۰۔ملک شاہسوار علی ناصر ارارہ۔خوشاب، بنام راقم، سرگودھا، ۱۲۷کتوبر ۲۰۰۵ء

۲۵۱۔داستانِ حسرت، شیر محمد اسیر، کنڈ ضلع خوشاب، ۱۹۹۷ء ص ۵

۲۵۲۔ایضاً ص ۴

۲۵۳۔مکتوب ملک شاہسوار علی ناصر، ایضاً

۲۵۴۔داستانِ حسرت، ایضاً ص ۴۷

۲۵۵۔ایضاً ص ۴۲

۲۵۶۔دیوانِ بیش، بیش بخاری، کلیار ٹاؤن سرگودھا، س ن ص ۲

۲۵۷۔ایضاً ص ۳

۲۵۸۔ایضاً ص ۱۶

۲۵۹۔مجموعہ رباعیات، بیش بخاری، لاہور، س ن، ص ۱۱

۲۶۰۔کیسر کیاری، احمد ندیم قاسمی، شفیق پبلی کیشنز چوک گڑھی شاہو لاہور، ۱۹۹۹ء، فلیپ

۲۶۱۔احمد ندیم قاسمی، شریف کنجاہی، مشمولہ ہفت روزہ کامرانیاں، کنجاہ (گجرات) ۱۱ تا ۲۰ فروری ۲۰۰۶ء

۲۶۲۔میری بہترین نظم (خود شعراء کی منتخب نظموں کا مجموعہ)، مرتبہ: محمد حسن عسکری، کتابستان، الہ آباد (ہندوستان) ۱۹۴۲ء

۲۶۳۔دشتِ وفا، احمد ندیم قاسمی، التحریر اردو بازار لاہور، بار چہارم ۱۹۸۱ء

۲۶۴۔احمد ندیم قاسمی عالمی سیمینار ومشاعرہ، اظہار حیدر، پاک ادب سوسائٹی ابوظہبی، ۱۹۸۸ء

۲۶۵۔مکتوب مظفر دھریموی، دھریمہ، بنام اخلاق عاطف، سرگودھا، ۱۷ جون ۱۹۸۴ء

Marfat.com

۲۶۶۔ سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۲۶۰

۲۶۷۔ اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخِ زیبا لے کر، ایضاً ص ۱۴۱

۲۶۸۔ جانِ رحمت، ایضاً ص ۱۶۰

۲۶۹۔ سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۲۶۲

۲۷۰۔ اردو ادب کے فروغ میں خوشاب کا حصہ، ایضاً ص ۱۷۱

۲۷۱۔ دیدۂ خوش آب، ایضاً ص ۱۰۵

۲۷۲۔ اردو ادب کے فروغ میں خوشاب کا حصہ، ایضاً

۲۷۳۔ دیدۂ خوش آب، ایضاً

۲۷۴۔ اردو ادب کے فروغ میں خوشاب کا حصہ، ایضاً ص ۳۵

۲۷۵۔ دیدۂ خوش آب، ایضاً ص ۱۰۵

۲۷۶۔ ایضاً ص ۱۰۶

۲۷۷۔ علوی اعوان قبیلہ مختصر تعارف، علامہ محمد یوسف جبریل، ادارہ تحقیق الاعوان پنجاب، واہ کینٹ، ۲۰۰۰ء ص ۱۵۴

۲۷۸۔ ایضاً ص ۱۵۵

۲۷۹۔ علامہ محمد یوسف جبریل حیات وخدمات، ڈاکٹر تصدق حسین راجا، ضیائے ادب اردو بازار لاہور، ۲۰۰۷ء ص ۱۳۲

۲۸۰۔ ایک درویش دانشور، علامہ یوسف جبریل، شاکر کنڈان، مشمولہ: سہ ماہی دریچہ انٹرنیشنل پاکستان، ہیپن، جنوری تا مارچ ۲۰۰۶ء ص ۲۵

۲۸۱۔ خواب جبریل، علامہ محمد یوسف جبریل، ادارہ افکار جبریل واہ کینٹ، س ن ص ۶۵

۲۸۲۔ سوز جبریل، علامہ محمد یوسف جبریل، ادارہ افکار جبریل واہ کینٹ، ۲۰۰۷ء ص ۳۲

۲۸۳۔ نعت گویانِ سرگودھا، ایضاً ص ۱۷۵

۲۸۴۔ سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۱۸۰

۲۸۵۔ جانِ رحمت، ایضاً ص ۱۳۰

۲۸۶۔ سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۱۸۱

۲۸۷۔ غلام جیلانی اصغر کی اردو نثر نگاری، سلمیٰ چوہدری، مقالہ: برائے ایم اے اردو، گورنمنٹ کالج سرگودھا، ۲۰۰۱ء

۲۸۸۔ خوش کلام۔ غلام جیلانی اصغر، پرویز بزمی، نقش گر پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۶ء ص ۳۶

۲۸۹۔ یعنی وہ عہدِ خوش گماں نہ رہا، شاکر کنڈان، مشمولہ: سہ ماہی اسالیب، سرگودھا، مئی تا جولائی ۲۰۰۷ء ص ۷

۲۹۰۔ میں اور میں، غلام جیلانی اصغر، آئینہ ادب چوک انارکلی، لاہور ۱۹۸۴ء ص ۵۴

۲۹۱۔ ایک ذرا شام سے پہلے، غلام جیلانی اصغر، راحیل ایسوسی ایٹ کلب روڈ سرگودھا، ۲۰۰۲ء ص ۶۸

۲۹۲۔ ملاقات صوفی فقیر محمد، سرگودھا، یکم نومبر ۲۰۰۴ء

Marfat.com

۲۹۳۔ آدابِ نعت، صوفی فقیر محمد ادارہ گلستانِ اسلام، سرگودھا، ۲۰۰۳ء ص ۶۳

۲۹۴۔ ایضاً

۲۹۵۔ صوفی فقیر محمد۔ اپنی طرز کا انوکھا شاعر، شاکر کنڈان، مشمولہ: سہ ماہی اسالیب، سرگودھا، جنوری تا مارچ ۲۰۰۸ء ص ۴۸

۲۹۶۔ آدابِ نعت، ایضاً ص ۷۹

۲۹۷۔ یارانِ نو، انجمن ترقی ادب ماڈل ٹاؤن لاہور، دسمبر ۱۹۶۶ء ص ۳۲۵

۲۹۸۔ سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۲۰۶

۲۹۹۔ ایضاً ص ۲۰۷

۳۰۰۔ ایضاً ص ۲۰۸

۳۰۱۔ نعت گویانِ سرگودھا، ایضاً ص ۲۶۸

۳۰۲۔ ماہنامہ دنیائے ادب کراچی، ستمبر ۲۰۰۲ء

۳۰۳۔ پندرہ روزہ گلِ حنا، سرگودھا، یکم تا ۱۶ جنوری ۲۰۰۲ء

۳۰۴۔ مکتوب شبلی پانی پتی، سرگودھا، بنام راقم، چھور (سندھ) ۳ جون ۱۹۹۸ء

۳۰۵۔ نعت گویانِ سرگودھا، ایضاً ص ۲۶۹

۳۰۶۔ ملاقات شبلی پانی پتی، سرگودھا، ۱۱ جنوری ۲۰۰۶ء

۳۰۷۔ مکتوب خلیل بدایونی، بنام راقم، سرگودھا، ۱۲ فروری ۲۰۰۶ء

۳۰۸۔ ایک گمنام شاعر اور شخص۔ خلیل بدایونی، شاکر کنڈان، مشمولہ: سہ ماہی "سفیر اردو" لیوٹن برطانیہ، ستمبر ۲۰۰۶ء

۳۰۹۔ News Letter, University Sargodha, June 2009, P-8

۳۱۰۔ بوستانِ خلیل، خلیل بدایونی، سرگودھا، ۲۰۰۳ء ص ۲۹

۳۱۱۔ ایضاً ص ۳۱

۳۱۲۔ اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر، ایضاً ص ۲۱۳

۳۱۳۔ ایضاً ص ۲۱۵

۳۱۴۔ سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۸۱

۳۱۵۔ ایضاً ص ۸۳

۳۱۶۔ اردو ادب میں خوشاب کا حصہ، ایضاً ص ۱۱۰

۳۱۷۔ دیدۂ خوش آب، ایضاً ص ۶۵

۳۱۸۔ علوی اعوان قبیلہ۔ مختصر تعارف، ایضاً ص ۱۳۶

۳۱۹۔ کربِ دوراں، دوست محمد محب، ادارہ تصانیف جبریل نواب آباد واہ چھاؤنی، ۱۹۹۰ء ص ۶۹

Marfat.com

٣٢٠۔سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ١٥٩

٣٢١۔ملاقات اخلاق عاطف، سرگودھا، ١٢ مارچ ٢٠٠٨ء

٣٢٢۔اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر، ایضاً ص ٦٦

٣٢٣۔سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ١٥٩

٣٢٤۔ایضاً ص ١٦٠

٣٢٥۔نذیر احمد چودھری کے ہاتھوں کی تحریر راقم کے پاس موجود ہے۔

٣٢٦۔ہمارے اہلِ قلم، ایضاً ص ٤٧٩

٣٢٧۔ماہنامہ لہراں لاہور، جون جولائی ١٩٩٠ء ص ١٦

٣٢٨۔چھیماہی کھوج، لاہور، جولائی تا دسمبر ١٩٩٦ء ص ٣١

٣٢٩۔سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ٤٣٠

٣٣٠۔ملاقات عزیز احمد وڑائچ، چک نمبر ٩٥ جنوبی، یکم مارچ ٢٠٠٤ء

٣٣١۔چھیماہی کھوج، لاہور، جولائی تا دسمبر ١٩٩٦ء ص ٣٤

٣٣٢۔محاکے، ڈاکٹر خیال امروہوی، ماہنامہ سپوتنک لاہور، فروری ١٩٩٦ء ص ١٣٣

٣٣٣۔نقوشِ سرگودھا، ایضاً ص ١٣٣

٣٣٤۔گلِ دیدہ، ایضاً ص ١٥٠

٣٣٥۔نقوشِ سرگودھا، ایضاً ص ١٣٥

٣٣٦۔ایضاً ص ١٣٨

٣٣٧۔ملاقات، سید واحد حسین نشان، سرگودھا، ٢٨ اپریل ١٩٩٨ء

٣٣٨۔اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر، ایضاً ص ١٨٩

٣٣٩۔دردِ دل، سید واحد حسین نشان، غیر مطبوعہ

٣٤٠۔نعت گویانِ سرگودھا، ایضاً ص ١٩٤

٣٤١۔پاکستانی اہلِ قلم کی ڈائریکٹری، نگہت سلیم، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ١٩٩٤ء ص ٥٨

٣٤٢۔عبیرِ غزل، بزمِ فکر و ادب، جھنگری، ١٩٥٩ء ص ٣٢

٣٤٣۔ہمارے اہلِ قلم، ایضاً ص ١٢٦

٣٤٤۔مکتوب قمر حجازی، اوکاڑا، بنام راقم، سرگودھا، ٢٣ اگست ٢٠٠٧ء

٣٤٥۔بات تری ورق ورق، بشیر احمد بشیر، عمیر پبلشرز، اردو بازار لاہور، بار دوم، ١٩٩٦ء ص ٤

٣٤٦۔مکتوب قمر حجازی، ایضاً

Marfat.com

۳۴۷۔ بات تری ورق ورق، ایضاً ص ۸۷

۳۴۸۔ ایضاً ص ۱۲۶

۳۴۹۔ چپ بھی لفظوں کی چھاگل، مصور سبزواری، مشمولہ: ماہنامہ کاغذی پیرہن، لاہور، مئی جون ۲۰۰۵ء، ۳۷

۳۵۰۔ دیکھو دھنک پھیل گئی، وزیر آغا، کاغذی پیرہن لاہور، ۲۰۰۳ء

۳۵۱۔ چپ بھی لفظوں کی چھاگل، وزیر آغا، کتب نما میکلوڈ روڈ، لاہور ۱۹۹۸ء

۳۵۲۔ نوائے انور، پروفیسر ہارون الرشید تبسم، بزمِ علم وفن پاکستان، سرگودھا، ۱۹۹۹ء ص ۱۳

۳۵۳۔ ایضاً ص ۱۸۶

۳۵۴۔ ملاقات عزیز انبالوی، سرگودھا، ۱۴ مارچ ۲۰۰۳ء

۳۵۵۔ ماہنامہ اردو زبان، سرگودھا، مئی جون ۱۹۸۸ء ص ۴۵

۳۵۶۔ ذاتی بیاض، عزیز انبالوی ۱۴ مارچ ۲۰۰۳ء

۳۵۷۔ تاریخ بھیرہ، ایضاً ص ۳۴۸

۳۵۸۔ ہمارے اہلِ قلم، ایضاً ص ۴۶۱

۳۵۹۔ روز نامہ نوائے وقت، راولپنڈی، ۸ فروری ۲۰۰۰ء

۳۶۰۔ وفیاتِ ناموران پاکستان، ایضاً ص ۷۹۰

۳۶۱۔ سخنوران سرگودھا، ایضاً ص ۲۵۵

۳۶۲۔ نعت گویانِ سرگودھا، ایضاً ص ۲۰۵

۳۶۳۔ ماہنامہ اخبارِ اردو، اسلام آباد، مارچ ۲۰۰۰ء

۳۶۴۔ مکتوب پروفیسر محمد منور، لاہور، بنام اخلاق عاطف، سرگودھا، ۱۶ ستمبر ۱۹۸۴ء

۳۶۵۔ حرفِ ملاقات، عمران نقوی، علم وعرفان پبلشرز، مال روڈ، لاہور، ۲۰۰۱ء ص ۶۴

۳۶۶۔ مرزا محمد منور ایک بالغہ، ڈاکٹر محمد صدیق شبلی، مشمولہ: روز نامہ نوائے وقت، اسلام آباد، ۳۰ مئی ۲۰۰۰ء

۳۶۷۔ ماہنامہ اخبارِ اردو، اسلام آباد، مارچ ۲۰۰۰ء

۳۶۸۔ ماہنامہ سیارہ لاہور، مارچ اپریل ۲۰۰۲ء

۳۶۹۔ وفیاتِ ناموران پاکستان، ایضاً ص ۷۹۰

۳۷۰۔ روز نامہ نوائے وقت، لاہور، ۱۱۴ کتوبر ۱۹۹۶ء

۳۷۱۔ ماہی کامران، سرگودھا، جنوری تا مارچ ۱۹۶۱ء

۳۷۲۔ نعت گویان سرگودھا، ایضاً ص ۱۹۹

۳۷۳۔ مکتوب سید محمد حسن واسطی بنام راقم، سرگودھا، ۱۸ مارچ ۲۰۰۶ء

Marfat.com

۳۷۴۔ ملاقات سید محمد حسن واسطی، سرگودھا، ۲۹ جنوری ۲۰۰۷ء

۳۷۵۔ ماہنامہ عارفین، سرگودھا، ستمبر ۱۹۹۲ء

۳۷۶۔ تفسیر تبیین القرآن حصہ اول، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ سید محمد حسین نیلوی، ادارہ گلستان اسلام، سرگودھا، ۱۹۹۷ء ص ۳۹۵

۳۷۷۔ مہکتی ڈال، خیر الدین انصاری، انصاری پبلی کیشنز، جھنگ، ۲۰۰۰ء ص ۸۱

۳۷۸۔ آواز، رفعت سلطان، باہو پبلشرز دربار حضرت سلطان العارفین باہو جھنگ، ۱۹۷۴ء

۳۷۹۔ آفاق، رفعت سلطان، تخلیق مرکز شاہ عالم مارکیٹ لاہور، ۱۹۸۶ء

۳۸۰۔ ساقیا، مسعود ساقیا، راولپنڈی، ۱۹۷۲ء

۳۸۱۔ اردو ماہیا، سید مہدی مدنی، سرگودھا ۱۹۷۶ء

۳۸۲۔ ملاقات ظفر گل، پسر مہدی مدنی، چک نمبر ۱۱۰ ایم ایل تحصیل بھلوال، ۲۸ جولائی ۲۰۰۴ء

۳۸۳۔ ایضاً

۳۸۴۔ ملاقات شوکت راز، مہدی مدنی کا دوست، پھلروان، ۱۹ جولائی ۲۰۰۴ء

۳۸۵۔ اردو ماہیا، ایضاً

۳۸۶۔ سخنوران سرگودھا، ایضاً ص ۲۷۳

۳۸۷۔ اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر، ایضاً ص ۲۳۵

۳۸۸۔ سخنوران سرگودھا، ایضاً ص ۹۶

۳۸۹۔ ایضاً ص ۹۷

۳۹۰۔ لوح مزار، بشیر راجن ادیب، بڑا قبرستان سرگودھا، ۱۵ مئی ۲۰۰۶ء

۳۹۱۔ ہمارے اہل قلم، ایضاً ص ۲۱۱

۳۹۲۔ اب انہیں ڈھونڈھ چراغ رخ زیبا لے کر، ایضاً ص ۱۳۶

۳۹۳۔ ہمارے اہل قلم، ایضاً ص ۲۱۱

۳۹۴۔ اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر، ایضاً ص ۱۳۷

۳۹۵۔ ایضاً ص ۱۳۸

۳۹۶۔ ایضاً ص ۱۳۸، بحوالہ رسالہ الجماعۃ، ۱۸ اگست ۱۹۴۷ء

۳۹۷۔ ماہنامہ نقاد، کراچی، ستمبر ۱۹۵۴ء ص ۶۸

۳۹۸۔ ماہنامہ سفید چھڑی، سرگودھا، نومبر دسمبر ۱۹۹۲ء

۳۹۹۔ ماہنامہ قلم قافلہ، کھاریاں، جون ۱۹۸۴ء

۴۰۰۔ پیش لفظ، ڈاکٹر وزیر آغا، مشمولہ تنہا چاند، عزیز علوی، ندیم پبلی کیشنز سرگودھا، ۱۹۹۳ء

Marfat.com

۴۰۱۔ ملاقات ذوالفقار احسن، سرگودھا، یکم فروری ۲۰۰۶ء
۴۰۲۔ رشتے درد کے، عزیز علوی، ندیم پبلی کیشنز رحمان پورہ سرگودھا، ۱۹۷۴ء
۴۰۳۔ تنہا شانہ، ایضاً
۴۰۴۔ اردو ادب اور عساکرِ پاکستان، جلد اول، حصہ اول، ایضاً ص ۳۱۶
۴۰۵۔ تصویرِ وطن، صابر ملک، ملک پبلی کیشنز، خوشاب، س ن، ص ۵
۴۰۶۔ ہفت روزہ ہلال، راولپنڈی، ۷ مئی ۱۹۶۷ء
۴۰۷۔ دیدۂ خوش آب، ایضاً ص ۹۷
۴۰۸۔ وفیاتِ ناموران پاکستان، ایضاً ص ۴۱۷
۴۰۹۔ تصویرِ وطن، ایضاً
۴۱۰۔ تحریک پاکستان کے کارکن شاعر وادیب۔ عصمت علیگ، پروفیسر ہارون الرشید تبسم، مشمولہ: روزنامہ عوامی رائے، سرگودھا، ۹ فروری ۲۰۰۳ء
۴۱۱۔ نقوشِ سرگودھا، ایضاً ص ۱۱۳
۴۱۲۔ علی حسنین شیفتہ کی تحریر راقم کے پاس موجود ہے۔
۴۱۳۔ اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر، ایضاً ص ۲۲۸
۴۱۴۔ ایضاً ص ۲۳۰
۴۱۵۔ سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۲۱۸
۴۱۶۔ ایضاً ص ۲۴۰
۴۱۷۔ تشدد کی داستان، شیخ مجید افضل پراچہ، افضل سنز بلاک نمبر ۱۱ سرگودھا، ۱۹۷۷ء
۴۱۸۔ تذکارِ بگویہ، جلد دوم، ایضاً ص ۸۷۹
۴۱۹۔ سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۲۴۰
۴۲۰۔ ایضاً ص ۲۴۱، ۲۴۲
۴۲۱۔ The Musing Spring, Muhammad Nazir Shahzada, Iqra Academy Sargodha, 1999
۴۲۲۔ شعریات، محمد نذیر شہزادہ، اقراء اکیڈمی سرگودھا، ۱۹۹۹ء ص ۳
۴۲۳۔ اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر، ایضاً ص ۲۱۸
۴۲۴۔ سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۱۸۳
۴۲۵۔ ایضاً ص ۱۸۴
۴۲۶۔ ایضاً ص ۱۸۵

Marfat.com

۴۲۷۔ واصف علی واصف کا سوانحی خاکہ، ایضاً ص ۵۰

۴۲۸۔ ضلع خوشاب، تاریخ ثقافت ادب، ایضاً ص ۲۹۷

۴۲۹۔ دیدۂ خوش آب، ایضاً ص ۲۹

۴۳۰۔ Daily "The Nation" Lahore, Tuesday, January 19, 1993

۴۳۱۔ واصف علی واصف، احوال و آثار، ایضاً ص ۳۷

۴۳۲۔ ملاقات: علامہ محمد یوسف جبریل، واہ کینٹ، ۲۷ جولائی ۲۰۰۰ء

۴۳۳۔ علامہ محمد یوسف جبریل، حیات وخدمات، ایضاً ص ۱۱۲

۴۳۴۔ ایضاً ص ۱۱۳

۴۳۵۔ شب چراغ، واصف علی واصف، کاشف پبلی کیشنز جوہر ٹاؤن لاہور، س ن ص ۱۸

۴۳۶۔ ایضاً ص ۱۲۸

۴۳۷۔ ملاقات، نصرت چوہدری، سرگودھا، ۷ جون ۲۰۰۲ء

۴۳۸۔ دبستانِ سرگودھا کا روشن ستارہ، نصرت چوہدری، شاکر کنڈان، مشمولہ: سہ ماہی دریچہ انٹرنیشنل پاکستان، سپین، اپریل تا ستمبر ۲۰۰۶ ص ۳۵

۴۳۹۔ زینۂ صدا، نصرت چوہدری، ممتاز نصرت سرگودھا، ۱۹۷۷ء ص ۳۴

۴۴۰۔ بچے پیپل کے، نصرت چوہدری، مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۰ء ص ۵۶

۴۴۱۔ مکتوب نواب علی مخمور، پھلروان، بنام اخلاق عاطف، سرگودھا، ۱۶ مئی ۱۹۸۴ء

۴۴۲۔ ملاقات، رانا سعید دوشی، پھلروان، ۳ جنوری ۲۰۰۸ء

۴۴۳۔ نعت گویانِ سرگودھا، ایضاً ص ۱۷۱

۴۴۴۔ سخن آثار، نعیم ساگر، صنوبر پبلی کیشنز ملتان، ۲۰۰۲ء ص ۱۲۱

۴۴۵۔ ایضاً ص ۱۲۲

۴۴۶۔ ساقی الحسینی، شخصیت وفن، جعفر بلوچ، مشمولہ: اشارات از ساقی الحسینی، مرتبہ: جعفر بلوچ، دار التذکیر اردو بازار لاہور، ۲۰۰۰ء ص ۷

۴۴۷۔ ایضاً ص ۸

۴۴۸۔ تاثرات، پروفیسر عاصی کرنالی، مشمولہ: اشارات، ایضاً ص ۱۹

۴۴۹۔ اشارات، ساقی الحسینی، ایضاً ص ۸۰

۴۵۰۔ ایضاً ص ۱۶

۴۵۱۔ ۱۰۰ مشہور شعراء، جلد ششم، محمد ظفر اقبال، ادارہ شاہین پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۸۵ء ص ۲۰

Marfat.com

۴۵۲۔شعرستان تذکرہ شعرائے پاکستان، ایضاً ص ۵۷

۴۵۳۔وفیات ناموران پاکستان، ایضاً ص ۱۵۵

۴۵۴۔شعرستان، ایضاً

۴۵۵۔ایضاً

۴۵۶۔وفیات ناموران پاکستان، ایضاً

۴۵۷۔پاکستانی اہلِ قلم کی ڈائریکٹری، ایضاً ص ۱۴۴

۴۵۸۔شعرستان، ایضاً ص ۵۹

۴۵۹۔پیش لفظ، رشک ترابی، مشمولہ، چاہتوں کے گلاب از ظہیر الدین ظہیر، الخیر پبلی کیشنز، سرگودھا، ۱۹۹۰ء ص ۲۱

۴۶۰۔چاہتوں کے گلاب، ظہیر الدین ظہیر، ایضاً ص ۲۴۱

۴۶۱۔ایضاً ص ۱۰۱

۴۶۲۔سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۱۸۹

۴۶۳۔روزنامہ ٹھنڈی آگ لالہ موسیٰ، ۲۶ جون ۲۰۰۶ء

۴۶۴۔ماہنامہ ماہِ نو، لاہور، جولائی ۲۰۰۵ء

۴۶۵۔سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۱۱۳

۴۶۶۔ایضاً

۴۶۷۔ملاقات یوسف خالد، سرگودھا، ۲۳ فروری ۲۰۰۸ء

۴۶۸۔اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخِ زیبا لے کر، ایضاً ص ۵۸

۴۶۹۔کتبہ مرقد، سید مصطفیٰ حسین تاجدار دہلوی، بڑا قبرستان سرگودھا

۴۷۰۔سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۱۱۵

۴۷۱۔نقوشِ سرگودھا، ایضاً ص ۵۱

۴۷۲۔سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۳۰۰

۴۷۳۔جانِ رحمت، ایضاً ص ۴۷

۴۷۴۔سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۳۰۰

۴۷۵۔العظمت للہ، احمد حسین رشک ترابی، انصار آرٹ پریس بلاک نمبر ۱۰ سرگودھا، ۲۰۰۱ء ص ۷

۴۷۶۔علامہ رشک ترابی کی شخصیت اور شاعری، طارق محمود، مقالہ برائے ایم اے، گورنمنٹ کالج سرگودھا، ۱۹۹۸ء

۴۷۷۔ماہنامہ نردبان، سرگودھا، اکتوبر نومبر ۱۹۹۲ء

۴۷۸۔مشعل آفاق، رشک ترابی، الفرید مطبوعات اردو بازار سرگودھا، ۱۴۰۲ھ

Marfat.com

۴۷۹۔علامہ رشک ترابی، پروفیسر ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم، بزمِ علم و فن کوٹ فرید، سرگودھا،۲۰۰۳ء

۴۸۰۔علامہ رشک ترابی کی شخصیت اور شاعری، ایضاً

۴۸۱۔تحفۂ درویش، علامہ احمد حسین رشک ترابی، سرگودھا،س ن

۴۸۲۔ملاقات پیر عمران صابر صابری (بھتیجا صاحبزادہ گلزار حسن شاہ)، سرگودھا،۲۵ جنوری ۲۰۰۶ء

۴۸۳۔جنوبی پنجاب، سندھ، بلوچستان میں اولیائے کرام کے قدیمی تاریخی روحانی مقامات، ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ، یاسر اکیڈمی گجرات،۱۹۹۹ء ص ۲۳۶

۴۸۴۔گلزار طیبہ، صاحبزادہ گلزار حسین شاہ صابری، لاہور،۱۹۸۳ء ص ۸۶

۴۸۵۔ایضاً ص ۱۰۱

۴۸۶۔شکیب جلالی فن اور شخصیت، مرتبہ: ذوالفقار احسن، نقش گر پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۷ ص ۱۰

۴۸۷۔کلیات شکیب جلالی، شکیب جلالی، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور،۲۰۰۴ء

۴۸۸۔اپنی بات، ذوالفقار احسن، شکیب جلال فن اور شخصیت، ایضاً ص ۱۰

۴۸۹۔شکیب جلالی، شہزاد احمد، مشمولہ شکیب جلالی فن اور شخصیت، ایضاً ص ۳۶

۴۹۰۔ایضاً

۴۹۱۔شکیب، روشنی اور احسن، شاکر کنڈان، مشمولہ: ماہنامہ روزن انٹرنیشنل گجرات، جون ۲۰۰۵ء

۴۹۲۔روشنی اے روشنی، شکیب جلالی، ماورا پبلشرز بہاولپور روڈ، لاہور،۲۰۰۲ ص ۱۴

۴۹۳۔ایضاً ص ۲۶

۴۹۴۔گجرات بار، ریاض مفتی، گجرات،۱۹۹۴ء ص ۵۲

۴۹۵۔گجرات کی بات، اسحاق آشفتہ، لالہ موسیٰ،۱۹۹۱ء ص ۴۱۳

۴۹۶۔گجرات بار، ایضاً

۴۹۷۔خفتگانِ خاک گجرات، ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ، سلیچ پبلی کیشنز، گجرات،۱۹۹۶ء ص ۲۷۷

۴۹۸۔ماہنامہ زجاج گجرات، جون جولائی ۱۹۹۱ء

۴۹۹۔کونپل، مرتبہ: عبدالرحمٰن رزڑا، کونپل پبلی کیشنز گجرات،۱۹۸۸ء ص ۱۳۸

۵۰۰۔ہمارے اہل قلم، ایضاً ص ۱۷۶

۵۰۱۔مقتل میں چراغ، حسن اختر جلیل، نیرنگِ خیال پبلی کیشنز، راولپنڈی،۱۹۸۶ء

۵۰۲۔ٹیلی فونک رابطہ پروفیسر مظفر حسن منصور (برادر حسن اختر جلیل) جوہر آباد،۳۰ مارچ ۲۰۰۸ء

۵۰۳۔دیدۂ خوش آب، ایضاً ص ۴۰

۵۰۴۔مقتل میں چراغ، ایضاً

۵۰۵۔اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر، ایضاً ص ۲۰۵

Marfat.com

۵۰۶۔ جانِ رحمت، ایضاً ص ۱۱۵

۵۰۷۔ سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۳۳۲

۵۰۸۔ اردو ادب کے فروغ میں خوشاب کا حصہ، ایضاً ص ۲۴۱

۵۰۹۔ دیدۂ خوش آب، ایضاً ص ۷۷

۵۱۰۔ ملاقات قاضی خضر جمال، خوشاب، ۷ جون ۲۰۰۷ء

۵۱۱۔ ایضاً

۵۱۲۔ ماہنامہ اسلوب کراچی، اکتوبر نومبر ۱۹۸۳ء

۵۱۳۔ ہمارے اہلِ قلم، ایضاً ص ۸۳

۵۱۴۔ سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۷۵

۵۱۵۔ ۱۰۰ مشہور ادیب، جلد چہارم، ایضاً ص ۲۳۴

۵۱۶۔ عالمی اردو ادب ۱۹۹۸ء جلد ۱۶، نند کشور وکرم، دہلی ۱۹۹۹ء، ص ۱۹۴

۵۱۷۔ پذیرائی، ملک مقبول احمد، مقبول اکیڈمی لاہور، جنوری ۲۰۰۷ء ص ۵۰

۵۱۸۔ مکتوب اظہر جاوید، مشمولہ: سہ ماہی کامران سرگودھا، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء ص ۴۱

۵۱۹۔ ماہنامہ نیرنگِ خیال، راولپنڈی، سالنامہ ۱۹۷۴ء ص ۲۶۱

۵۲۰۔ ماہنامہ سیپ، کراچی، دسمبر ۱۹۸۹ء ص ۲۶۳

۵۲۱۔ اردو غزل انتخاب ۱۹۷۶ء-۱۹۷۹ء، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۰ء ص ۴۷

۵۲۲۔ ملاقات، سلیم حسن مرزا، سرگودھا، ۳ جنوری ۲۰۰۸ء

۵۲۳۔ ایضاً

۵۲۴۔ ملاقات، شفیع ضامن، راولپنڈی، ۲۳ اپریل ۲۰۰۰ء

۵۲۵۔ تمنا بے تاب، ڈاکٹر رشید امجد، حرف اکادمی پشاور روڈ، راولپنڈی، ۲۰۰۱ء ص ۲۲۷

۵۲۶۔ ٹیلی فونک رابطہ، پروفیسر ڈاکٹر عابد سیال، اسلام آباد، ۷ اپریل ۲۰۰۸ء

۵۲۷۔ اردو ادب کے فروغ میں خوشاب کا حصہ، ایضاً ص ۲۳۱

۵۲۸۔ ماہنامہ فنون لاہور، اکتوبر نومبر ۱۹۷۷ء ص ۲۴۱

۵۲۹۔ ہم نے شامیں سجائیں غزل در غزل، گل شیر بٹ، الحمد پبلی کیشنز رانا چیمبرز لیک روڈ لاہور، ۱۹۹۷ء ص ۱۴۴

۵۳۰۔ مکتوب ثاقب ملک، ہردو سودھی، بنام راقم، سرگودھا، ۱۳ فروری ۲۰۰۵ء

۵۳۱۔ اردو ادب کے فروغ میں خوشاب کا حصہ، ایضاً ص ۸۲

۵۳۲۔ سانول سُر سنگیت، ثاقب ملک، ماڈرن بک ڈپو میلوڈی مارکیٹ اسلام آباد، ۱۹۹۲ء ص ۹

Marfat.com

۵۳۳۔سُلگتی چاندنی، ثاقب ملک، ماڈرن بک ڈپو میلوڈی مارکیٹ اسلام آباد، ۲۰۰۶ص ۴۲

۵۳۴۔سانول سُر سنگیت، ایضاً ص ۵۳

۵۳۵۔ملاقات محمد صفدر خان، سرگودھا، ۱۵اپریل ۲۰۰۵ء

۵۳۶۔نعت گویانِ سرگودھا، ایضاً ص ۳۱۸

۵۳۷۔عاشق تے دریام، افتخار وڑائچ کالروی، سُر سانجھ پنجاب کالرہ دیوان سنگھ (گجرات)، ۲۰۰۹ء ص ۳۵۷

۵۳۸ہفت روزہ تازیانہ، گجرات، ۳۱دسمبر ۱۹۷۴ء

۵۳۹ہفت روزہ تازیانہ، گجرات، ۱۴مارچ ۲۰۱۱ء

۵۴۰۔سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۱۷۴

۵۴۱۔فشار (کلیات) شوکت راز، شوکت راز اکیڈمی بھلروان (سرگودھا)، ۲۰۰۳ء ص ۵

۵۴۲۔آئینۂ احساس، ڈاکٹر شفقت قاضی، انجمن ارباب ذوق حجرہ شاہ مقیم ضلع اوکاڑہ، ۱۹۸۶ء، ص ۲۱۲

۵۴۳۔مکتوب شوکت راز، بھلروان، بنام: اخلاق عاطف، سرگودھا، ۲۷فروری ۱۹۸۵ء

۵۴۴۔ردِ عمل، شوکت راز، مکتبہ فکر و شعور بھلروان (سرگودھا) ۱۹۹۰ء، فلیپ

۵۴۵۔ایضاً ص ۹۰

۵۴۶۔توشہ، شوکت راز، شوکت راز اکیڈمی بھلروان (سرگودھا)، ۲۰۰۱ء ص ۹۱

۵۴۷۔حضرت خواجہ نظام الدین کا خانقاہی پس منظر، طارق حبیب، مشمولہ: سہ ماہی شبیہ، خوشاب (حضرت غلام نظام الدین نمبر) جنوری ۱۹۹۷ء تا ستمبر ۱۹۹۸ء ص ۳۸

۵۴۸۔حضرت خواجہ غلام نظام الدین۔ احوال و سوانح، مشمولہ: سہ ماہی شبیہ، ایضاً ص ۵۰

۵۴۹۔حضرت خواجہ غلام نظام الدین کا خانقاہی پس منظر، ایضاً ص ۳۸

۵۵۰۔سہ ماہی شبیہ، ایضاً ص ۱۶۷

۵۵۱۔ایضاً ص ۱۷۳

۵۵۲۔نعت گویانِ سرگودھا، ایضاً ص ۲۴۵

۵۵۳۔خودنوشت، حاجی گل بخشالوی، قلم قافلہ کھاریاں، ۱۹۸۷ء ص ۱۱۴

۵۵۴۔بزمِ رسالت، حاجی گل بخشالوی، قلم قافلہ کھاریاں، ۱۹۸۵ء ص ۲۱۶

۵۵۵۔جانِ رحمت، ایضاً ص ۱۶۴

۵۵۶۔خودنوشت، ایضاً ص ۱۱۴

۵۵۷۔ہڈالی دے بحرے پھل، محمد علی اسد بھٹی، مشمولہ، مہینہ وار پنجابی ادب، لاہور اپریل ۲۰۱۲ء

۵۵۸۔ماہنامہ دنیائے ادب، کراچی، ستمبر ۲۰۰۲ء

Marfat.com

۵۵۹۔ ملاقات پروانہ شاہ پوری، سرگودھا، ۲۷ دسمبر ۲۰۰۵ء

۵۶۰۔ ملاقات پروانہ شاہ پوری، سرگودھا، ۱۷ اپریل ۱۹۹۸ء

۵۶۱۔ ملاقات پروانہ شاہ پوری، سرگودھا، ۲۷ دسمبر ۲۰۰۵ء

۵۶۲۔ ہمارے اہلِ قلم، ایضاً ص ۱۵۳

۵۶۳۔ پاکستانی اہلِ قلم کی ڈائریکٹری، ایضاً ص ۶۹

۵۶۴۔ فاصلے مجبوریاں اور انتظار، مرتبہ: طاہر محمود نوید، عباس پبلی کیشنز بہاولپور، ۱۹۹۸ء ص ۷۳

۵۶۵۔ نعتِ حضورؐ اور سرگودھا کے شعراء، شاکر کنڈان، ماہنامہ نعت، لاہور، ستمبر ۱۹۹۸ء

۵۶۶۔ فضل القرآن، محمد نواز نسیم (مرحوم)، ادارہ انجمن آستانِ فضل سرگودھا س ن

۵۶۷۔ وفیاتِ ناموران پاکستان، ایضاً ص ۱۱۲

۵۶۸۔ ماہنامہ اخبار اردو، اسلام آباد، اپریل مئی ۲۰۰۲ء

۵۶۹۔ ماہنامہ شاعر، بمبئی (ہم عصر اردو ادب نمبر) مئی ۱۹۹۷ء تا دسمبر ۱۹۹۸ء (جلد اول)

۵۷۰۔ ہمارے اہلِ قلم، ایضاً ص ۵۹

۵۷۱۔ سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۶۰

۵۷۲۔ خوابوں کے بے نام جزیرے، اختر امان، یاسر پبلشرز، اسلام آباد، ۱۹۸۰ء

۵۷۳۔ خاکی خاکے، سید ضمیر جعفری، مشمولہ: ماہنامہ نیرنگِ خیال راولپنڈی، مارچ ۱۹۸۸ء

۵۷۴۔ سخنورانِ سرگودھا، ایضاً ص ۶۰

۵۷۵۔ خوابوں کے بے نام جزیرے، ایضاً ص ۹

۵۷۶۔ ایضاً ص ۵۴

۵۷۷۔ ایضاً ص ۱۶

۵۷۸۔ مکتوب عاشق حسین عاشق، راولپنڈی، بنام راقم، ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۹ء

۵۷۹۔ تذکرہ نعت گویانِ راولپنڈی، اسلام آباد، قمر رعینی، انجمن پبلشرز، کمال آباد، راولپنڈی، ۲۰۰۳ء ص ۵۵

۵۸۰۔ مکتوب عاشق حسین عاشق، ایضاً

۵۸۱۔ ایضاً

۵۸۲۔ ملاقات ورد بزمی ابن عاشق حسین عاشق، سرگودھا، ۲۰ دسمبر ۲۰۰۸ء

۵۸۳۔ نعت گویانِ سرگودھا، ایضاً ص ۳۳۳

۵۸۴۔ مکتوب ندیم حیدر بلوچ، جوہر آباد، بنام راقم، سرگودھا، ۱۵ فروری ۲۰۰۵ء

۵۸۵۔ ملاقات ندیم حیدر بلوچ جوہر آباد، ۲۵ ستمبر ۲۰۰۳ء

Marfat.com

۵۸۶۔ ٹیلی فونک رابطہ، ملک محمد حسین، جوہر آباد، ۱۶ فروری ۲۰۰۸ء
۵۸۷۔ نیم تاریک سڑک، ندیم حیدر بلوچ، جوہر آباد، ۲۰۰۰ء ص ۳۰
۵۸۸۔ ایضاً ص ٦٦
۵۸۹۔ سہ ماہی نالۂ دل، بھیرہ، اپریل ۲۰۱۰ء ص ۴۷
۵۹۰۔ سخنوران سرگودھا، ایضاً ص ۴۰۰
۵۹۱۔ اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر، ایضاً ص ۱۸۴
۵۹۲۔ ایضاً
۵۹۳۔ جادہ پیما (گورنمنٹ ایم اے کا سرگودھا کا مجلہ)، ۲۰۰۱ء ص ۳۲۴
۵۹۴۔ جانِ رحمت، ایضاً ص ۹۸
۵۹۵۔ سہ ماہی شبیہ، خوشاب اکتوبر ۱۹۹۸ء تا مارچ ۱۹۹۹ء ص ۵۱
۵۹۶۔ ٹیلی فونک رابطہ طفیل ثاقب، سرگودھا، ۱۹ اپریل ۲۰۰۸ء
۵۹۷۔ ملاقات، طفیل ثاقب، سرگودھا، ۸ جولائی ۲۰۰۸ء
۵۹۸۔ سہ ماہی شبیہ، خوشاب، اپریل تا ستمبر ۱۹۹۹ء ص ٦۷
۵۹۹۔ مکتوب حنیف ساجد، بھلوان، بنام راقم، سرگودھا، ۱۲ اپریل ۲۰۰۴ء
٦۰۰۔ خورشید بطحا، حنیف ساجد، تابش پبلی کیشنز، سرگودھا، ۲۰۰٦ء
٦۰۱۔ خاک پیما، حنیف ساجد، تابش پبلی کیشنز، سرگودھا، ۱۹۹۴ء
٦۰۲۔ اقلیم کرب، حنیف ساجد، تابش پبلی کیشنز، سرگودھا، ۲۰۰۴ء
٦۰۳۔ نعت گویان سرگودھا، ایضاً ص ۲۴۳
٦۰۴۔ دیدۂ خوش آب، ایضاً ص ٦۱
٦۰۵۔ ایضاً
٦۰٦۔ جوہر، مجلہ، گورنمنٹ کالج جوہر آباد، ۱۹٦۸ء۔۱۹٦۹ء ص ۷۵
٦۰۷۔ دیدۂ خوش آب، ایضاً ص ٦۲
٦۰۸۔ دیدۂ خوش آب، ایضاً ص ٦۴
٦۰۹۔ اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر، ایضاً ص ۲۳۸
٦۱۰۔ روزنامہ مشرق، لاہور، ۳۱ جنوری ۱۹۸۰ء
٦۱۱۔ سخنوران سرگودھا، ایضاً ص ۳۳۹
٦۱۲۔ ملاقات، بھائی ظفر و اشفاق وفی، ساہیوال ضلع سرگودھا، ۲۹ جولائی ۲۰۱۲ء

Marfat.com

۶۱۳۔ سہ ماہی دریچہ انٹرنیشنل، پاکستان، چین، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۷ء

۶۱۴۔ عالمی اردو ادب نمبر ۱۹۹۸، ایضاً

۶۱۵۔ تاریخ رفتگاں، جلد دوم، صابر براری، ادارہ فکرِ نو کورنگی، کراچی، ۱۹۹۸ء

۶۱۶۔ ہمارے اہلِ قلم، ایضاً ص ۱۵۸

۶۱۷۔ تارے کو مہتاب کیا، جمال احسانی، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۱۹۹۸ء

۶۱۸۔ سفر ہم سفر، راغب شکیب، مکتبہ ہم زبان، کراچی، ۱۹۹۸ء

۶۱۹۔ ہفت روزہ اخبار جہاں، کراچی، ۹ تا ۱۵ مارچ ۱۹۹۸ء

۶۲۰۔ میرے اجنبی میرے آشنا، اعتبار ساجد، ماہنامہ سپوتنک لاہور، جنوری ۲۰۰۰ء

۶۲۱۔ نعت گویانِ سرگودھا، ایضاً ص ۲۴۷

۶۲۲۔ عالمی اردو ادب نمبر ۱۹۹۸ء، ایضاً

۶۲۳۔ ستارۂ سفر، جمال احسانی، شعیب پبلشرز علامہ اقبال روڈ، لاہور، دوسرا ایڈیشن، ۱۹۸۳ء

۶۲۴۔ ایضاً

۶۲۵۔ ضلع خوشاب، تاریخ ثقافت ادب، ایضاً ص ۳۱۴

۶۲۶۔ سہ ماہی شبیہ، خوشاب، جون ۱۹۹۳ ص ۳۸

۶۲۷۔ مکتوب عفیفہ بتول (بیوہ اے۔ ایچ انیس) ساہیوال (سرگودھا) بنام راقم، سرگودھا، ۱۸ ستمبر ۲۰۰۵ء

۶۲۸۔ ایضاً

۶۲۹۔ جانِ رحمت، ایضاً ص ۹۳

۶۳۰۔ ماہنامہ قلم قافلہ، کھاریاں، اپریل مئی ۱۹۹۱ء

۶۳۱۔ اردو ادب اور عساکرِ پاکستان، جلد اول، حصہ اول، ایضاً ص ۲۹۲

۶۳۲۔ ملاقات، بیوہ عبدالستار آثم، سرگودھا، ۲۸ جنوری ۲۰۰۶ء

۶۳۳۔ ایضاً

۶۳۴۔ ماہنامہ "شمع" کراچی، فروری ۱۹۸۷ء ص ۴۰

۶۳۵۔ سوچ رت، حاجی گل بخشالوی، ادارہ علم و فن پاکستان، کھاریاں، ۱۹۸۴ء ص ۱۳۳

۶۳۶۔ ملاقات مقصود راہی، سرگودھا، ۱۳ جون ۱۹۹۸ء

۶۳۷۔ نعت گویانِ سرگودھا، ایضاً ص ۲۵۴

۶۳۸۔ اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر، ایضاً ص ۱۹۵

۶۳۹۔ ماہنامہ نردبان، سرگودھا، جولائی اگست ۱۹۹۹ء

Marfat.com

۶۴۰۔ نقوشِ سرگودھا، ایضاً ص ۹۶

۶۴۱۔ دیباچہ شاکر کنڈان، مشمولہ: تجلیات از صلاح الدین ساجد، ساگر پبلشرز پھلروان، ۲۰۰۸ء

۶۴۲۔ سخن آثار، ایضاً ص ۲۷

۶۴۳۔ تجلیات، صلاح الدین ساجد (مرحوم) ایضاً ص ۷۳

۶۴۴۔ ایضاً ص ۸۹

۶۴۵۔ ضلع خوشاب، تاریخ، ثقافت، ادب، ایضاً ص ۳۲۱

۶۴۶۔ سہ ماہی شبیہ، خوشاب، دسمبر ۱۹۹۲ء

۶۴۷۔ مشاعرہ، خوشاب، ۲۱ دسمبر ۱۹۸۵ء

۶۴۸۔ دیدۂ خوش آب، ایضاً ص ۱۲۹

۶۴۹۔ اردو ادب کے فروغ میں خوشاب کا حصہ، ایضاً ص ۲۳۶

۶۵۰۔ دیدۂ خوش آب، ایضاً ص ۱۲۹

۶۵۱۔ ایضاً ص ۱۳۲

۶۵۲۔ ایضاً ص ۱۳۰

۶۵۳۔ ملاقات، یوسف خورشید، چاوہ، ۴ ستمبر ۲۰۰۵ء

۶۵۴۔ ایضاً

۶۵۵۔ آئینوں کے اپنے دکھ، یوسف خورشید، علم و عرفان پبلشرز اردو بازار لاہور، ۲۰۰۲ء ص ۱۴

۶۵۶۔ ایضاً ص ۲۴

۶۵۷۔ ایضاً ص ۵۷

۶۵۸۔ ملاقات سید معرفت ہمدانی، سرگودھا، ۶ فروری ۲۰۰۳ء

۶۵۹۔ سید معرفت ہمدانی کی بیاض، مشمولہ: سہ ماہی دریچہ انٹرنیشنل، پاکستان، چین، مارچ ۲۰۰۸ء ص ۴

۶۶۰۔ محبت کے اسرار و رموز اور پاکیزگیوں کا شاعر، شاکر کنڈان، مشمولہ: میری شرط محبت ہے از معرفت ہمدانی، نستعلیق مطبوعات، لاہور ۲۰۰۶ء ص ۹

۶۶۱۔ میری شرط محبت ہے، سید معرفت ہمدانی، ایضاً ص ۳۷

۶۶۲۔ ایضاً ص ۱۱۷

۶۶۳۔ ملاقات، عامر انصاری، پھلروان، ۶ اگست ۲۰۰۴ء

۶۶۴۔ جدائی، عامر انصاری، عامر اکیڈمی، پھلروان، ۲۰۰۰ء

۶۶۵۔ ماہنامہ دنیائے ادب، کراچی، اکتوبر ۲۰۰۴ء

Marfat.com

۶۶۶۔ زرد آدمی، عامر انصاری، عامر اکیڈمی، بھلر وال، س ن

۶۶۷۔ ملاقات، ذوالفقار احسن (شاہد راہی کا دوست) سرگودھا، ۱۰ جولائی ۲۰۰۵ء

۶۶۸۔ مری مفلسی مرا جرم ہے، شاہد راہی، ایمی پبلشرز بلال گنج، لاہور، ۲۰۰۱ء ص ۸

۶۶۹۔ ایضاً ص ۲۷

۶۷۰۔ ایضاً ص ۳۲

۶۷۱۔ ملاقات، ساغر چشتی، خوشاب، ۱۷ جولائی ۲۰۰۴ء

۶۷۲۔ دیدۂ خوش آب، ایضاً ص ۱۸۱

۶۷۳۔ ایضاً ص ۱۸۲

۶۷۴۔ ایضاً ص ۱۸۴

کتابیات

۱۔ آداب نعت، صوفی فقیر محمد، ادارہ گلستانِ اسلام، سرگودھا ۲۰۰۳ء

۲۔ آفاق، رفعت سلطان، تخلیق مرکز شاہ عالم مارکیٹ، لاہور ۱۹۸۶ء

۳۔ آواز، رفعت سلطان، باہو پبلشرز دربار حضرت سلطان العارفین باہو، جھنگ ۱۹۷۴ء

۴۔ آئینوں کے اپنے دکھ، یوسف خورشید، علم و عرفان پبلشرز، اردو بازار، لاہور ۲۰۰۶ء

۵۔ آئینہ احساس، ڈاکٹر شفقت قاضی، انجمن ارباب ذوق حجرہ شاہ مقیم ضلع اوکاڑہ ۱۹۸۶ء

۶۔ آئینہ حق نما، مولوی محمد امین خوشابی، قومی کتب خانہ، ریلوے روڈ، لاہور، س ن

۷۔ اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر، پروفیسر ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم، بزمِ علم و فن کوٹ فرید، سرگودھا ۲۰۰۳ء

۸۔ احادیثِ اربعین فی شانِ رئیس الغربین، غلام سرور نعیمی، سرگودھا ۱۴۰۸ھ

۹۔ احمد ندیم قاسمی عالمی سیمینار و مشاعرہ، اظہار حیدر، پاک ادب سوسائٹی ابوظہبی ۱۹۸۸ء

۱۰۔ اردو ادب اور عساکرِ پاکستان جلد اول حصہ اول، شاکر کنڈان، ادارہ فروغ ادب پاکستان، کنڈان ۱۹۹۷ء

۱۱۔ اردو غزل انتخاب ۱۹۷۶ء تا ۱۹۷۹ء، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد ۱۹۸۰ء

۱۲۔ اردو ماہیا، سید مہدی مدنی، سرگودھا ۱۹۷۶ء

۱۳۔ اشارات، ساقی الحسینی، مرتبہ: جعفر بلوچ، دار التذکیر اردو بازار، لاہور ۲۰۰۰ء

۱۴۔ اظہار حقیقت، باوا محمد عمر رند خوشابی، سرگودھا، س ن

۱۵۔ اقلیم کرب، حنیف ساجد، تابش پبلی کیشنز، سرگودھا ۲۰۰۴ء

۱۶۔ اک ذرا شام سے پہلے، غلام جیلانی اصغر، راحیل ایسوسی ایٹ، کلب روڈ سرگودھا ۲۰۰۲ء

۱۷۔ العظمت للہ، احمد حسین رشک ترابی، انصار آرٹ پریس، سرگودھا ۲۰۰۱ء

Marfat.com

۱۸۔ انتخاب، حلقہ ارباب ذوق گجرات، طاہر پبلی کیشنز، گجرات ۱۹۷۳ء

۱۹۔ انہماک، سید اقبال محمد صوفی نقوی، الکاظم پبلی کیشنز، بھلوال، س ن

۲۰۔ باب الاعوان، مولوی نورالدین سلیمانی، لاہور ۱۳۱۹ھ

۲۱۔ باب جبریل، غلام فخرالدین سیالوی، رہبر پرنٹرز ایبٹ روڈ، لاہور، س ن

۲۲۔ بات ترقی ورق ورق، بشیر احمد بشیر، عمیر پبلشرز، اردو بازار، لاہور، دوم ۱۹۹۶ء

۲۳۔ بزم رسالت، حاجی گل بخشالوی، قلم قافلہ، کھاریاں ۱۹۸۵ء

۲۴۔ بساط، مرتبہ: ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، مکتبہ کوہسار برہ پور، بھاگلپور، انڈیا ۱۹۸۹ء

۲۵۔ بوستان خلیل، خلیل بدایونی، سرگودھا ۲۰۰۳ء

۲۶۔ بہر زماں بہر زباںؑ، نور احمد میرٹھی، ادارہ فکر نو، کورنگی کراچی ۱۹۹۶ء

۲۷۔ بیسویں صدی کے رسول نمبر تحقیقی و تعارفی جائزہ، پروفیسر محمد اقبال جاوید، فروغ ادب اکادمی گوجرانولہ ۱۹۹۹ء

۲۸۔ پاکستانی اہل قلم کی ڈائریکٹری، نگہت سلیم، اکادمی ادبیات، اسلام آباد ۱۹۹۴ء

۲۹۔ پتے پیپل کے، نصرت چوہدری، مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار لاہور ۲۰۰۰ء

۳۰۔ پذیرائی، ملک مقبول احمد، مقبول اکیڈمی لاہور، جنوری ۲۰۰۷ء

۳۱۔ پنجابی ادب دی کہانی، عبدالغفور قریشی، پنجابی ادبی بورڈ، لاہور ۱۹۸۷ء

۳۲۔ پھل کزانہ باردے، ملک جاوید کنجیرا، راوی پبلشرز اردو بازار لاہور ۱۹۹۳ء

۳۳۔ تاریخ بھیرہ، ابوشاہین فاروقی ہفت روزہ تبسم، سرگودھا، دوم ۱۹۹۳ء

۳۴۔ تاریخ رفتگاں، جلد دوم، صابر براری، ادارہ فکر نو، کورنگی، کراچی، ۱۹۹۸ء

۳۵۔ تاریخ مشائخ نقشبندیہ، پروفیسر صاحبزادہ محمد عبدالرسول للّٰہی، زاویہ، دربار مارکیٹ، لاہور ۲۰۰۰ء

۳۶۔ تارے کو مہتاب کیا، جمال احسانی، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۱۹۹۸ء

۳۷۔ تحفۂ درویش، علامہ احمد حسین رشک ترابی، سرگودھا، س ن

۳۸۔ تذکار بگویہ جلد اول، ڈاکٹر صاحبزادہ انوار احمد بگوی، مرکزی مجلس حزب الانصار پاکستان، بھیرہ، دوم، ۲۰۰۷ء

۳۹۔ تذکار بگویہ جلد دوم، ڈاکٹر صاحبزادہ انوار احمد بگوی، مرکزی مجلس حزب الانصار پاکستان، بھیرہ، ۲۰۰۹ء

۴۰۔ تذکرہ، صاحبزادہ ابرار احمد بگوی، لمعات احمد بگوی، مرکزی مجلس حزب الانصار پاکستان، بھیرہ ۱۳۲۴ھ

۴۱۔ تذکرہ علمائے پنجاب، حصہ دوم، اختر راہی، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۱ء

۴۲۔ تذکرہ ماہ و سال، مالک رام، مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ۱۹۹۱ء

۴۳۔ تذکرہ نعت گویان راولپنڈی/اسلام آباد (قمر رعینی، انجم پبلشرز، کمال آباد، راولپنڈی)، ۲۰۰۳ء

۴۴۔ تشدد کی داستان، شیخ محمد افضل پراچہ، افضل سنز بلاک نمبر ۱۱، سرگودھا، ۱۹۷۷ء

Marfat.com

۴۵۔ تصویرِ وطن، صابر ملک، ملک پبلی کیشنز، خوشاب، س ن
۴۶۔ تفسیر تبیین القرآن، حصہ اول، شیخ القرآن والتفسیر حضرت علامہ سید محمد حسین نیلوی، ادارہ گلستانِ اسلام، سرگودھا، ۱۹۹۷ء
۴۷۔ تفکراتِ فراق، فراق کنگروی، ترتیب و انتخاب: قیوم رانا، نقش گر راولپنڈی، س ن
۴۸۔ تقویمِ تاریخی، عبدالقدوس ہاشمی، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، دوم، ۱۹۸۷ء
۴۹۔ تمنائے تاب، ڈاکٹر رشید امجد، حرف اکادمی پشاور روڈ، راولپنڈی ۲۰۰۱ء
۵۰۔ تنقیدی اشکال، غلام نبی اعوان، اسامہ ٹریڈرز مسجد روڈ، کوئٹہ ۱۹۹۳ء
۵۱۔ تنہا چاند، عزیز علوی، ندیم پبلی کیشنز سرگودھا ۱۹۹۳ء
۵۲۔ توشہ، شوکت راز، شوکت راز اکیڈمی پھلروان ۲۰۰۱ء
۵۳۔ جانِ رحمت، مرتبہ: اخلاق عاطف، مجلسِ خدامِ اسلام، سرگودھا، ۱۹۸۵ء
۵۴۔ جدائی، عامر انصاری، عامر اکیڈمی، پھلروان ۲۰۰۰ء
۵۵۔ جذباتِ دل، میاں فضل الرحمٰن بسمل، انجینئر محمود مجیب اصغر، ۲۰۰۲ء
۵۶۔ جمالِ بدر، بدرالدین بدر، سرگودھا، ۱۹۷۸ء
۵۷۔ جنوبی پنجاب سندھ، بلوچستان میں اولیائے کرام کے قدیمی تاریخی روحانی مقامات، ایم زمان کھوکھر، یاسر اکیڈمی گجرات ۱۹۹۹ء
۵۸۔ جنہیں ہم بھول بیٹھے ہیں، پروفیسر ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم، بزمِ علم وفن کوٹ فرید، سرگودھا ۲۰۰۳ء
۵۹۔ چاہتوں کے گلاب، ظہیر الدین ظہیر، الخیر پبلی کیشنز، سرگودھا ۱۹۹۰ء
۶۰۔ چہک اٹھی لفظوں کی چھاگل، وزیر آغا، کتاب نما میکلوڈ روڈ، لاہور ۱۹۹۸ء
۶۱۔ حرفِ ملاقات، عمران نقوی، علم و عرفان پبلشرز مال روڈ لاہور ۲۰۰۱ء
۶۲۔ خاکِ مینا، حنیف ساجد، تابش پبلی کیشنز، سرگودھا ۱۹۹۴ء
۶۳۔ خفتگانِ خاکِ گجرات، ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ، سلیچ پبلی کیشنز، گجرات ۱۹۹۶ء
۶۴۔ خفتگانِ خاک لاہور، پروفیسر محمد اسلم، ادارہ تحقیقاتِ پاکستان، دانشگاہ پنجاب لاہور ۱۹۹۳ء
۶۵۔ خوابِ جبریل، علامہ محمد یوسف جبریل، ادارہ افکار جبریل واہ کینٹ، س ن
۶۶۔ خوابوں کے بے نام جزیرے، اختر امان، یاسر پبلشرز، اسلام آباد ۱۹۸۰ء
۶۷۔ خودنوشت، حاجی گل بخشالوی، قلم قافلہ کھاریاں، ۱۹۸۷ء
۶۸۔ خورشید بطحا، حنیف ساجد، تابش پبلی کیشنز، سرگودھا ۲۰۰۶ء
۶۹۔ خوش کلام، غلام جیلانی اصغر، پرویز بزمی، نقش گر پبلی کیشنز راولپنڈی ۲۰۰۶ء
۷۰۔ خیابانِ بدر، بدرالدین بدر، سرگودھا ۱۹۸۵ء
۷۱۔ خیابانِ نجات، سید وزیر حسین شیرازی، مکتبہ حکیمین بلاک نمبر ۱۹ سرگودھا ۱۹۷۷ء

Marfat.com

۷۲۔ خیر البشرؐ کے حضور، ممتاز حسن، ادارہ فروغ اردو، لاہور ۱۹۷۵ء

۷۳۔ داستانِ سرگودھا، افضال حسین انصاری، پندرہ روزہ اکبر حافظ آباد ۲۰۰۷ء

۷۴۔ داغ بیل، الطاف مشہدی، عوامی کتاب خانہ، سرگودھا ۱۹۵۰ء

۷۵۔ دشتِ وفا، احمد ندیم قاسمی، التحریر اردو بازار، لاہور چہارم ۱۹۸۱ء

۷۶۔ دیدۂ خوش آب، بدر منیر، خزینۂ علم وادب، اردو بازار لاہور ۲۰۰۳ء

۷۷۔ دیکھ دھنک پھیل گئی، وزیر آغا، کاغذی پیرہن لاہور ۲۰۰۳ء

۷۸۔ دیوانِ خادم، جمعدار ملک خادم حسین خان، لکھنؤ اول ۱۹۴۴ء

۷۹۔ دیوانِ خادم، کپتان ملک خادم حسین خان، دارالتجلید اردو بازار لاہور، ایڈیشن دوم ۱۹۵۶ء

۸۰۔ دیوانِ عیش، عیش بخاری، کلیار ٹاؤن سرگودھا، س ن

۸۱۔ دیوانِ قیصر، ڈاکٹر محمد شریف قیصر، تازیانہ پبلی کیشنز، گجرات، س ن

۸۲۔ ردِ عمل، شوکت راز، راز اکیڈمی، پھلروان سرگودھا ۲۰۰۱ء

۸۳۔ رشتے درد کے، عزیز علوی، ندیم پبلی کیشنز، برھان پورہ، سرگودھا ۱۹۷۴ء

۸۴۔ روشنی اے روشنی، شکیب جلالی، ماورا پبلشرز بہاولپور روڈ لاہور ۲۰۰۲ء

۸۵۔ زرد آدمی، عامر انصاری، عامر اکیڈمی پھلروان، س ن

۸۶۔ زینۂ صدا، نصرت چوہدری، ممتاز نصرت سرگودھا ۱۹۷۷ء

۸۷۔ ساقیا، مسعود ساقیا، راولپنڈی ۱۹۷۲ء

۸۸۔ سانول سُر سنگیت، ثاقب ملک، ماڈرن بک ڈپو، میلوڈی مارکیٹ، اسلام آباد ۲۰۰۶ء

۸۹۔ ستارۂ سفر، جمال احسانی، شعیب پبلشرز علامہ اقبال روڈ، لاہور، دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۳ء

۹۰۔ سخن آثار، نعیم ساگر، صنوبر پبلی کیشنز ملتان ۲۰۰۲ء

۹۱۔ سخنورانِ جہلم، قاضی غلام کبریا راحل، جہلم ۱۹۶۲ء

۹۲۔ سخنورانِ سرگودھا، محمود اسیر، ادارہ شاہکارِ ادب، سرگودھا ۱۹۸۳ء

۹۳۔ سفر ہم سفر، راغب شکیب، مکتبہ ہم زبان، کراچی ۱۹۹۸ء

۹۴۔ سلسلہ طیبہ نقشبندیہ مجددیہ، حضرت مولانا محمد شفیع سرگودھوی، خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ کندیاں شریف ۱۴۲۵ھ

۹۵۔ سلگتی چاندنی، ثاقب ملک، ماڈرن بک ڈپو میلوڈی مارکیٹ، اسلام آباد ۲۰۰۶ء

۹۶۔ ۱۰۰ مشہور ادیب، جلد چہارم، محمد ظفر اقبال، ادارہ شاہین پبلی کیشنز، کراچی ۱۹۸۵ء

۹۷۔ ۱۰۰ مشہور شعراء، جلد ششم، محمد ظفر اقبال، ادارہ شاہین پبلی کیشنز، کراچی ۱۹۸۵ء

۹۸۔ سوچ رت، حاجی گل بخشالوی، ادارہ علم وفن پاکستان، کھاریاں ۱۹۸۴ء

Marfat.com

۹۹۔ سوزِ جبریل، علامہ محمد یوسف جبریل، ادارہ افکار جبریل واہ کینٹ ۲۰۰۷ء
۱۰۰۔ سہ حرفی مع غزل وکافی، مولوی عبدالمجید، کرم الدین تاجران کتب، لاہور س ن
۱۰۱۔ شاخِ گل، الطاف مشہدی، ملک دین محمد اینڈ سنز اشاعت منزل، لاہور ۱۹۵۴ء
۱۰۲۔ شب چراغ، واصف علی واصف، کاشف پبلی کیشنز جوہر ٹاؤن لاہور، س ن
۱۰۳۔ شخصیاتِ سرحد، محمد شفیع صابر، یونیورسٹی بک ایجنسی، پشاور ۱۹۸۹ء
۱۰۴۔ شعرستان (تذکرہ شعرائے پاکستان) نعمان تاثیر ومظہر صدیقی، مکتبہ پرچم، حسن آفندی روڈ، کراچی ۱۹۵۲ء
۱۰۵۔ شعریات، محمد نذیر شیر زادہ، اقراء اکیڈمی سرگودھا ۱۹۹۹ء
۱۰۶۔ شکیب جلالی فن اور شخصیت، مرتبہ: ذوالفقار احسن، نقش گر پبلی کیشنز، راولپنڈی ۲۰۰۷ء
۱۰۷۔ شہرِ غزل، بزمِ فکروادب، منٹگمری ۱۹۵۹ء
۱۰۸۔ صدقِ اکبر، عبدالغنی ناز، خورشید بک ڈپو پھل ضلع سرگودھا ۱۹۶۲ء
۱۰۹۔ ضلع خوشاب تاریخ ثقافت ادب، امتیاز حسین امتیاز، پاکستانی پنجابی ادبی بورڈ، لاہور ۱۹۹۹ء
۱۱۰۔ عاشق تے دریام، افتخار وڑائچ کالروی، مترسانجھ پنجاب، کالرہ دیوان سنگھ، گجرات ۲۰۰۹ء
۱۱۱۔ عالمی اردو ادب نمبر ۱۹۹۸، جلد ۱۶، نند کشور وکرم، دہلی ۱۹۹۹ء
۱۱۲۔ عجلت، صلاح الدین ساجد، ساگر پبلشرز، پھلروان ۲۰۰۸ء
۱۱۳۔ علامہ رشک ترابی، پروفیسر ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم، بزمِ علم وفن کوٹ فرید، سرگودھا، ۲۰۰۳ء
۱۱۴۔ علامہ یوسف جبریل، حیات وخدمات، ڈاکٹر تصدق حسین راجا، ضیائے ادب اردو بازار لاہور ۲۰۰۷ء
۱۱۵۔ علوی اعوان قبیلہ تعارف، علامہ محمد یوسف جبریل، ادارہ تحقیق الاعوان پنجاب واہ کینٹ ۲۰۰۰ء
۱۱۶۔ غزلیات اردو ور باعیات، حافظ فضل کریم گوندل، بھیرہ ضلع سرگودھا ۱۹۷۰ء
۱۱۷۔ غیر مسلموں کی نعت گوئی، راجا رشید محمود، ماہنامہ نعت لاہور، نومبر ۱۹۹۵ء
۱۱۸۔ فاصلے، مجبوریاں اور انتظار، مرتبہ: طاہر محمود نوید، عباس پبلی کیشنز بہاولپور ۱۹۹۸ء
۱۱۹۔ فشار (کلیات) شوکت راز، شوکت راز اکیڈمی پھلروان، سرگودھا ۲۰۰۳ء
۱۲۰۔ فضل القرآن، محمد نواز نسیم (مرحوم)، ادارہ انجمن آستانِ فضل، سرگودھا س ن
۱۲۱۔ قانونِ مکافات، مرزا اماموں انور، ندیم اکیڈیمک سوسائٹی، سرگودھا ۱۹۹۰ء
۱۲۲۔ کربِ دوراں، دوست محمد محب، ادارہ تصانیف جبریل نواب آباد، واہ چھاؤنی ۱۹۹۰ء
۱۲۳۔ کلیاتِ شکیب، شکیب جلالی، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۴ء
۱۲۴۔ کونپل، مرتبہ: عبدالرحمٰن رزاق، کونپل پبلی کیشنز گجرات ۱۹۸۸ء
۱۲۵۔ کوہاٹ کا ذہنی ارتقاء، احمد پراچہ، مکتبہ مستجاب پراچہ محلہ پراچگان، کوہاٹ ۱۹۸۴ء

Marfat.com

۱۲۶۔ کیسر کیاری، احمد ندیم قاسمی، شفیق پبلی کیشنز چوک گڑھی شاہو، لاہور ۱۹۹۹ء، فلیپ

۱۲۷۔ گجرات بار، ریاض مفتی، گجرات ۱۹۹۴ء

۱۲۸۔ گجرات کی بات، اسحاق آشفتہ، لالہ موسیٰ ۱۹۹۱ء

۱۲۹۔ گجرات کے اردو نعت گو شعراء، ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ، ماہنامہ نعت، لاہور فروری ۱۹۹۸ء

۱۳۰۔ گجرات میں اردو شاعری، پروفیسر کلیم احسان بٹ، ناوک پبلی کیشنز جلالپور جٹاں، گجرات ۱۹۹۶ء

۱۳۱۔ گلِ دیدہ ور، پروفیسر ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم، بزمِ علم و فن سرگودھا ۲۰۰۵ء

۱۳۲۔ گلزارِ طیبہ، صاحبزادہ گلزار حسین شاہ صابری، لاہور ۱۹۸۳ء

۱۳۳۔ گل گفتار، کرم حیدری، مکتبہ المحمود، سیٹلائیٹ ٹاؤن راولپنڈی ۱۹۹۹ء

۱۳۴۔ گلہائے رنگ رنگ (انتخاب)، جلد دوم، محمد شمس الحق نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد ۱۹۹۵ء

۱۳۵۔ گلہائے عقیدت، ایم احمد بخش ریاض، سرگودھا ۱۹۶۸ء

۱۳۶۔ لالۂ اردو، مولانا اخگر سرحدی، ہارون الرشید تبسم، دیدہ ور اکیڈمی کوٹ فرید، سرگودھا ۱۹۹۱ء

۱۳۷۔ لذتِ رنگ و بو، الطاف مشہدی، عوامی کتب خانہ، سرگودھا ۱۹۷۷ء

۱۳۸۔ لوحِ محفوظ، جوہر نظامی، مکتبہ تخلیق میکلیگن روڈ، لاہور ۱۹۷۸ء

۱۳۹۔ مایۂ حیات بوظفر نور محمد، حکیم حاجی نور محمد، شاہ پور شہر ۱۹۶۷ء

۱۴۰۔ محاکے، ڈاکٹر خیال امروہوی، ماہنامہ سپوتنک، لاہور فروری ۱۹۹۶ء

۱۴۱۔ مشعلِ آفات، رشک ترابی، الفرید مطبوعات اردو بازار، سرگودھا ۱۴۰۲ھ

۱۴۲۔ مقامِ شوق، راجا محمد یعقوب الحفیظ، شوق پبلی کیشنز، راولپنڈی ۱۹۹۱ء

۱۴۳۔ مقتل میں چراغ، حسن اختر جلیل، نیرنگِ خیال پبلی کیشنز، راولپنڈی ۱۹۸۶ء

۱۴۴۔ مقناطیس الوحدت، حضرت مخدوم سید حیدر شاہ، لاہور ۱۹۰۷ء

۱۴۵۔ مہکتی ڈال، خیر الدین انصاری، انصار پبلی کیشنز، جھنگ ۲۰۰۰ء

۱۴۶۔ میں اور میں، غلام جیلانی اصغر، آئینۂ ادب چوک انارکلی، لاہور ۱۹۸۴ء

۱۴۷۔ میری بہترین نظم، مرتبہ محمد حسن عسکری، کتابستان، الہ آباد، ہندوستان ۱۹۴۲ء

۱۴۸۔ میری شرط محبت ہے، سید معرفت ہمدانی، نستعلیق مطبوعات، لاہور ۲۰۰۶ء

۱۴۹۔ میری مفلسی مرا جرم ہے، شاہد راہی، ایکی پبلشرز بابال گنج، لاہور ۲۰۰۱ء

۱۵۰۔ میرے اجنبی میرے آشنا، اعتبار ساجد، ماہنامہ سپوتنک، لاہور جنوری ۲۰۰۰ء

۱۵۱۔ نعت حضورؐ اور سرگودھا کے شعراء، شاکر کنڈان، ماہنامہ نعت، لاہور، ستمبر ۱۹۹۸ء

۱۵۲۔ نعت گویانِ سرگودھا، شاکر کنڈان، ادارہ فروغِ ادب پاکستان، سرگودھا ۲۰۰۶ء

Marfat.com

۱۵۳۔نقوشِ سرگودھا، عابد خورشید/ذوالفقار احسن، سرگودھا رائٹرز کلب سرگودھا ۲۰۰۲ء

۱۵۴۔نوائے انور، پروفیسر ہارون الرشید تبسم، بزمِ علم وفن پاکستان، سرگودھا ۱۹۹۹ء

۱۵۵۔نوائے شوق، پروفیسر ہارون الرشید تبسم، شوق پبلی کیشنز، سرگودھا ۲۰۰۳ء

۱۵۶۔نورِ خوارقِ حیدری، سید حافظ حسن علی شاہ، آستانہ عالیہ جبی شریف ضلع سرگودھا ۱۳۹۵ء

۱۵۷۔نورِ سخن، نور احمد میرٹھی، ادارۂ فکرِ نو کورنگی، کراچی ۱۹۸۸ء

۱۵۸۔نیا پرانا لہجہ، ادارہ علم وفن پاکستان، دارالاشاعت ادارہ علم وفن پاکستان، پشاور ۱۹۷۹ء

۱۵۹۔نیم تاریک سڑک، ندیم حیدر بلوچ، جوہر آباد ۲۰۰۰ء

۱۶۰۔وادیٔ سون سکیسر، محمد سرور اعوان، لوک ورثہ، اسلام آباد، س ن

۱۶۱۔واصف علی واصف، احوال وآثار، پروفیسر محمد ظہیر بدر، القمر انٹر پرائزز اردو بازار، لاہور ۱۹۹۷ء

۱۶۲۔وفیاتِ مشاہیر پاکستان، پروفیسر محمد اسلم، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد ۱۹۹۰ء

۱۶۳۔وفیاتِ ناموران پاکستان، ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ، اردو سائنس بورڈ، لاہور ۲۰۰۶ء

۱۶۴۔وہم رسا، جوہر نظامی، نیرنگ خیال پبلی کیشنز لیاقت روڈ، راولپنڈی ۱۹۸۸ء

۱۶۵۔ہمارے اہلِ قلم، زاہد حسین انجم، ملک بک ڈپو اردو بازار، لاہور ۱۹۸۸ء

۱۶۶۔ہم قلم، تاج سعید، مکتبہ ارژنگ ظہیر آباد، پشاور ۱۹۷۷ء

۱۶۷۔ہم نے شامیں سجائیں غزل در غزل، گل شیر بٹ، الحمد پبلی کیشنز رانا چیمبرز لیک روڈ، لاہور ۱۹۹۷ء

۱۶۸۔ہندو دھرم کی عظمت، جی این نندا، لاہور، س ن

۱۶۹۔ہندو شعراء کا نعتیہ کلام، حضرت مولانا عبدالمجید سوہدروی، مسلم پبلی کیشنز اردو بازار لاہور، س ن

۱۷۰۔یارانِ نو، انجمن ترقی ادب، ماڈل ٹاؤن، لاہور دسمبر ۱۹۶۶ء

غیر مطبوعہ کتب:

۱۷۱۔گجرات دے پنجابی شاعر، ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ

۱۷۲۔دردِ دل، سید واحد حسین نشان

مقالے

۱۷۳۔علامہ رشک ترابی کی شخصیت اور شاعری، طارق محمود، مقالہ برائے ایم اے، گورنمنٹ کالج سرگودھا ۱۹۹۸ء

۱۷۴۔سید اقبال محمد صوفی نقوی کی شخصیت اور شاعری، محمد خان، مقالہ برائے ایم اے، گورنمنٹ کالج سرگودھا ۱۹۹۹ء

۱۷۵۔غلام جیلانی اصغر کی اردو نثر نگاری، سلمیٰ چوہدری، مقالہ برائے ایم اے، گورنمنٹ کالج سرگودھا ۲۰۰۱ء

۱۷۶۔اردو ادب کے فروغ میں خوشاب کا حصہ، محسن عباس، مقالہ برائے ایم فل، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد ۲۰۰۷ء

Marfat.com

مجلات

۱۷۷۔ جوہر، گورنمنٹ کالج جوہرآباد۱۹۶۹ء

۱۷۸۔ ایضاً،۲۰۰۳ء

۱۷۹۔ جادہ پیما، گورنمنٹ ایم اے کالج سرگودھا۲۰۰۱ء

رسائل، ششماہی

۱۸۰۔ کھوج، لاہور، جولائی تا دسمبر۱۹۹۶ء

۱۸۱۔ لیکھ، لاہور، جنوری تاں جون۲۰۰۸ء

۱۸۲۔ اسالیب، سرگودھا، مئی تا جولائی۲۰۰۷ء

۱۸۳۔ اسالیب، سرگودھا، جنوری تا مارچ۲۰۰۸ء

۱۸۴۔ دریچہ انٹرنیشنل پاکستان/ سپین، جولائی تا ستمبر۲۰۰۵ء

۱۸۵۔ ایضاً، جنوری تا مارچ۲۰۰۶ء

۱۸۶۔ ایضاً، اپریل تا ستمبر۲۰۰۶ء

۱۸۷۔ ایضاً، جولائی تا ستمبر۲۰۰۷ء

۱۸۸۔ ایضاً، جنوری تا مارچ۲۰۰۸ء

۱۸۹۔ سفیر اردو، لیوٹن (برطانیہ) ستمبر۲۰۰۶ء

۱۹۰۔ شعبہ، خوشاب، دسمبر۱۹۹۲ء

۱۹۱۔ ایضاً، جون۱۹۹۳ء

۱۹۲۔ ایضاً، (حضرت غلام نظام الدین نمبر) جنوری۱۹۹۷ء تا ستمبر۱۹۹۸ء

۱۹۳۔ ایضاً، اکتوبر۱۹۹۸ء تا مارچ۱۹۹۹ء

۱۹۴۔ ایضاً، اپریل تا ستمبر۱۹۹۹ء

۱۹۵۔ کامران، سرگودھا، اگست ۱۹۵۵ء

۱۹۶۔ ایضاً، جنوری تا مارچ۱۹۶۱ء

۱۹۷۔ ایضاً، جلد۱۲، شمارہ۱

۱۹۸۔ ایضاً، جولائی تا ستمبر۲۰۰۲ء

۱۹۹۔ نالۂ دل، بھیرہ، اپریل۲۰۱۰ء

۲۰۰۔ ایضاً، ستمبر۲۰۱۰ء

Marfat.com

ادبی سیریز

۲۰۱۔صدائے سخن،خوشاب،فروری۱۹۹۰ء

ماہنامہ

۲۰۲۔اخبار اردو،اسلام آباد،مارچ ۲۰۰۰ء

۲۰۳۔ایضاً،مئی۲۰۰۲ء

۲۰۴۔ادبِ لطیف،لاہور،فروری۱۹۵۶ء

۲۰۵۔اردو زبان،سرگودھا،مئی جون۱۹۸۴ء

۲۰۶۔ایضاً،مئی جون۱۹۸۸ء

۲۰۷۔اسلوب،کراچی،اکتوبر،نومبر۱۹۸۳ء

۲۰۸۔الرشید،لاہور،اپریل۱۹۹۷ء

۲۰۹۔اوراق،لاہور،مارچ اپریل۱۹۸۶ء

۲۱۰۔بیسویں صدی،دہلی،اگست۱۹۶۵ء

۲۱۱۔پنجابی ادب،لاہور،اپریل۲۰۱۲ء

۲۱۲۔دنیائے ادب،کراچی،ستمبر۲۰۰۲ء

۲۱۳۔ایضاً،اکتوبر۲۰۰۴ء

۲۱۴۔روزن انٹرنیشنل،گجرات،جون۲۰۰۵ء

۲۱۵۔زجاج،گجرات،جون،جولائی۱۹۹۱ء

۲۱۶۔سپوتنک،لاہور،فروری۱۹۹۶ء

۲۱۷۔سفید چھڑی،سرگودھا،نومبر دسمبر۱۹۹۲ء

۲۱۸۔سیارہ،لاہور،مارچ اپریل۲۰۰۲ء

۲۱۹۔سیپ،کراچی،دسمبر۱۹۸۹ء

۲۲۰۔شاعر،بمبئی (ہم عصر اردو ادب نمبر) مئی ۱۹۹۷ء تا دسمبر ۱۹۹۸ء

۲۲۱۔شام وسحر (نعت نمبر۲) لاہور،جنوری،فروری۱۹۸۲ء

۲۲۲۔شمس الاسلام،بھیرہ،فروری۱۹۴۹ء

۲۲۳۔شمع،کراچی،فروری۱۹۸۷ء

۲۲۴۔فلمی ستارے،عارفین،سرگودھا،ستمبر۱۹۹۲ء

Marfat.com

۲۲۵۔فنون، لاہور، اکتوبر، نومبر ۱۹۷۷ء

۲۲۶۔قلم قافلہ، کھاریاں، جون ۱۹۸۴ء

۲۲۷۔ایضاً، اپریل مئی ۱۹۹۱ء

۲۲۸۔کاغذی پیرہن، لاہور، مئی جون ۲۰۰۵ء

۲۲۹۔لہراں، لاہور، جون جولائی ۱۹۹۰ء

۲۳۰۔ایضاً، جون ۱۹۹۹ء

۲۳۱۔ماہِ نو، لاہور، اپریل ۱۹۹۷ء

۲۳۲۔ایضاً، جولائی ۲۰۰۵ء

۲۳۳۔ترجمان، سرگودھا، اکتوبر نومبر ۱۹۹۲ء

۲۳۴۔ایضاً، جولائی اگست ۱۹۹۹ء

۲۳۵۔نعت، لاہور، اکتوبر ۱۹۹۳ء

۲۳۶۔ایضاً، مارچ اپریل ۱۹۹۶ء

۲۳۷۔نقاد، کراچی، ستمبر ۱۹۵۴ء

۲۳۸۔نیرنگِ خیال، لاہور دسمبر ۱۹۶۰ء

۲۳۹۔ایضاً، راولپنڈی، سالنامہ ۱۹۷۴ء

۲۴۰۔ایضاً، مارچ ۱۹۸۸ء

پندرہ روزہ

۲۴۱۔ترجمان، سرگودھا، ۱ تا ۱۵ مئی ۱۹۹۱ء

۲۴۲۔گلِ حنا، سرگودھا، ۱ تا ۱۶ جنوری ۲۰۰۲ء

ہفت روزہ

۲۴۳۔اخبارِ جہاں، کراچی، ۹ تا ۱۵ مارچ ۱۹۹۸ء

۲۴۴۔المقالہ، سرگودھا، ۲۹ اگست ۱۹۳۲ء

۲۴۵۔تازیانہ، گجرات، ۳۱ دسمبر ۱۹۷۴ء

۲۴۶۔ایضاً، ۱۴ مارچ ۲۰۱۱ء

۲۴۷۔کامرانیاں، کنجاہ، ۱۱ تا ۲۰ فروری ۲۰۰۶ء

۲۴۸۔ہلال، راولپنڈی، ۷ مئی ۱۹۶۷ء

۲۴۹۔ایضاً، ۷ اگست ۱۹۷۹ء

Marfat.com

روزنامہ

۲۵۰۔ امروز، لاہور، یکم جون ۱۹۷۱ء

۲۵۱۔ ٹھنڈی آگ، لالہ موسیٰ، ۲۶ جون ۲۰۰۶ء

۲۵۲۔ عوامی رائے، سرگودھا، ۹ فروری ۲۰۰۳ء

۲۵۳۔ ایضاً ۲۲ جنوری ۲۰۰۶ء

۲۵۴۔ مشرق، لاہور، ۳۱ جنوری ۱۹۸۰ء

۲۵۵۔ نوائے وقت، راولپنڈی، ۸ فروری ۲۰۰۰ء

۲۵۶۔ ایضاً، ۳۰ مئی ۲۰۰۰ء

۲۵۷۔ ایضاً، لاہور، ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۶ء

مکاتیب

۲۵۸۔ محمد صادق قصوری، برج کلاں (قصور) بنام راقم، ۱۹ مئی ۲۰۰۷ء

۲۵۹۔ مقصود وارثی، چک نمبر ۲۴ جنوبی بنام اخلاق عاطف ۱۹۸۳ء

۲۶۰۔ حافظ محمد رمضان، نور پور تھل، بنام راقم ۱۳ فروری ۲۰۰۶ء

۲۶۱۔ ملک شاہ سوار علی ناصر، خوشاب، بنام راقم، ۱۲۷ اکتوبر ۲۰۰۵ء

۲۶۲۔ مضطر دھریموی، دھریمہ، بنام اخلاق عاطف، ۱۷ جون ۱۹۸۴ء

۲۶۳۔ شبلی پانی پتی، سرگودھا، بنام راقم، ۱۲ فروری ۲۰۰۶ء

۲۶۴۔ خلیل بدایونی، سرگودھا، بنام راقم، ۲۳ اگست ۲۰۰۷ء

۲۶۵۔ قمر حجازی، اوکاڑا، بنام راقم، ۲۳ اگست ۲۰۰۷ء

۲۶۶۔ پروفیسر محمد منور، لاہور، بنام اخلاق عاطف، ۱۶ ستمبر ۱۹۸۴ء

۲۶۷۔ سید محمد حسن واسطی، سرگودھا، بنام راقم، ۱۸ مارچ ۲۰۰۶ء

۲۶۸۔ نواب علی مخمور، بھلوال، بنام اخلاق عاطف ۱۶ مئی ۱۹۸۴ء

۲۶۹۔ ثاقب ملک، ہردوسودھی، بنام راقم، ۱۳ فروری ۲۰۰۵ء

۲۷۰۔ عاشق حسین عاشق، راولپنڈی، بنام راقم ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۹ء

۲۷۱۔ ندیم حیدر بلوچ، جوہر آباد، بنام راقم، ۱۵ فروری ۲۰۰۵ء

۲۷۲۔ حنیف ساجد، بھلوال، بنام راقم، ۱۲ اپریل ۲۰۰۴ء

۲۷۳۔ عفیفہ بتول، ساہیوال، بنام راقم، ۱۸ ستمبر ۲۰۰۵ء

Marfat.com

ملاقاتیں

۲۷۴۔ اخلاق عاطف، سرگودھا، ۱۴ مارچ ۲۰۰۸ء
۲۷۵۔ محمد صفدر خان، سرگودھا، ۲۳ فروری ۲۰۰۶ء / ۱۵ اپریل ۲۰۰۵ء
۲۷۶۔ عبدالرشید (چپل) سرگودھا، ۵ جنوری ۲۰۰۴ء
۲۷۷۔ بھائی ظفر، ساہیوال، ۲۹ جولائی ۲۰۱۲ء
۲۷۸۔ محمد اشفاق ونی، ساہیوال، ۲۹ جولائی ۲۰۱۲ء
۲۷۹۔ عبدالقیوم رانا، سرگودھا، ۵ جولائی ۲۰۰۸ء
۲۸۰۔ سید صوفی نقوی، بھلوال، ۱۳ جنوری ۲۰۰۲ء
۲۸۱۔ سید محمد حسین رضا نقوی، بھلوال، ۱۷ نومبر ۲۰۰۲ء
۲۸۲۔ افضل عباس شیرازی، سرگودھا، ۱۲۷ اگست ۱۹۸۵ء
۲۸۳۔ نصرت چوہدری، سرگودھا ۱۵ جنوری ۲۰۰۶ء
۲۸۴۔ خالد یوسفی، سرگودھا، ۱۳ مارچ ۲۰۰۶ء
۲۸۵۔ کیپٹن محمد یونس (ہڈالی) راولپنڈی، ۱۵ نومبر ۲۰۰۰ء
۲۸۶۔ محمد نعیم، سرگودھا، ۷ جولائی ۲۰۰۸ء
۲۸۷۔ فیاض احمد خان، بھیرہ، ۲۲ اگست ۲۰۱۲ء
۲۸۸۔ صوفی فقیر محمد، سرگودھا، یکم نومبر ۲۰۰۴ء
۲۸۹۔ شبلی پانی پتی، سرگودھا، ۱۱ جنوری ۲۰۰۶ء
۲۹۰۔ عزیز وڑائچ، چک ۹۵ جنوبی، یک مارچ ۲۰۰۴ء
۲۹۱۔ سید واحد حسین نشان، سرگودھا، ۱۲۸ اپریل ۱۹۹۸ء
۲۹۲۔ سید حسن واسطی، سرگودھا، ۲۹ جنوری ۲۰۰۷ء
۲۹۳۔ ظفر گل، چک ۱۱۰ ایم ایل، ۲۸ جولائی ۲۰۰۴ء
۲۹۴۔ شرکت راز، بھلروان، ۱۹ جولائی ۲۰۰۴ء
۲۹۵۔ ذوالفقار احسن، سرگودھا، ۱ فروری ۲۰۰۶ء
۲۹۶۔ یوسف خالد، سرگودھا، ۲۳ فروری ۲۰۰۸ء
۲۹۷۔ پیر عمران صابر صابری، سرگودھا ۲۵ جنوری ۲۰۰۶ء
۲۹۸۔ قاضی خضر جمال، خوشاب، ۷ جون ۲۰۰۷ء
۲۹۹۔ سلیم حسن مرزا، سرگودھا، ۳۰ جنوری ۲۰۰۸ء

Marfat.com

۳۰۰۔ شفیع ضامن، راولپنڈی، ۲۳ اپریل ۲۰۰۰ء

۳۰۱۔ پروانہ شاہ پوری، سرگودھا، ۱۷ اپریل ۱۹۹۸ء

۳۰۲۔ ایضاً، ۲۷ دسمبر ۲۰۰۵ء

۳۰۳۔ ورد بزمی (راولپنڈی) سرگودھا، ۲۰ دسمبر ۲۰۰۸ء

۳۰۴۔ ندیم حیدر بلوچ، جوہر آباد، ۲۵ دسمبر ۲۰۰۳ء

۳۰۵۔ مقصود راہی، سرگودھا، ۱۳ جون ۱۹۹۸ء

۳۰۶۔ بیوہ عبدالستار آثم، سرگودھا، ۲۸ جنوری ۲۰۰۶ء

۳۰۷۔ یوسف خورشید، چاوہ، ۴ ستمبر ۲۰۰۵ء

۳۰۸۔ سید معرفت ہمدانی، سرگودھا، ۱۱ فروری ۲۰۰۳ء

۳۰۹۔ عامر انصاری، پھلروان، ۱۶ اگست ۲۰۰۴ء

۳۱۰۔ ساغر چشتی، خوشاب، ۱۷ جولائی ۲۰۰۴ء

ذاتی ڈائری

۳۱۱۔ فراق کنگروی

۳۱۲۔ مرزا ماموں انور

۳۱۳۔ عبدالرشید اشک

۳۱۴۔ عزیز انبالوی

قبروں کے کتبے

۳۱۵۔ محمد حسین شوق

۳۱۶۔ غلام نبی میر نازک

۳۱۷۔ بشیر راجن ادیب

۳۱۸۔ تاجدار دہلوی

ٹیلی فونک رابطہ

۳۱۹۔ پروفیسر مظفر حسن منصور، جوہر آباد، ۳۰ مارچ ۲۰۰۸ء

۳۲۰۔ پروفیسر ڈاکٹر عامر سیال، اسلام آباد، ۱۷ اپریل ۲۰۰۸ء

۳۲۱۔ ملک محمد حسین، جوہر آباد، ۱۶ فروری ۲۰۰۸ء

۳۲۲۔ طفیل ثاقب، سرگودھا، ۱۹ اپریل ۲۰۰۸ء

Marfat.com

اشاریہ (شخصیات)

ا

آرنلڈ: ۱۴۶
آزادگلاٹی: ۲۰۲
آفتاب مفتی، نصراللہ خان: ۳۰۷
آل احمد علیگ: ۱۳
آنس معین: ۳۴۳
ابرارحسین زبیری: ۱۸۸
ابوشاہین فاروقی: ۲۸، ۱۳۹
اجمل نیازی: ۳۴۳
احسان امروہوی: ۳۴۹
احسن زیدی: ۲۰۳
احمد اقبال ٹوانہ: ۹۲
احمدالدین بگوی، حافظ: ۲۱
احمد پراچہ: ۱۴۲
احمد جاوید: ۳۴۳
احمد حسن واسطی، حافظ سعید: ۲۲۱
احمد خان، حضرت مولانا ابوالسعد: ۵۱
احمد دین کیلوی: ۵۱
احمد سرفراز اعوان: ۱۳۴
احمد علی شاہ، سید: ۲۲
احمد ندیم قاسمی: ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۲۱۰، ۲۵۷، ۲۸۳
احمد نواز، ملک: ۳۰۳
احمد ہمیش: ۹۹
احمد یار نعیمی، مولانا مفتی: ۱۲۶
اختر امان، اختر اللہ ملک: ۳۲۵، ۳۲۶
اختر حسین: ۲۲۷
اختر حسین رنگین: ۱۳۰
اختر راہی، ڈاکٹر سفیر: ۲۱، ۵۱
اختر شاہ پوری: ۱۴
اختر واصفی، عبدالحق: ۱۱، ۵۶، ۵۷، ۲۱۰
اختر سرحدی: ۶۸، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۲۱۰، ۲۳۲
اخلاق عاطف: ۱۹، ۴۶، ۴۲، ۱۸۸
ادا جعفری: ۲۱۰
ارشاد عظمت: ۲۷۳، ۲۷۴
ارشد محمود: ۱۲۴
ارمان نجمی: ۲۰۴

Marfat.com

اسحاق آشفتہ:۲۸۷
اسحاق قریشی:۳۴۲
اسد، علامہ:۱۶۱
اسد اعوان:۳۶۸
اسد اللہ خان غالب:۱۴۵، ۱۴۸، ۲۶۷
اسد اللہ خان مفتی:۳۰۷
اسلم فرخی، ڈاکٹر ۱۵۲
اشیر داس بسمل:۱۴
اصغر جالندھری:۱۴
اصغر علی شاہ احسن، سید:۲۶۴
اصغر علی نظامی:۱۱۷
اصغر جاوید، عبدالغفور:۱۶، ۲۱۰، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷
اعجاز کرنالوی، اعجاز حسین:۶۵، ۶۶، ۶۷
افشاں ملک، ڈاکٹر:۱۵۲
افضال حسین:۱۸۲
افضال ناز گنگوہی:۱۲۴
افضل عباس:۲۰۳
افضل گوہر:۲۵۹، ۳۵۷
اقبال احمد، خواجہ صوفی:۱۷۹
اقبال آفاقی:۲۰۳
اقبال منظر:۱۹۳، ۱۹۴
اکبر حمیدی:۲۰۳
اکبر شاہ شیرازی، سید:۸۳
اکرام اللہ شرر:۲۱۰
اللہ بخش تونسوی، حضرت خواجہ شاہ:۲۲
اللہ دیا خان:۳۴۰
اللہ راضی رہبر:۹۴
الطاف پرواز:۹۹
الطاف حسین حالی، مولانا:۱۸۰
الطاف مشہدی، الطاف حسین:۱۲۴، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۲۰۱، ۲۷۶، ۲۹۵
امام دین، چودھری:۶۸
امام دین، شیخ:۲۰۹
امام علی شاہ، حضرت پیر:۲۲
امانت انوار:۲۵۲
امتیاز کلثوم:۲۸۵
امداد مرزا فیروز پوری:۱۹۷
امیر چھپڑوی، پیر مولانا سید:۱۴۵
امیر مینائی:۹۴
انوار احمد بگوی، ڈاکٹر:۵۹

Marfat.com

انور حیدری، سید منور حسین: ۲۲۹
انور سدید: ۱۲۳، ۱۷۱، ۲۰۳، ۲۰۴
انور گوئندی: ۶۹، ۲۰۹، ۲۰۱
اورنگ زیب، سردار: ۱۳۲
اے ایچ انیس (امیر حسین): ۳۵۲
ایم بی خلیق: ۱۱، ۱۳، ۲۵، ۲۶
این میری شمل: ۱۶۱
ایوا ایم ایلینڈر: ۲۰۲
ایوب جوہر: ۳۴۰
ایوب خان، فیلڈ مارشل: ۱۵۹

ب

بدرالدین بدر: ۱۰۵، ۱۰۶
بدر منیر: ۱۸۶، ۲۳۹، ۲۹۳، ۳۲۶۲، ۳۷۴
برٹرینڈ رسل: ۱۶۱
برج گوپی ناتھ بیکل، بابو: ۸۹، ۹۰
برج موہن کیفی دتاتریہ دہلوی، علامہ پنڈت:
۱۳۴، ۱۹۷
برنو رومی: ۲۰۳
بسمل صابری: ۲۱۰
بشارت احمد نیئر، مفتی: ۲۸۷
بشن سنگھ بیکل، سردار: ۱۳، ۸۹، ۹۰
بشیر احمد، مفتی: ۲۸۷
بشیر احمد بشیر: ۱۹۶، ۱۹۷
بشیر احمد تارڑ، چودھری: ۶۴، ۲۱۰
بشیر موجد: ۱۵۲
بلال اُمی، غلام دستگیر: ۳۵۱
بلھے شاہ: ۱۴۵
بھا شانی، مولانا: ۱۹۷
بیدل پانی پتی: ۲۱۰
بے نظیر بھٹو: ۲۹۶

پ

پال ایرک نارمن: ۲۰۳
پروانہ شاہ پوری، محمد حیات: ۳۱۹، ۳۲۰
پرویز بزمی: ۱۷۱
پوپ جان پال: ۱۶۱

ت

تاجدار دہلوی: ۲۵۰، ۲۷۱، ۲۷۲
تاج قائم خانی: ۱۷۳
تسخیر احمد، ڈاکٹر: ۴۰
تصدق حسین، ڈاکٹر: ۱۶۵، ۲۵۳

Marfat.com

تنویر نقوی: ۱۱۰

تنویر ہاشمی، محمد اجمل: ۳۳۵، ۳۳۶

توقیر ضیا: ۱۱۰

ث

ثاقب ملک، حبیب نواز: ۳۰۳، ۳۰۴

ثروت طارق حبیب: ۳۲، ۲۵۱

ج

جامی (مولانا عبدالرحمٰن): ۱۸۶، ۳۴۴

جانی پیا: ۱۴

جاوید اختر، ڈاکٹر سید: ۳۲۱

جاوید اقبال، ڈاکٹر ۲۳۳

جاوید انور: ۳۲۶

جاوید سوز، ڈاکٹر: ۲۳۷، ۲۳۸

جاوید گھنجیرا، ملک: ۳۰

جعفر بلوچ: ۲۶۱

جعفر طاہر، سید: ۲۱۰، ۲۸۳

جگر مراد آبادی: ۶۵، ۲۱۰

جلیل حشمی: ۱۴۰

جمال احسانی (محمد جمال عثمانی) ۳۴۸، ۳۴۹

جمال الدین، صاحبزادہ: ۳۱۳

جمیل اطہر: ۲۱۰

جمیل ملک: ۱۵۲

جوہر نظامی، عبدالغفور: ۷۶، ۹۲، ۹۹، ۱۰۰، ۲۱۰، ۲۸۹، ۲۹۳

جھنڈو خان: ۷۳

جی ایچ کرجلی: ۱۱۰

جی ایم اکمل (غلام مرسلین): ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵

جی معین الدین: ۴۲

جیون شاہ شیرازی، سید: ۸۳

جے رتن: ۲۰۲

جیمس کرین: ۱۶۱

چ

چراغ علی قریشی، حکیم: ۲۸۷

ح

حاتم علی حاتم: ۱۲۱، ۱۲۲

حاتم علی رانجھا: ۱۲۱

حافظ (شیرازی): ۱۴۸، ۱۸۶،

حافظ لدھیانوی: ۲۱۰

حب حسن اثر بدایوانی: ۱۸۲

حبیب اللہ خان ٹوانہ: ۹۱، ۹۲

Marfat.com

حسرت جعفری، محبوب حسین: ۳۳۴
حسن اختر جلیل: ۲۸۹، ۲۹۰
حسن خان: ۳۲
حسن رضوی: ۳۴۳
حسن علی شاہ گیلانی، سید حافظ: ۲۳
حسن محمد، چوہدری: ۱۲۱
حسن نظامی، خواجہ: ۹۹
حشمت آرا حجاب: ۲۱۰
حضور الرحمان بدایوانی: ۱۸۱
حفصہ طور بہار: ۲۱۰
حفیظ جالندھری: ۲۱۰
حقیر آستانی، کیشور چندر سین: ۷۹
حمید احمد خان: ۱۸۰
حمید گل: ۱۱۰
حنیف رامے: ۲۴۰
حنیف ساجد: ۳۴۰، ۳۴۱
حیدر علی شاہ گیلانی، سید حافظ: ۱۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴
حیدر قریشی: ۲۰۳، ۲۰۴

خ

خادم حسین، ملک: ۱۰۹، ۱۱۰
خالد اختر افغانی: ۲۹۳
خاور لدھیانوی: ۲۱۰
خدا سوز: ۲۱۰
خضر جمال، قاضی: ۲۹۳
خضر حیات ٹوانہ ۳۴
خلیق: ۱۳
خلیق لاابالی: ۱۳، ۲۵
خلیل بدایوانی: ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳
خلیل چکوالی: ۲۱۲
خلیل رامپوری: ۲۵۶
خنجر بریلوی: ۱۴
خورشید احمد خان: ۱۰، ۱۱
خورشید راٹھور: ۲۱۰
خورشید رضوی، ڈاکٹر: ۱۲۳، ۱۵۶، ۲۱۰
خورشید عالم گوہر قلم: ۳۶۴، ۳۶۵
خوشحال خان خٹک: ۱۴۰
خیال امروہوی، ڈاکٹر: ۱۹۱
خیر الدین انصاری: ۲۲۴

د

دارووالا، پروفیسر: ۱۹۷
دت، پروفیسر: ۱۹۷

Marfat.com

دلا را سنگھ:۱۴

دلاور حسین زیدی، سید:۱۹۴

دلپذیر، مولوی محمد امین:۱۱، ۱۲، ۲۸، ۲۹۹، ۳۰

دل خوشابی، شریمان لوکناتھ جی:۱۱، ۴۴

دل محمد، پروفیسر:۱۹۷

دوران بادشاہ، حضرت:۱۲۶

دوست محمد:۳۳۷

دوست محمد راؤ:۳۰۹

دوست محمد محب:۱۸۶، ۱۸۷

دین محمد خان:۱۳

ڈ

ڈانے پاپا سیٹر انو:۲۰۲

ذ

ذکی الحسنین، سید:۳۴۶، ۳۴۷

ذوالفقار احسن:۲۸۵

ذوالقرنین حیدر:۳۳۴

ذوق:۱۴۵

ر

رابعہ نہاں:۲۱۰

راجا رسالو:۱۹۰

راجا شاہ پوری:۱۰

راجن ادیب، خواجہ محمد بشیر:۲۳۰، ۲۳۱

راجندر سنگھ ورما:۲۰۲

راز زیدی شاہ پوری:۱۵

راز سنتو کھ سری:۲۰۲

راغب شکیب:۲۰۳، ۳۴۹

رام بھجا سیٹھ، پروفیسر:۱۹۷

رام چندر جی:۲۷۵

رانی ابھرت:۱۰

رب بخش کلیار:۱۴

رحمٰن بابا:۱۲۰

رحیم بخش، منشی:۴۷

رشک ترابی، احمد حسین:۱۳۴، ۲۱۰، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۷۱، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۸۰

رشک صدیقی:۲۵۶

رشید اختر ندوی:۳۲۱

رشید امجد، ڈاکٹر:۳۰۰

رشید قیصرانی:۲۱۰

رشید محمود، راجا:۶۶، ۹۰، ۳۲۳

رشید نثار:۲۰۴

Marfat.com

رشیدہ سلیم سیمیں: ۲۱۰

رفعت سلطان، صاحبزادہ: ۲۱۰، ۲۲۳، ۲۲۴

رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر: ۱۷، ۱۹

رفیق بھیروی: ۱۴

رفیع سندیلوی: ۲۰۴

رند خوشابی، بادا محمد عمر: ۱۱، ۴۹، ۴۹، ۵۰

روشن دین، چودھری: ۲۵۶

ریاض احمد شاد، پروفیسر: ۲۸، ۱۹۱، ۲۹۵، ۳۴۹

ریاض جالندھری، احمد بخش: ۶۱، ۶۲، ۶۳

ز

زاہد حسین انجمن: ۱۹۰، ۲۳۱، ۲۹۵، ۳۴۸

زاہد منیر عامر، ڈاکٹر: ۱۷۱

زوسوینا: ۲۰۲، ۲۰۳

س

ساحر لدھیانوی: ۲۹۶

ساگر چشتی، محمد اسلم: ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵

ساقی الحسنی، پروفیسر ظہیر الحق: ۲۶۱، ۲۶۲

سائل دہلوی، نواب سراج الدین: ۱۱۴

ستاں بی بی: ۵۳

ستیہ پال آنند: ۲۰۲

سجاد باقر رضوی، سید: ۳۴۳

سجاد نقوی: ۲۰۳

سراج دین، میر: ۱۲۳

سرخرو خان، حکیم: ۳۰۵

سردار علی شیرازی، سید: ۸۳

سرور مجاز: ۲۱۰

سرون ناتھ آفتاب، حکیم: ۱۲

سریندر موہن دتاتریہ: ۱۹۷

سعدی شیرازی: ۱۷۶

سعید صابری: ۱۳

سلطان احمد: ۱۹۷

سلطان احمد بخش صاحبزادہ: ۲۲۳

سلطان احمد چودھری: ۱۹۱

سلطان احمد سالک: ۸۷

سلطان باہو، حضرت: ۲۲۴

سلطان بچہ: ۱۱

سلطان رشک: ۳۳۰

سلطان علی تنگیانہ: ۱۰۰

سلطان محمود، مولوی: ۳۲۳

سلطان محمود قادری، قاضی: ۱۳۸

Marfat.com

سلطان محمود نامی:۱۱
سلمی بی بی:۳۴
سلیم اختر، ڈاکٹر:۱۷
سلیمان نوری، حضرت سخی:۱۰،۱۱
سلیم بھٹی، ابوالخیال محمد فیروز الدین:۱۳۱،۱۳۲
سلیم حسن مرزا:۲۹۸،۲۹۹
سمن سلطان، صاحبزادہ:۲۲۴
سیدن شاہ، پیر سید:۲۸۰
سیف زبیری: حامد حسین:۱۸۸
سیف زلفی:۲۸۳
سیماب اکبرآبادی:۲۱۰
سیمانت پرکاش:۲۰۲

ش

شارب انصاری:۲۱۰
شازیہ عمر:۲۰۴
شاکر حسین شاکر، عبدالواسع:۱۵۷،۱۵۸
شاکر کنڈان:۳۲،۳۲۳،۳۶۸
شاکر نظامی:۲۱۰
شاہد راہی:۳۷۱،۳۷۲
شاہ سلطان، حاجی:۲۲۷
شاہ نواز نقوی، سید:۷۶
شبلی پانی پتی، خواجہ اویس احمد:۱۷۹،۱۸۰
شبیر خان:۸۱
شبیر شاہد:۳۴۲،۳۴۳
شریف کنجاہی:۱۴۹،۲۱۰
شعیب احمد، ڈاکٹر:۳۶۴
شفقت ضامن:۳۳۰،۳۰۱،۳۰۲،۳۰۵
ش ک نظام:۲۰۲
شکیب جلالی:۹۹،۲۵۶،۲۸۲،۲۸۳،۲۸۴،۲۸۵،
۲۹۳،۳۴۳
شکیل الرحمان:۱۵۲
شمس شیرازی، حضرت شاہ:۱۰
شمیم بھیروی:۱۳۸،۱۳۹،۱۴۰
شوکت راز:۳۰۹،۳۱۰،۳۷۰
شوکت علی خان، مولانا:۱۱۴
شوکت محمود اعوان:۱۶۱
شوکت محمود کنڈان، پروفیسر:۳۲
شہباز نقوی:۱۹۱
شہزاد احمد:۹۹،۲۸۳
شیدا انبالوی، منشی عبدالرزاق:۴۶،۴۷

Marfat.com

شیر افضل جعفری: ۲۱۰

شیر امیر شاہ، سید: ۴۹

شیر محمد: ۵۳

شیر محمد امیر: ۱۴۵، ۱۴۶

شیر محمد چشتی قادری: ۱۱۹

ص

صابر گیلانی: ۱۳۴

صابر ملک: ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹

صادق ساحلی: ۱۶۷، ۱۶۸

صدر الدین آزردہ، مولانا مفتی: ۲۱

صغیر حسین رضوی، سید: ۲۸۲

صفدر بخاری: ۲۴۹

صلاح الدین احمد، مولانا: ۱۹۹، ۲۰۱

صلاح الدین ساجد: ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۸۰

صنوبر مصور: ۲۱۰

صوفی نقوی، سید اقبال محمد: ۷۶، ۷۷

ض

ضامن علی حیدری: ۲۱۰، ۲۶۸، ۲۶۹

ضمیر جعفری، سید: ۱۰۰، ۳۲۶

ضیا ساجد: ۱۵۲

ضیاء الدین سیالوی، خواجہ: ۱۱۶

ط

طارق حبیب: ۲۰۳، ۳۱۱، ۳۱۲

طارق گجر: ۱۹۰

طارق محمود: ۲۷۵، ۲۷۷

طارق مفتی: ۱۱۲، ۳۰۷

طالب جالندھری: ۲۱۰

طاہر شاہ، باوا: ۳۶۰

طفیل ثاقب: ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸

ظ

ظفر الدین: ۹۴

ظفر علی خان، مولانا: ۲۱۵

ظفر گل: ۲۲۷

ظہور احمد حافظ سید: ۲۶۱

ظہور احمد بگوی، مولانا: ۵۹، ۶۰، ۱۰۳

ظہور حسین عثمانی: ۳۴۸

ظہور عالم ظہور: ۱۲، ۳۴۰

ظہور نظر: ۲۱۰

ظہیر الدین ظہیر: ۲۶۶، ۲۶۷

Marfat.com

ع

عابد خورشید: ۱۷۱، ۲۰۳، ۲۰۴

عابد علی عابد، سید: ۲۱۰

عارف حسن: ۱۱۰

عاشق حسین شاہ، پیر حاجی: ۲۸۰

عاشق حسین عاشق: ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰

عاصی کرنالی: ۲۶۲

عاصی واصفی: ۵۷

عالم گیر خان بلوچ، سردار: ۳۲۱

عامر انصاری، شجاع الدین: ۳۷۰

عبادت بریلوی: ۱۸۰

عبدالحق: ۱۲۶

عبدالحکیم، حضرت مولانا: ۴۱

عبدالحمید، پروفیسر رانا: ۳۳

عبدالحمید سوہدروی، مولانا: ۸۹

عبدالحمید عدم: ۲۱۰

عبدالخالق، حکیم: ۱۴۲

عبدالرحمٰن، چغتائی: ۲۰۱

عبدالرحمان، میاں: ۹۷

عبدالرزاق شاہ، حکیم سید: ۵۲

عبدالرسول بکھروی، حکیم: ۱۱، ۲۶، ۱۲۰

عبدالرسول للٰہی، پروفیسر صاحبزادہ: ۲۶

عبدالرشید اشک میر: ۱۲۳، ۱۲۴، ۲۱۰، ۲۶۹

عبدالرشید نائی: ۷۰

عبدالستار آثم: ۳۵۳، ۳۵۴

عبدالشکور ترمذی، قاری: ۳۵۲

عبدالعزیز بگوی، مولانا: ۳۵، ۵۹

عبدالعزیز خالد: ۱۷۶

عبدالعزیز دہلوی، شاہ: ۴۴

عبدالعزیز شاہ ہمدانی، سید: ۳۶۶

عبدالغفور حاتم: ۱۳

عبدالغفور قریشی: ۲۸

عبدالغنی: ۳۵۵

عبدالغنی جوہر: ۱۷۸، ۲۱۰

عبدالغنی ناز: ۶۹، ۷۰

عبدالقادر جیلانی نغدانی، حضرت شیخ: ۲۲

عبدالقیوم رانا، پروفیسر: ۷۴

عبدالمجید، مولوی: ۱۱، ۳۸، ۴۰

Marfat.com

عبدالمجید سالک:۱۴۹،۱۳۴
عبدالمجید سیفی:۳۸
عثمان خان:۴۲
عرفان رضوی:۳۲۹
عزت بخاری:۱۷۴
عزیز احمد قاضی:۱۰۹،۱۰۸
عزیز اختر:۱۴۲
عزیز انبالوی:۲۱۴
عزیز علوی:۲۳۶،۲۳۵
عصمت علیگ:۲۴۱،۲۴۰،۲۱۰
عطاالله جنون، مولانا:۱۹۷
عطاالله شاہ بخاری، سید:۱۲۳،۱۰۴
عطابدایوانی، عطاالرحمٰن:۱۸۲
عطابلوچ، عطامحمد خان:۷۴
عطامحمد:۱۶۷
عطامحمد قاضی::۱۰۸
عطامحمد، رسالدار:۳۱۷
علاؤالدین صابر کلیر دی، مخدوم حضرت:۲۸۰
علی انور، ملک:۹۴
علی حسنین شیفتہ:۳۴۳،۳۴۲
علی حسین شاہ:۱۳۴
علی گوہر، راجا:۲۱۰،۸۲،۸۱
علی محمد:۲۶۴
عمر حیات ٹوانہ، ملک:۱۰۹
عمر دراز ساجد:۳۶۲،۳۶۱
عمر مست قلندر، باوا خواجہ:۴۹
عنایت اللہ:۲۳۷
عیش بخاری:۱۴۷

غ

غافر شہزاد:۱۵۲
غلام جیلانی اصغر، پروفیسر:۲۱۰،۱۷۱،۱۷۰،۱۶۹
غلام جیلانی باصر:۱۰۲
غلام حسین:۹۹
غلام حسین اظہر، ڈاکٹر:۲۰۳
غلام حسین عادل:۲۱۰
غلام حسین قیصر:۳۰۶،۲۱۰،۶۲
غلام حیدر:۲۱
غلام رسول مہر:۲۶۵
غلام سدید الدین، حضرت:۳۱۳،۳۱۲،۳۱۱
غلام سرور نعیمی، حکیم:۱۲۶

Marfat.com

غلام قادر چشتی بھیروی (عبدالقادر): ۲۱،۱۱
غلام قادر گرامی: ۸۷
غلام محمد: ۳۵۱
غلام محمد، شہزادہ: ۵۷
غلام محمد، مولوی: ۳۹
غلام محمد بگوی: مولانا: ۳۹
غلام محمد جلپانوی، مولوی: ۱۱۹
غلام محمد شاہ، سید: ۴۹
غلام محی الدین: ۲۱
غلام محی الدین، مولوی حکیم: ۳۵
غلام محی الدین قصوری، حضرت خواجہ: ۲۷
غلام معین الدین نظامی: ۳۱۲، ۳۶۴
غلام نبی: ۱۵۸
غلام نبی اعوان: ۱۰۱
غلام نبی للہی، حضرت حافظ: ۲۶، ۲۷
غلام نظام الدین معظمی، حضرت: ۳۱۱، ۳۱۳
غوث محمد، ملک: ۳۲

ف

فاضل شاہ پوری: ۱۴
فانی مرادآبادی: ۹۰
فتح بی بی: ۴۹
فتح محمد: ۳۰۰
فخرالدین سیالوی، حضرت خواجہ: ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸
فراق کنگروی، طفیل محمد خان: ۷۳، ۷۴
فرزند علی، سید: ۲۲۶
فرید گنج شکر، حضرت بابا: ۹
فضل احمد چودھری: ۱۹۰
فضل الرحمٰن بسمل، میاں، ۹۷، ۹۸
فضل الٰہی، چودھری: ۷۲
فضل الٰہی قریشی بھیروی، مولوی: ۵۳
فضل حسین فضل، پیر: ۲۱۰
فضل کریم گوندل، حافظ: ۱۱، ۵۳، ۵۴
فقیر محمد، صوفی ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۴، ۱۷۶، ۱۸۲
ف م ماجد: ۳۴۲
فیاض احمد خان: ۱۳۲
فیاض احمد فیضی: ۲۶۲
فیض لدھیانوی: ۲۱۰

ق

قائداعظم: ۳۲، ۳۵، ۵۸، ۱۸۴، ۱۸۸، ۲۱۵
قطب شاہ، حضرت: ۲۵۰

Marfat.com

قمر اجنالوی: ۹۷
قمرالدین سیالوی، حضرت خواجہ: ۱۱۷، ۳۱۳
قمر حجازی: ۱۹۶
قمر یمنی: ۳۲۸، ۳۲۹
قمر لدھیانوی: ۲۱۰
قیصر بارہوی: ۲۶۷

ک

کالے خان: ۶۹
کالے خان: ۳۵۴
کشیر ساجد: ۱۹
کرشن کپور، سری: ۱۹۷
کرم الٰہی: ۳۰
کرم حیدری: ۱۳۶
کریم بخش، حافظ: ۱۱۷
کفایت اللہ، مولانا مفتی: ۲۱۹
کنول فیروز: ۲۱۰
کنہیا لال: ۱۴۶
کے ایم عارف: ۳۱۷

گ

گلزار حسین شاہ صابر، صاحبزادہ: ۲۸۰، ۲۸۱
گل محمد، سید: ۲۱۹

ل

لطیف احمد انیس، خان بہادر خواجہ: ۱۷۹، ۱۸۰

م

ماموں انور، مرزا: ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۲۱۰، ۲۹۸
مبارز خان، ملک: ۹۴
مبارک علی شاہ، حضرت سید: ۳۷۴
مجیب الرحمان، قاضی: ۱۸۳
مجید افضل پراچہ: ۲۴۴، ۲۴۵
مجید امجد: ۲۰۰، ۲۶۹
محدثہ خاتون: ۲۸۲
محسن احسان: ۲۱۰
محسن عباس: ۲۹۴، ۳۰۱
محشر لکھنوی: ۵۰
محمد اسلم، پروفیسر: ۲۱
محمد افضل بکھروی: ۱۴
محمد افضل شاہ بخاری: ۱۴
محمد افضل ملک: ۳۱۷، ۳۱۸
محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر: ۷۹، ۱۰۹، ۱۱۴، ۱۴۰، ۱۴۵، ۱۷۴، ۱۸۴، ۱۸۸، ۲۱۵

Marfat.com

محمد اقبال جاوید، پروفیسر:۲۵
محمد اقبال قریشی:۱۹،۱۷
محمد اکرم بھٹی، میاں:۲۳۳
محمد الدین سفر:۱۳
محمد الدین، شیخ:۱۶۹
محمد اللہ یار:۳۵۲
محمد امین، قاضی:۵۱
محمد امین، مولوی:۱۱،۳۲،۳۳،۳۵۱
محمد امین گوندل:۵۳
محمد نواز، میاں:۲۱۰
محمد بخش:۱۵۰
محمد بخش، حافظ:۱۸۶
محمد برکت علی لدھیانوی، ابوانیس صوفی:۲۷۶
محمد بلال:۱۹
محمد جہانگیر خان جوئیہ:۳۴۲
محمد حامد تونسوی، حضرت خواجہ:۱۱۷
محمد حسن عسکری:۱۵۰
محمد حسن واسطی، سید:۲۲۱
محمد حسین:۲۷۵
محمد حسین احمد آبادی، مولوی:۲۹
محمد حسین جامی:۳۴۴،۳۴۵
محمد حسین شوق:۶۷،۶۸،۲۱۰
محمد حسین قریشی، حافظ:۲۱۹
محمد حسین نیلوی:۱۶،۲۱۹،۲۲۲
محمد حنیف، خواجہ:۲۱۰
محمد خان جونیجو:۳۷۴
محمد خان، ملک:۱۵۹
محمد دین، حافظ:۳۱۹
محمد ذاکر بگوی، مولانا:۳۵،۳۶،۶۰
محمد رمضان، حاجی حافظ خطیب:۸۸
محمد زبیر نسیم، مولانا:۱۲،۱۳۲
محمد سرور خان اعوان:۴۲
محمد سعید:۲۳۷
محمد سعید المعروف ڈورا حکیم:۵۲
محمد سعید زین پوری، مولانا:۱۱،۳۵،۳۶،۳۸
محمد سعید مرزا:۲۸۱،۲۹۲
محمد شاہ جہلمی، مولانا سید:۲۱۹
محمد شریف قیصر، ڈاکٹر:۱۱،۱۱۲،۳۰۷
محمد شفیع، خواجہ:۱۱۷
محمد شفیع، سر:۴۲

Marfat.com

محمد شفیع، مولانا مفتی: ۱۱، ۵۱، ۵۷

محمد شفیع صابر: ۱۴۳

محمد صادق، ڈاکٹر: ۱۴

محمد صالح، مولانا: ۵۲

محمد صدیق: ۲۱۲

محمد صدیق سیٹھی، خواجہ: ۱۳۸

محمد صدیق مرزا: ۲۹۱

محمد صفدر خان: ۷۰، ۳۰۵، ۳۰۶

محمد طفیل: ۱۵۲

محمد طفیل، پروفیسر: ۳۳۶

محمد ظفر اقبال ۲۹۵

محمد ظہیر بدر: ۳۲، ۲۵۲

محمد عارف، ملک: ۲۵۱

محمد عبداللہ، صاحبزادہ حافظ: ۱۲

محمد فاضل، مفتی: ۱۱۲

محمد فاضل نقوی: ۲۸۳

محمد کندلان: ۲۵۰

محمد معظم الدین، حضرت خواجہ: ۳۱۲، ۳۱۳

محمد منور مرزا: ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۷

محمد منیر احمد سلیچ، ڈاکٹر: ۱۹، ۵۷، ۲۱۷، ۲۶۴

محمد نذیر: ۳۶۰

محمد نذیر حسین، مولانا: ۴۱

محمد نذیر شیرزادہ: ۲۴۶، ۲۴۷

محمد نعیم اختر: ۱۹

محمد نواز نسیم: ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴

محمد نوشہ گنج: ۱۰

محمد یار خلیق: ۱۳، ۲۵

محمد یحییٰ، مولانا: ۶۷

محمد یحییٰ خان، جنرل: ۳۴۶

محمد یعقوب حفیظ، راجہ: ۱۴۲

محمد یوسف سدیدی: ۳۱۲، ۳۱۳

محمود اسیر: ۱۹، ۷۳، ۸۱، ۱۳۰، ۱۶۸، ۱۷۸، ۱۸۴،
۱۸۹، ۲۳۵، ۲۷۱

محمود سرحدی، مرزا: ۱۴۰، ۲۱۰

محمود غزنوی، سلطان: ۱۰

محمود مجیب اصغر: ۹۸

محمودہ سوز: ۲۱۰

محی الدین قادری، سید: ۱۳۴

مرزا علی جوش: ۱۴

مسعود زاہدی، سید: ۲۴۱

Marfat.com

مسعود ہاشمی:۲۰۶
مشتاق احمد:۳۷۳،۳۷۴
مشتاق احمد آبادی:۲۱۰
مشفق خواجہ:۲۰۴
مصطفیٰ صادق:۲۱۰
مضطر دھریموی، کریم بخش:۱۰۰،۱۵۶،۲۱۰
مظفر اے غفار:۲۰۲
مظفر حسن منصور:۲۱۰
مظفر وارثی:۲۱۰
مظہر جعفری:۳۱۵
مظہر گیلانی:۱۳۴
معراج الدین معراج:۱۵
معرفت ہمدانی، سید ادریس احمد شاہ: ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹
معروف چشتی قادری، حضرت مخدوم شاہ:۱۰
معین الدین اجمیری، مولانا:۱۱۷
معین الدین چشتی اجمیری، حضرت خواجہ:۱۱۹
معین الدین عقیل، ڈاکٹر:۱۷
مقبول حسن مرزا:۱۱۴
مقصود احمد راہی:۳۵۵،۳۵۶
مقصود وارثی:۱۱،۵۵
ملازم حسین اصغر:۱۳
ممتاز احمد کاہلوں:۲۴۰
ممتاز بیگم ممتاز:۱۴
ممتاز حسن:۹۰
ممتاز محمد خان، ملک:۹۱،۹۲
ممتاز مفتی:۱۹۷
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر:۲۰۴
منشا پانی پتی:۲۵۶
منصورہ احمد:۱۵۲
منظور احمد منظور:۲۱۰
منظور احمد منظور، ڈاکٹر:۱۲،۳۰
منور سلطانہ لکھنوی:۲۱۰
منی بیگم:۹۷
منیر ایاز:۳۶۰
مولا بخش کشتہ:۲۶،۳۰
مولا بخش گوندل:۳۶۴
مولا بخش واصف، مولوی:۶۳
مولا رام، چوہدری:۷۴
مہدی مدنی، سید:۲۲۶،۲۲۷،۲۲۸
مہر علی شاہ گولڑوی، حضرت پیر:۱۸۶
میاں محمد جان:۸۷

Marfat.com

میاں محمد نقوی: ۲۸۳
میر تقی میر: ۳۴۵

ن

ناسک امرتسری، غلام نبی میر: ۱۰۴، ۱۰۵
ناصر رانا، ڈاکٹر: ۲۰
ناصر عباس نیر: ۲۰۴
ناہید قاسمی، ڈاکٹر: ۱۵۲
نبی احمد ضیا: ۱۳
نتھن شیخ: ۲۵۹
نجم السحر، محترمہ: ۲۱۰
نجمہ منصور: ۱۷۱
نجمہ یاسین یوسف: ۱۸۲
ندیم حیدر بلوچ: ۳۳۱، ۳۳۲
ندیم حسین شاہ، سید: ۳۴۶
نذیر احمد چودھری: ۱۹۰، ۱۹۱
نذیر اے قمر: ۳۶۷
نذیر علی شاہ، سید: ۲۸۳
نسیم الدین انصاری: ۳۵۷، ۳۷۰
نسیم سید: ۲۱۰
نصرت چوہدری: ۷۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸
نصرت فتح علی خان: ۲۷۶
نصیر الدین بگوی، مولانا: ۲۷، ۳۰، ۶۰
نصیر ملک: ۲۰۲
نظام الدین اولیاء، حضرت خواجہ: ۲۵۲
نعیم ساگر: ۳۴۰
نفیس خلیلی: ۱۷۰
نکہت پروین رعنا: ۲۱۰
نند کشور وِکرم: ۱۵۲، ۲۹۵، ۳۴۸
نواب علی مخمور: ۲۵۹
نوازش گیلانی: ۲۶
نور احمد میرٹھی: ۹۰
نور الدین، مولوی: ۱۱، ۴۰، ۴۱، ۴۲
نور محمد، ابوظفر حکیم حاجی: ۱۱۹، ۱۲۰
نور محمد، مولانا حاجی: ۴۱
نور محمد جرال: ۱۱۷
نیاز فتح پوری: ۱۳۴، ۱۳۹

و

واحد حسین نشان، سید: ۱۹۴، ۱۹۵
وارث علی شاہ، حاجی: ۶۲
واصف علی واصف: ۳۲، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴
وحشت کلکتوی: ۶۶
وزیر آغا: ۱۰۰، ۱۷۰، ۱۹۹، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵،
۲۰۶، ۲۱۰، ۲۳۵، ۲۴۰

Marfat.com

وزیر شیرازی، سید: ۸۳، ۱۰۷
وزیر محمد: ۲۶۶
وزیر محمد: ۳۲۸
وسعت علی خان: ۱۹۹
وسیم حیدر شاہ، خان بہادر: ۱۵۰
ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شاہ: ۴۴
ولی محمد انھی شریف: ۲۱۹

ہ

ہارون الرشید تبسم، پروفیسر، ڈاکٹر: ۱۹، ۵۶، ۲۰۴، ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۴۰، ۲۴۲، ۲۴۷، ۵۷۵، ۲۷۷، ۲۹۱، ۳۴۴، ۳۵۶
ہاشم الدین مرزا: ۲۱۴

ی

یوسف آزاد، حافظ: ۸۴، ۹۴، ۹۵، ۹۷، ۲۱۰، ۳۵۵
یوسف جبریل، علامہ: ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۶۵، ۱۸۶، ۱۸۶، ۲۵۳
یوسف خالد: ۲۷۱
یوسف خورشید: ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵
یوسف شیدائی: ۳۴۲
یونس حسین جھجروی: ۸۵

***

☆☆☆

Marfat.com

Sargodha ka Dabistan-e-Shairi
Vol-I

سرگودھا کا دبستانِ شاعری

(جلد اول)

Shakir Kandan